سوانح عمری

شہنشاہ اکبر معہ نورتن اکبری

جسکو

حسب ایما جناب منشی بلاقیداس صاحب مالک مطبع

امراؤ مرزا صاحب حیرت نے کتب انگریزی سے

زبان اردو سلیس مین تالیف کیا

اور

میور پریس دہلی محلہ چھپل مہادیو مین

باہتمام منشی بلاقیداس جلوہ اشاعت پاکر

فائدہ بخش خاص و عام ہوئی

بیکنٹھ دھام جناب راجہ راجایان مہاراجہ نارائن پرشاد نراندر بہادر سابق
پیشکار دولتِ آصفیہ حیدرآباد دکن

جس میں اُن کے سُرگ براجمان اور نامدار بزرگوں اور پُرکھوں اور نیز ان کے
جانشین اور وارث راجہ کشن پرشاد بہادر کے خاندانی اور تاریخی حالات

کے علاوہ

سلطنتِ آصفی حیدرآباد دکن کے حالات اور اس سلطنت
کے بعض امیروں اور بعض اعلیٰ عہدہ داروں
کے خاندانی اور تاریخی
حالات بھی
ہیں

[illegible]

سنہ اٹھارہ سو بانوے عیسوی

مصنف
رجب علی ایچ ایم منشی ایم اے سی اڈیٹر پنجاب [illegible]

اِس سوانحعمری کا مُصنّف مندرجہ ذیل کتابوں کا بھی مُصنّف ہے جو اُس نے سنہ ۱۸۶۳ء
اٹھارہ سو ترسٹھ عیسوی سے اب تک تصنیف کیں نمبر اوّل سے گیارہ
تک تو اُس نے اپنے خرچ سے چھپوائیں اور بارہ سے تیئیس ۲۳
تک ادھ پبلک سوسائیٹی کی نذر کیں اور اُس نے
اُن کو اپنے صرف سے طبع کرایا۔

---

(۱) علمِ منطق۔ (۱۲) آلہی براہین (اثباتِ ہستی باری تعالیٰ)
(۲) گنجینۂ حکمت (فلسفہ) (۱۳) المقدمہ (ر ی دیا کتاب اظہار عیسوی)
(۳) آریا رانیاں (ہندو رانیوں کی لائف) [الف] (۱۴) ریمارک رسالہ الفصال و لادتِ مسیح
(۴) رُوس انگلینڈ اور ہند کے پولیٹیکل تعلقات۔ (۱۵) صلاحِ مسعود۔
(۵) پنجاب ری ویو۔ (۱۶) برہمہ دھرم۔
(۶) دی ایسٹرن کوئسچن اُردو اور انگریزی میں [ب] (۱۷) آئینہ اسلام۔
(۷) سوانحعمری مہاراجہ نراندر بہادر [ج] (۱۸) معراج۔
(۸) ریاست جموں کشمیر اور برٹش گورنمنٹ کے تعلقات [د] (۱۹) مصباح الایمان۔
(۹) تہذیب جواناں۔ (۲۰) حقیقی آفتاب۔
(۱۰) تاریخ سلطنتِ آصفی حیدرآباد دکن۔ (۲۱) تشریف نسبتیں۔
(۱۱) لائف آف ریورینڈ گولک ناتھ۔ (۲۲) تولد جدید۔

(۲۳) مرأۃ الواعظین

الف یہ کتاب رانی کرپا دیئی کی نذر ہوئی جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے سردار بھگوان سنگھ کی اہلیہ ہیں
ج یہ مہاراجہ نراندر بہادر کے نبیرہ اور جانشین راجہ کشن پرشاد بہادر کی نذر ہوئی۔
د یہ لاہور کے خاندان چشت کے رئیس مولوی محرم علی چشتی اڈیٹر رفیق ہند کی نذر ہوئی
و یہ ملک اودھ کے ممتاز منشی اور مُصنّف یادری صموئیل نولس صاحب ایم اے کی نذر کی گئی۔

ب ۔ [illegible]

اس جدید تاریخی تصنیف کا مصنف

اس تصنیف کو

راجہ کشن پرشاد بہادر

کی نذر کرتا ہے۔ نذر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس تصنیف کے

ہیروز یعنی

راجۂ راجایان مہاراجہ نارائن پرشاد نراند بہادر

سُرگ براجان کے آپ نبیرہ اور جانشین ہیں اور

دولتِ آصفیہ حیدرآبادِ دکن

خلد اللہ سلطنتہم کے آپ پشتینی نمک خوار اور دست گرفتہ ہیں۔ ان وجہوں
کے علاوہ آپ کو تاریخی اور اخلاقی امروں میں گویا
نیچرل ٹیسٹ ہے۔ اس لئے آپ
سچے جوہروں کے
قدردان ہیں

حیدرآباد دکن
یکم ستمبر سنہ ۱۸۹۲ء

نیازمند
رجب علی مصنف

مجمل یا صیغہ وار

انڈکس

کتاب سوانح عمری بیکنٹھ دھام راجہ راجایان مہاراجہ نارائن پرشاد نراندر بہادر سابق پیشکار حیدرآباد دکن کنگڈم

جس میں اُن کے سُرگ براجمان اور نامدار بزرگوں اور پُرکھوں اور نیز اُن کے لائق جانشین اور وارث راجہ کشن پرشاد بہادر کے خاندانی اور تاریخی حالات کے علاوہ

سلطنتِ آصفی حیدرآباد دکن

کے حالات اور اس سلطنتِ خداداد کے بعض نامور **امیروں** اور بعض اعلیٰ عُہدہ داروں کے خاندانی اور تاریخی حالات بھی درج ہیں

---

* ریمارک وغیرہ کی ذیل میں۔

فٹ نوٹ از صفحہ اوّل تا پچون مفصل انڈکس ہے جس میں ریمارک کا انڈکس بھی شامل ہے۔ جو کتاب کے کُل صفحوں وغیرہ سے الگ ہے۔

دفعہ وار اور نیز پیراگراف وار مفصّل

انڈکس

کتاب سوانح عمری بیکنٹھ دھام راجہ راجایان مہاراجہ نارائن پرشاد

نراندر بہادر سابق پیشکار حیدرآباد دکن گنگدھام

جس میں اُن کے سُرگ براجمان اور نامدار بزرگوں اور پرکھوں اور نیز اُن کے لائق
جانشین اور وارث راجہ کشن پرشاد بہادر کے خاندانی اور تاریخی حالات کے علاوہ

سلطنتِ آصفی حیدرآباد دکن

کے حالات اور اس سلطنتِ خداداد کے بعض نامور **امیروں** اور بعض
اعلیٰ عہدہ داروں کے خاندانی اور تاریخی حالات بھی درج ہیں

دفعہ ۱

اس دُنیا کی عمر جس پر اب ہم آباد اور رہتے سہتے ہیں جیالوجی
کے صحیح علم کی رُو سے خواہ کتنی ہی ہو۔ مگر اب تک اُس کا پہلا مُؤرّخ
رَبِّ اَرِنِی اَنظُر اِلَیکَ اور لَن تَرَانِی کے سوال و جواب کے
مصداق کے بغیر کوئی اور ثابت نہیں ہوا
ہم کسی علم کو بغیر طے کر اُس کی بنا صحیح ہو حقیر نہیں سمجھ سکتے۔

علمِ فلسفہ لاریب دین اور دُنیا کے تمام علوم کا اُستاد ہے۔ لیکن
اِس وقت اخلاقی تہذیب کی ضرورتوں کے لیئے علمِ تاریخ اور علمِ لائف

دوھا ۲

کی ہمارے اہلِ وطن کے واسطے اوّل درجہ کی ضرورت ہے۔
اَلمورّخ نے جو طورِ سینا کی تجلّی کا باعث ہے اپنی ہسٹری

دوھا ۳

میں علمِ لائف کو بھی خوب نبھایا ہے۔
علمِ تاریخ چیز کیا ھے؟ ہم ابھی بیان کرتے ہیں مگر اِس سے
پہلے یہ بیان کریں کہ جس وقت سے دُنیا ظاہر ہوئی اُسی وقت سے عشق
بھی ظاہر ہوا۔ قارورہ شناسوں نے اِس کو بیماری کہا ہے۔ اور یونان کے

دوھا ۱

فلاسفروں نے جہاں بیوٹی ہو واں لوّ کو لازم گردانا ہے۔
وہ کہتے ہیں کہ حسین میں حُسن لائق میں لیاقت وفادار میں وفا
صادق میں صداقت راستباز میں راستبازی اور نیک میں نیکی ایک
ہی مادہ اور ہیولا سے ہے۔ گو نام اور ظہورات مختلف ہیں۔ صوفیائے کرام
نے جو وہ بھی اہلِ فلسفہ ہیں خدا کی ذات و صفات میں اُسی فیلنگ کا نام
محویت اور کیورِ آسٹی رکھا ہے۔ مگر ناولوں۔ افسانوں اور سٹوریوں
کے تنگ بندوں نے اُس کا نام شہوتِ نفسانی رکھا ہے۔ اور اودہ گنگدام
کا شار فلکِ عزت سے گرا کر انہوں نے ہی چکنا چور کیا ہے۔ غضب کہ

دوھا

ایسی اعلیٰ چیز سے ویسا پلید اور پلید تر کام لیا گیا
ناولوں افسانوں اور سٹوریوں والوں نے ہم کو مخمصہ میں ڈالدیا

دوھا

تھا بارے اَب ذرا نجات ملی۔

علم تاریخ اور سوانح عمری ایک ہی دُرج کے آبدار موتی اور ایک ہی آسمان بلکہ عرش کے چمکیلے ستارے ہیں۔ جب وہ **اِدبار** کی غائت یا فلاکت کے بیان پر آجاتے ہیں تو نہ نادر سے نادر پیش کرتے ہیں اور نہ ملکہ میری کے اظلام۔ بلکہ روم کبیر کے اخبث امپیرر کو جس بدطینت کا نام نیرو تھا محکمہ عدالت میں پکڑ لاتے ہیں۔ پھر اُسکی کانشنس کی نرمی اس درجہ تک بیان کرتے ہیں کہ واجب التعذیر کے لیئے بھی سزا کا آرڈر نہ پاس کیا کرتا تھا۔ اور پھر یہہ غضب کہ اپنے اُستادوں کو جو فلاسفر تھے حتّیٰ کہ اپنی والدہ کو جو فلاسفرہ تھی مروا کر اور لاکھوں کو قتل کروا دیا اور یہہ کہ اپنے ہاتھوں سے شہر رُوم کو بھی جلا دیا۔

دفعہ ۷

انسان کی لائف سے اُسکے اقبال اور اِدبار کی بِدہ ایسی مل جاتی ہے کہ جیسے دو اور دو سے چار کی بِدہ مل جاتی ہے۔ اور یہہ کہ وہ مؤرخ کیا جو قوموں اور شخصوں کے اقبال اور اِدبار کے لچھنوں کو پہچان کر اُنکی جنم پتری نہ بنا دے۔

دفعہ ۸

علم لائف کی بُنیاد پر پچھلی دفعوں میں اِدبار کی علامات بیان کی گئی ہیں۔ اب اُسی نادر علم کے ذریعہ سے نہ کہ ناولوں افسانوں اور سٹوریوں کے وسیلہ سے اقبال کی علامتیں بیان کی جاتی ہیں۔ جس کی ہمارے اہل وطن کو خصوصاً اِن ایام میں اشد ضرورت ہے۔

دفعہ ۹

اجودھیا پوری کے راجہ کا نام سِری رام چندر جی تھا جو بھاگوان دیوتا اور چھتر تھے۔ اُن کی بھاگوان پتنی کا نام جانکی جی تھا جو راجہ جنک کی پتری تھیں۔

دفعہ ۱۰

راجہ صاحب ممدوح کے پتا دسرتھ نے بہ وجوہ اپنے سپوت
کو بارہ برس کی مدت تک بن باس کا حکم دیا۔ جانکی جی اور راجہ صاحب
کے چھوٹے بھائی کنور سری لچھمن جی نے اس کلیش کے دنوں
میں اُن کے ہمرکاب رہنا پسند کیا۔ اور بھرت جی راجہ صاحب کی دوسری
والدہ سے بھائی نے باسِسٹھ مُنی ایک مہاآتما کے کہنے سے آپکی
غیرحاضری کے دنوں میں راج کا کاج کرنا منظور کرلیا۔ مگر حضرت اورنگزیب
عالمگیر بادشاہ نے اپنے بھائی داراشکوہ سلطان مراد بخش اور سلطان شجاع
کو مروا ڈالا تھا۔

دیکھو ۱۱ و ۱۲

آخر راجہ رام چندر جی حیدرآباد دکن کی نواح تلنگانہ میں آئے۔ سیتاجی
اور کنور لچھمن جی ہمراہ تھے۔ تلنگانہ کے راجہ ھنومان نے دیانت اور
سچے لوگوں کی مانند اُن کی بہت مدارات کی۔ ہنومان کو جو راجہ تھے بندروں
کا سردار کہا گیا ہے جو ایک غیر صحیح بات ہے۔ ہنومان راجہ کا قلعہ جس کو
اب ہنم کنڈہ کہتے ہیں ابتک موجود ہے۔

دیکھو ۱۳

جانکی جی سندر بھی تھیں اور لیقہ بھی تھیں۔ صرف خوبصورتی جب
لیاقت نہ ہو تو شکسپیر کی رائے کے مطابق کم مایہ اور کم سود سامان ہے
یا یوں سہی کہ آئینہ ہے جو بنتے ہی تڑک جاتا ہے۔ اور لیاقت وہ چیز
ہے کہ ہر وقت اور ہر کہیں کام آتی ہے۔ جب حُسن اور لیاقت مل جائیں
تو کیا کہنا ہے۔ ایسوں کو آفتوں کا سامنا ضرور ہوا کرتا ہے۔ مہلکی کبیر جی
کہتے ہیں کہ گہن چاند اور سورج ہی کو ہوتا ہے تارے بچ رہتے ہیں۔

دیکھو ۱۴ و ۱۵

لنکا دیس کے راجہ راون نام نے جب سیتا جی کا حال سُنا تو اپنی
کٹنی بہن سُوپ نکھا سے اُن کو بھگا کر منگوا لیا۔ راون برہمن کہلاتا تھا مگر
اُس کا جنم چنڈال کا تھا۔ اصل میں برہمن اُس کو کہتے ہیں جو برہمہ کو جانے
راجہ رام چندر جی کو ایسی بیقراری ہوئی جیسے پیلسطائن دیس کے اوتار یعقوب
کو اپنے بیٹے یوسُف کے فراق میں ہوئی تھی۔ راجہ ہنومان کو بہت ہی
کلیش ہوا کہ اُن کے مہان عزیز اور معزز مہان کا بہت بڑا نقصان ہوا۔　دفعہ ۱۶

بہادر ہنومان نے وفاداری اور نیکی کے فیلنگ میں سیتا جی کو لنکا
میں جا پایا۔ اور اپنی فوج کو ساتھ لیا۔ لنکا اور حیدرآباد دکن کی سرحد کے درمیان
جو سمندر تھا اُس پر پُل باندھ دیا۔ پُل کے مُعاملہ اور حضرتِ مُوسیٰ کے
عہد والے بحرِ قلزم کے معاملہ کا ایک سا ہونا۔ آخر سیتا جی کو واں سے
لے آنا۔ بارہ برس کی مدت بن باس کا طے ہونا۔ اور اجودھیا میں پہنچکر جو
اُن کی راج دھانی تھی مُکٹ پہنا اور تخت پر بیٹھنا۔ اور راجہ ہنومان کا شکریہ ادا
کرنا۔ جانکی جی کی پوترتائی میں فرق نہ آنا۔ جیسا حضرتِ ابراھیم یہودیہ
دیس کے ریفارمر کی پارسا بی بی سائرہ کی عفت میں فرق نہ آیا تھا جبکہ
ابی ملک بادشاہ نے اُن کو پکڑ منگوایا تھا۔ عورتوں کی تعلیم کے بارہ میں
مولوی سید احمد کا ایک عورت رامابائی سے مقابلہ۔　دفعہ ۱۷ سے ۲۱ تک

اَب ہم راجہ رام چندر جی کے بھاگ اور **اقبال** کے لچھن
اور علامتیں بیان کرتے ہیں جو علم للّف کی غائت اور اس حکیمانہ فن کا
موضوع لہٗ ہے۔

اپنے پتا کی آگیا کو جو بن باس کے بارہ میں تھی گرہن کیا۔
پھر اُس کی اولاد کو وہ پھل پھول لگے کہ اب زمانہ کے
بدل جانے پر بھی راجپوتانہ کی ریاستیں اور نیپال
کی ریاست موجود ہے۔ اسکندر نے تو اپنے پتا کو مرغ
ہی کہا تھا۔ مگر ہمارے حضرتِ اورنگ زیب عالمگیر نے
اپنے باپ کو قید رکھا اور قید ہی میں مر بھی گیا۔ اورنگ زیب
کی اولاد کی ریاست اور عزت کہاں ہے؟ کہیں نہیں۔!
بھرت جی اور کنور لچھمن جی دونوں بھائی اُنکو ایسے ملے کہ
نفاق اور اتفاق کا عملی ثبوت مل گیا اور یہہ کہ تاریخی واقعہ
ہوگیا۔ ایک کلیش کے دنوں میں اُن کا سہائی رہا دوسرا
اُن کے لیئے راج کا کاج کرتا رہا۔ دارا شکوہ سُلطان مُراد بخش
اور سُلطان شجاع کو حضرتِ اورنگ زیب دیکھ تک نہ سکے
اِس سے اُن کو مروا ڈالا۔ پھر سکھ اور مرہٹہ نیش نے
سلطنتِ مغل کو گویا برباد کر دیا۔
سیتا جی اُن کو ایسی رانی پرمیشور نے دی کہ پیلسطائن کے
پرافٹ کا قول ثابت کر دیا کہ "نیک عورت مرد کا تاج ہے"
اور یہہ کہ "نیکوکار بی بی کی قیمت لعلوں سے بھی زیادہ ہے"
اور یہہ کہ "جس مرد کو اپنی پتنی پر پریت ہے اُس مرد کو کچھی
خوراک کی کمی نہیں" معقول وجہوں سے جیسا کہ چاہیئے ثابت ہوچکا

ہے کہ - جانکی جی چترائی اور پوترتائی میں یکتا تھیں - دفعہ ۲۲

راجہ رام چندر جی میں امن کے دنوں میں اہنکار بھی سما گیا تھا - تصویر کو اس ڈھنگ سے پیش کرنا کہ اس کا روشن رخ نظر آئے اور تاریک چھپا رہے سچے مورخ کا کام نہیں - دفعہ ۲۳ و ۲۴

ایک دھوبی کا اپنی دھوبن کو یہہ کہکر نکالنے کی دھمکی دینا - کہ تو نے مجھے کیا رام چندر سمجھا جس نے نکلی ہوئی سیتا کو پھر بسا لیا - راجہ رام چندر جی کا اپنے کانوں سے سنکر ششدر ہو جانا - اور باسسٹ مُن کی فہمائش کہ تمہارے ابھمان کے کارن یہہ تمکو ہنٹر لگا ہے کہ تم آنکھیں کھولو اور پچھتاب کرو - راجہ رام چندر کا مہا آتما ذکور کے کہنے کے موافق پچھتاب کرنا **تنبیہ** کا اثر اقبالمند پر ہونا - دفعہ ۲۵ و ۲۶

ابتک ہم نے دفعات ماسبق میں **ادبار** کے دفع کرنے اور **اقبال** کے حاصل کرنے کے فائدوں پر بحث کی ہے - اب ہم **پاپلیرٹی** [ہر دل عزیزی] پر بحث کرکے دکھاتے ہیں کہ اس دنیا میں ہر آدمی کو اس کی کس قدر ضرورت ہے - خصوصاً جس قدر بڑے آدمی ہیں اس کے زیادہ محتاج ہیں - دفعہ ۲۷

محمد جلال الدین اکبر نے اپنی عمیق پالیسی کی وجہ سے چتوڑ پر خود چڑھائی کی - یہہ راجپوت نیشن کے امپیرر کی راج دھانی ہے - حملہ کے وقت ایک گبرو کے پاس زرہ بکتر بھاری تھی - اس لیے اکبر نے اپنی نادر زرہ بکتر اپنے ہاتھوں سے اس کو پہنا دی اور اس کی خود پہن لی دفعہ ۲۸

فتح کے بعد معلوم ہوا کہ وہ نوجوان جودھپور راجپوتانہ کا کنور ہے اور اُس کا نام مان سنگھ ہے۔ اکبر کے دل میں اُس کی **وفاداری** نے اثر کیا کہ وہ راجپوت ہو کر مسلمان بادشاہ کے لیئے اپنی جان قربان کرنے کو تیار ہو گیا۔ اور مان سنگھ کے دل میں اکبر کی ہر دل عزیزی کی **الکٹرسٹی** (قوت برقی) نے اثر کیا کہ ہیدن اور فتحمند آمیر نے میرا آرمر پہن لیا اور نازک وقت میں اپنا جنگی لباس مجھے بخش دیا۔ غرض کہ شاہنشاہ موصوف کا کنور ممدوح کو مہاراجہ کے خطاب سے معزز فرما کر رخصت کرنا۔ دفعہ ۹

فردوس منزل نواب محمد مردان علی خاں نے جب کہ اُن کے مدار المہام تھے ہم کو بھی اکبر کی وہ **یادگار** دکھائی تھی جو اب تک جودھ پور میں موجود ہے۔ اکبر نے اُس وفادار خاندان میں اپنی شادی بھی کی جس سے جہانگیر پیدا ہوا۔ اور جہانگیر کی شادی بھی اسی کنگ فیملی میں کی جس سے شاہ جہاں پیدا ہوا۔ اکبر کی اس پالیسی کی بنا نیک نیتی پر تھی۔ دفعہ ۱۰

اب ہم اس امر کو ثابت کیا چاہتے ہیں کہ راجپوتوں میں اکبر کی پاپلیریٹی کا کیا اثر ہوا۔ دفعہ ۱۱

اکبر کے اُمرا میں افغانستان کی مہم پر بڑا فخر ہوا کرتا تھا۔ ہر امیر واں جانے کے لیئے کوششیں کیا کرتا تھا۔ اکبر کے فلاسفر سکرٹری **ابو الفضل** نے قرعہ ڈالنے کی تجویز کی۔ جب قرعہ ڈالا گیا تو اکبر کے کوکلتاش زین خاں اور اُس کے ندیم اور مشیر راجہ بیربر کے نام پڑا۔ چنانچہ دونوں مہم مذکور پر پہنچے۔ مگر پہلا بچ رہا اور دوسرا مارا گیا۔ اس واقعہ پر مصلحتاً قرعہ کی رسم ملتوی

کی گئی - اور سپیشل الیکشن (انتخاب خاص) کی بنیاد پر مہاراجہ مان سنگھ
بھیجا گیا - جس نے ہندو کش تک معاملہ صاف کر دیا - اور یہہ کہ تن تنہا اپنے
لشکر سے یہہ کام کیا -

دفعہ ۳۲
دفعہ ۳۳ و ۳۴

ہم اس امر کو ناظرین کے انصاف پر چھوڑتے ہیں کہ اکبر کی
ہر دل عزیزی جو سچے بے ریا اور نیک نیتی سے تھی کیسے کیسے پھل
اور پھول لائی - اکبر کے اقبال جہانگیر کا دار و مدار ہی اس پر تھا یا
پاپیولیرٹی میں کس کو ٹیسٹ نہیں ہوتا اور یہہ کہ کس کو ہوتا ہے - بوالہوس اسکی
قابلیت ہی نہیں رکھتا - مگس کو پروانہ کا سا سوز دیا ہی نہیں گیا - بوالہوس
مگس طینت اگر اس کو کام میں بھی لاتا ہے تو اس کو جو ایک نایاب جوہر ہے
بدنام طشت ازبام کر دیتا ہے - اور جب کامل العزم اس کی غائت اور ضرورت
معلوم کر کے اس پر کاربند ہوتا ہے تو اس کو سحر حلال کر دیتا ہے
بڑے آدمیوں کو اس سچے جادو کی بہت ضرورت ہے -

دفعہ ۳۵

لو بھئی ناظرین اب ہم اس انٹروڈکشن کو ختم کرتے ہیں
نہ اس لیئے کہ ہمارا سر کمزور ہے گو آلات تحریر کمزور ہی سہی اور خود ہم چراغ سحری
ہی ہیں - بلکہ اس نظر سے ختم کرتے ہیں کہ بڑے مقدمے بڑی کتابیں رکھا کرتے
ہیں - ہماری تحریر چوں کہ مختصر سی ہے پس مقدمہ بھی ایسا ہی چاہیئے کہ ما قل و دل
ہو - اور یہہ کہ سوانح عمری کا علم مقدمہ کے بغیر یاں ذلیل ہے -

دفعہ ۳۶

ہماری اس تالیف کی بنا علم تاریخ اور علم الف پر ہے - البتہ اس پر
جگہہ بجگہہ رائیں ہماری جانب سے ہیں - اگر علوم مذکورہ نہ ہوتے تو ہم ان

جواہر زواہر سے ناکامیاب رہتے ۔ اصل تحریر میں ہمنے اپنے **ہیرو** کے مورث اعلیٰ راجہ **ٹوڈر مل** اور اُن کے جد امجد مہاراجہ چندو لال اور پھر جس سلطنت خداداد کے وہ خانہ زاد ہیں یعنی حیدرآباد دکن گڈھ کا تذکرہ بڑی شرح وبسط کے ساتھ کیا ہے ۔

دفعہ ۳۷ و ۳۸

خاتمہ

پھر انٹروڈکشن کو جو ہماری تالیف کی رُوح ہے ختم کیا ہے میں رسالے پیام یار والے اور نیز مسٹریز آف لنڈن اور مسٹریز آف کورٹ آف لنڈن والے پر نظر جاتے ہیں ۔ اور اُس کی ضمن میں کتنے گیدڑوں اور طوطیوں والے ناولوں افسانوں اور سٹوریوں کے بانکے ترچھے جادو بھرے اور سحر کار طبیعتوں والے اپنے دیس کے نوجوانوں کے بھی کان کھینچے ہیں جنہوں نے **ضروری** علم لاالف سے قطع تعلق کرکے مُلک کے **اِدبار** کو اور بھی بڑھایا ہے ۔

دفعہ ۳۹ و ۴۰

ضمیمہ

اس تالیف میں ہم سے لارڈ مکالے کی پیروی نہیں ہوسکی جو جھوٹے آدمی اور قسم اور یادہ گو مؤرخ اور تاریخوں کے حوالوں کی نسبت نظر پڑتا ہے ۔ اور تھیوڈور پارکر کے نقش قدم پر چل کر رزلٹ کی خاطر مقدمے نہیں بنائے ۔

پیراگراف الف

اس تالیف کے ہیرو راجہ راجایان مہاراجہ نارائن پرشاد نرانذر بہادر کے مورث اعلیٰ راجہ ٹوڈر مل کی نسبت اکثر مورخوں نے غلط کہا ہے کہ وہ لاہور پنجاب کے رہنے والے تھے ۔ بلکہ وہ دیپالپور کے چھیتے تھے

جو پنجاب کے ایک ضلع منگمری کے متعلق ہے جہاں اُن کے زمانہ حال
تک **آثارِ صنادید** موجود ہیں۔ لاہور میں اُن کی کوئی یادگار نہیں۔ ب
راجہ ٹوڈرمل **اکبر** شاہنشاہ کے مشیرِ مالی بھی اور جنرل بھی
تھے۔ اور وزیر بھی ہو گئے تھے۔ جنرل کی حیثیت سے اُنہوں نے پٹنہ
مُلک بنگالہ میں تعریف کے قابل خدمتیں ادا کیں۔ اور احمد آباد گجرات میں
افسرِ مال کے عہدہ کا کام کیا۔ پٹنہ میں بھی فتح کے بعد اِس نامور شخص نے
مالی انتظام کیا۔ ج

شہنشاہِ ممدوح نے متذکرہ بالا خدمتوں کے ادا کرنے کے بعد
راجہ صاحب موصوف کو اپنے حضور دہلی ہیڈکوارٹر میں بلاکر مالی وزارت
کا کام لیا۔ مگر جب احمد آباد کے صوبہ دار کی عدم کاروانی کی وجہ سے واں کا
انتظام ابتر ہو گیا۔ بلکہ علاقہ مذکور کے شورہ پشتوں نے پھر سر اُٹھایا۔ تو راجہ
صاحب ہی پھر واں بھیجے گئے۔ اِس دفعہ اُنہوں نے جنرل کی حیثیت سے
بڑی جرأت دکھائی۔ یعنی دوسرے جنرل کی مشورت سے محصور نہ ہوئے بلکہ
جان توڑ کر مقابلہ کر کے فتح پائی اور مالی انتظام بھی درست کیا۔ د

راجہ صاحب کی عزت افزائی کے لیئے شہنشاہِ ممدوح ایک بار اُن کے
دولت کدہ پر بھی تشریف لے گئے تھے۔ جیسا کہ **پاپولر** اپنے ہر دلعزیز اپنے فلاسفر
وزیر **ابوالفیض فیضی فیاضی** اور اُن کے کہیں بہ اور وزیر **ابوالفضل**
کے ہاں تشریف لے جاکر اُن کی وقعت بڑہائی تھی۔ جب **راجہ بیربر**
افغانستان میں کام آئے تو **کنور مان سنگھ** اور **راجہ ٹوڈرمل** اِس مہم پر

بھی بھیجے گئے۔ ه

در دمند مزاج شاہنشاہ نے جو الفاظ راجہ بیربر کے واقعہ پر فرمائے اُن سے شاہنشاہ کی اعلیٰ درجہ کی قدر دانی ثابت ہوتی ہے۔ اور پھر اُن کے بیٹے لالہ کو بُلوا کر عزّت افزائی فرمانا **اقبالِ** اکبری کا اعلیٰ درجہ کا پُروف ہے۔ و

راجہ ٹوڈرمل افغانستان کی مہم سے بھی بہ خیر و خوبی واپس آئے۔ یہ مہم چونکہ با وقعت سمجھی جاتی تھی۔ اِس لیئے درباریوں خاص کر دو اعلیٰ رُکن یعنی راجہ بیربر اور علّامی ابوالفضل میں تکرار ہوئی۔ آخرِ کار قُرعہ اندازی پر فیصلہ ہوگیا۔ راجہ صاحب موصوف اور محمّد قلی خاں اور نیز راجہ بھگوان داس مُلکی پالسی کی وجہ سے لاہور خاص میں رکھے گئے۔ راجہ ٹوڈرمل نے اپنے بُڑھاپے کے عُذر اور گنگاجی پر جاکر مُکت پراپت کرنے کی نیّت سے استعفا دیا۔ پہلے منظور ہوا۔ اور پھر اِس بنا پر کہ اگر مُکت نصیب اور **مقدّر** میں ہے تو ہر جگہہ حاصل ہوسکتی ہے نامنظور ہوا۔ آخر ۹۹۸ھ ہجری میں راجہ صاحب سُرگ دھام ہوئے۔ ز

راجہ صاحب بیکنٹھ دھام کی پبلک پولیٹکل اور پرائیوٹ چال ڈھال کے بارہ میں آمیرر کا فلاسفر مؤرخ اور پرائم منسٹر ابوالفضل تعریف بھی کرتا ہے اور گرفتیں بھی کرتا ہے۔ اِس بارہ میں حضرتِ اورنگ زیب عالمگیر کا ایک قول بھی تائید میں ہے جو اُس نے اپنے باپ شاہِ جہاں سے سُناتھا۔ لاریب راجہ صاحب لائق اور مُتقنّن بھی تھے۔ ح

زمین کی اقسام چنچر اور بنجر وغیرہ راجہ صاحب ممدوح ہی نے کی
اور مزروعہ اور غیر مزروعہ کی تفریق بھی اُنہیں کی جدت طراز طبع کا ایک ایجاد ہے
بیگہ کی تقسیم بھی اُنہیں کا کام ہے۔ مختلف پیداوار پر مختلف محصول وضع کیے
کچھ نقدی اور کچھ بٹائی۔ جنرل وغیرہ معززین لوگوں کو جو علاقے مرحمت ہوئے
اُن کا نام جاگیر راجہ صاحب ہی نے رکھا۔ اور یہ کہ خالصہ شریفہ بھی اُنہیں کی ایجاد ہے۔
جو غیر جاگیر علاقوں کو یا یوں سہی کہ سرکاری علاقوں کو کہا جاتا ہے۔ تحصیلداروں
کا نام تحصیلدار راجہ صاحب ہی نے مقرر کیا۔ پیسہ پر بھی سکّہ لگوایا۔ روپیہ کو
خالص چاندی کا بنوایا۔ اور مہروں کو خالص طلا سے۔ اور بہت کچھ ایجاد کیا
جس کی تفصیل تاریخ اکبری یا یوں سہی کہ آئینِ اکبری میں موجود ہے۔ راجہ
صاحب کا اُن داتا بھی موقع پر نہیں بھولا۔ تاکہ مؤلف پر کوئی دھبّہ نہ لگے۔ اکبر
بہادر بھی تھا اور پرلے درجہ کا رحمدل بھی تھا جس کو واقعات سے ثابت
کر کے بھی دکھایا گیا ہے۔ قدردان خداپرست اور زندہ دل بھی تھا۔ حضوری
ندما عقلا کی تعداد جو دس ہزار روپیہ ماہانہ سے دو لمو تک پانے والے تھے
چار سو پندرہ تھی۔ اُن کے علاوہ ایک سو بیالیس علما فضلا اور اطبا
تھے۔ چھپن شاعر تھے اور چھتیس ۳۶ گانے بجانے والے اور خنیاگر۔ اُس عہد
میں سلطنت اکبری کی وسعت بیس ہزار میل مربع تھی۔ اور آبادی پچیس کروڑ۔
آمدنی ستر کروڑ باسٹھ لاکھ اور فوج دو لاکھ تھی۔

جن لوگوں نے اکبر کو دہریہ کا الزام لگایا ہے وہ حق بجانب ثابت نہیں
ہوتے۔ شہنشاہ پکا مسلمان تھا اور صوفیاء کرام کا سا پاک صاف اور

وسیع عقیدہ رکھتا تھا - اور نہ صرف عقیدہ ہی رکھتا تھا بلکہ اس عقیدہ پر پورا پورا عمل درآمد بھی تھا - جو ثابت کیا گیا ہے -

اپنے ہیرو کے مورثِ اعلیٰ کا حال تمام کر کے اب ہم اُن کے جدِ امجد کی لائف لکھتے ہیں -

مہاراجہ نرندر بہادر کے جدِ امجد کا نام راجۂ راجایان مہاراجہ چندو لال بہادر تھا - جس نوبل فیملی کے ایک ممبر راجہ ٹوڈر مل تھے اُسی فیملی کے دوسرے ممبر یہہ مہاراجہ صاحب بھی تھے - مہاراجہ صاحب کے والد کا نام راجۂ نارائن داس تھا اور دادے کا رائے لچھمی رام اور یہہ کہ پردادے کا نام رائے مول چند تھا - یہی بھاگوان شخص محمد شاہ پادشاہ کے عہد میں آصف جاہ اول میر قمر الدین خان بہادر کے ہمرکاب فرخندہ بنیاد حیدرآباد دکن میں آئے - محمد شاہ پادشاہ کے عہد میں جو ۱۱۳۱ ہجریہ میں تھا - اکبری زمانہ کا فاصلہ جو ۹۶۳ ہجری میں تھا ایک سو سینتیس ۱۳۷ برس کا ہوتا ہے - جس میں تیرہ ۱۳ سلطانوں نے پچاس ۵۰ برس سے تین یوم تک حکمرانی کی - غرض کہ رائے مول چند محال کروڑگیری کے ناظم ہوئے -

مہاراجہ چندو لال سمت ۱۸۱۴ اٹھارہ سو چودہ بکرماجیتی میں پیدا ہوئے اور سمت ۱۹۰۰ اُنیس سو میں بیکنٹھ میں جا بسے - ہشتاد و شش ۸۶ سال اِس طلسم دُنیا میں رہا کئے اور ایک کم پچاس ۴۹ برس اپنے ممتاز اور معزز عہدہ پر باختیار کامل عزت اور آبرو کے ساتھ رہے -

مہاراجہ صاحب کی عمر ہنوز دس ایک برس کی تھی کہ اُن کے والد نے سُرگ کی راہ لی۔ راجہ نانک رام آپ کے چچا نے آپ کی پرورش کا ذمّہ کیا۔ چچا پدرانہ محبّت سے جو رقم اپنے بھتیجے کو جیب خرچ کے لیئے دیتے تھے۔ بھتیجے اُس کو اپنے نفس کے لیئے صرف کرنے کے بجا بیکسوں محتاجوں کو بانٹ دیتے تھے۔ چچا نے اِس امر کو معلوم کر کے بھتیجے کے جیب خرچ میں ترقی کی۔ جنم پتّری سے بھی **اقبال** کی بدہ ملجاتی ہو گی مگر **کنج پتّری** سے تو ضرور ہی مل جاتی ہے۔

پنجاب میں ایک مہا رکھی گزرے ہیں جن کا نام اُن کے پتا کالو کھتری نے نانک رکھا۔ جو اپنے کاموں اور لچھنوں سے گرُو نانک صاحب اور نیز **پرافٹ آف پنجاب** پکارے گئے اور پکارے جاتے ہیں۔ اُن کے پتا نے اُن کے جوان ہونے پر بنج بیوپار کے لیئے کچھ روپیہ دیکر کہا کہ اگر اِس روپیہ سے ایسا بیوپار کرو جس سے بہت لابھ ہو۔ گرُو صاحب نے اپنی نیچرلی سمجھی سے وُہ روپیہ محتاج سادہ سنتوں کو کھلا دیا۔ جب دُنیوی مزاج والد ناخوش ہوئے۔ تو اقبالمندوں کی طرح سے ادھین تائی سے عرض کیا کہ۔ آپ نے کسی خاص بیوپار کی قید نہیں لگائی تھی۔ اِس لیئے میری دانست میں دُنیا میں کوئی کام محتاجوں کی خبرگیری اور مہاپرشوں اور پرمہنسوں کے بھوجن کھلانے سے بہتر نہیں۔ لاچار اُن کا پتا خاموش ہو رہا۔ اقبالمندی کا شروع اِس کام سے ہوتا ہے۔

گرہست پن کے نبھانے کے لیئے جو کچھ عرصہ تک ضروری ہوتا ہے گرو نانک صاحب نے ایک مسلمان نواب دولت خاں کی چاکری اٹھالی۔ جب حاسدوں نے جو اُن کلہی شیوہ ہوا کرتا ہے گرو صاحب پر خورد برد کی مخبری کی۔ تو تحقیقات پروہ ایسے نکلے جیسے کندن آگ سے چمکیلا بھڑکیلا ہو کر نکلتا ہے۔ عیسائیوں کے ست گرو نے بھی کل ۳۳ سال کی عمر پائی جس میں سے تین سال دنیوی مگر نیک کام کیا کیئے اور تین سال پرمیشور کے مہاں پر گھٹ کرتے رہے۔ گرو نانک صاحب جب دنیا کو تیاگ کر ایکو برھ دو تیو ناستی کا اُپدیش دیتے پھرے۔ تو ایک افغانی حکمراں سگے خاں نام نے اپنے دیوان بد سرانجام کے کہنے سے گرفتار کر لیا۔ جب شاہِ مغل ظہیرالدین محمد بابر کی چڑھائی کی شہرت پھیلی تو سگے خاں وغیرہ کو اپنی اپنی پڑ گئی۔ اور گرو صاحب رہا ہو گئے۔ جو نیک سلوک بابر سے گرو صاحب کے حق میں ہوا گلے ہی پیرے گراف میں درج ہے۔

یو

اِس کے بعد گرو صاحب کے ایک ہم ذات (یا ہمزاد) نے وہی شکایت دہلی کے بادشاہ سلطان ابراہیم لودھی کے پاس پہنچائی۔ گرو صاحب پھر قید ہوئے۔ جب بابر وہاں بھی پہنچا تو گرو صاحب کی باتوں سے دلچسپی ظاہر کی۔ اور عزت کے ساتھ رہا کر دیا۔ گرو صاحب میں **توجہ** کے قابل کیا بات تھی۔

یز

جن کو **ست گرو** کہتے ہیں وہ بنانے سے نہیں بنتے۔ بلکہ

پرمیشور کی اور سے بنے بنائے اِس سنسار میں براجتے ہیں۔ دوکاندار گروؤں اور ست گروؤں میں اُن کے پھل پھول آپ ہی فرق کر دیتے ہیں۔ یہہ امر **غور** طلب ہے کہ وہ پھل پھول کیا ہیں؟ گرو صاحب نے کبھی پرافٹ ہونے کا چیلنج نہیں کیا بلکہ اُن کا وِرد ہمیشہ یہی رہا کہ ھے نرنکار نانک بندہ تیرا۔ تو بھی وقتاً فوقتاً اُن کے سجادہ نشین دس گرو ہوئے اور یہہ سب کے سب **تواریخی** ہوئے۔ پنجاب میں جو سِکھ نیشن نکلی انہیں کا پرتاب ہے۔ خود مہاراجہ رنجیت سنگھ جو پنجاب کے گویا بادشاہ تھے گرو صاحب کے داس تھے۔ گرو صاحب کے اُصول جس قوم یا شخص میں ہوں گے **ضرور** ہے کہ وہ اقبالمند ہوگا۔

ہیچ

اب ہم مہاراجہ چندو لال کی لائف کی طرف پھر رجوع ہوتے ہیں۔ جب آپ کو ناخن بندی کی طرف توجہ ہوئی تو پہلے پہل نواب شمشیر جنگ بہادر نے اُن کی لیاقت اور خاص کر اہلیت سے واقف ہوکر ملازمت سے عزت بخشی۔ مہاراجہ صاحب کو جس قدر عُروج ہوتا گیا اُسی قدر خیرات اور فیاضی میں ترقی کرتے گئے۔ جب آپ کی کاردانی اور نیک ذاتی کی شہرت ہوئی تو جناب بخشی بیگم صاحبہ نے اپنے ہاں کے جزو کل معاملات اُن کے سپرد کر دیئے۔ آپ کے جوہر ذاتی کی وجہ سے ایک خاص الخاص موقع پر نواب صاحب ممدوح کے موروثی تعلّقہ کی کارپردازی بھی اُس عہد کے کِنگ آف حیدرآباد دکن کنگڈم کے منشا سے آپ ہی کی تفویض میں آئی۔ وہ عہد بڑی ٹھرٹری کا تھا۔ جب **دولتِ آصفیہ** کے اُس

نازک وقت کے وزیرِ اعظم نوّاب غلام سیّد خاں سُہراب جنگ
مُعین الدّولہ مشیر المُلک اعظم الاُمرا ارسطو جاہ بہادر کو
مہاراجہ صاحب کی انتظامی لیاقت تسلیم ہوگئی۔ تو اُس عہد کے قحط کی آفت
کی روک تھام بھی مہاراجہ صاحب ہی کی تفویض کی گئی۔ اُنہوں نے اِس
انتظام میں اپنی عقلِ سلیم سے گویا مُلک پر احسان کیا۔ مشیر الملک بہادر نے
سرکارِ نظام سے اُن کو راجگی کا خطاب بھی دلوایا اور کئی ایک علاقے مع چار ہزار
سوار اور چار ہی ہزار پیادے دلوا کر عزّت پر عزّت اور اختیارات پر اختیارات
بڑھائے۔

مہاراجہ صاحب نے علاقہ مذکور میں پہنچ کر دس ہزار مُفسدوں سے
مُقابلہ کیا یہاں تک کہ اُن کو مغلوب کر کے اپنی سرکار کا مُطیع و منقاد بنالیا۔
اِس عرصہ میں آپ پر حساب فہمی کی بھی شکایت گزری مگر وہ بے ثبوت ثابت
ہوئے سنہ ۱۷۹۴ء میں جو سنہ ۱۲۱۴ ہجری کے مُطابق تھا مہاراجہ صاحب نوّاب
شمس الاُمرا بہادر کے ہاں پیشکار ہوئے۔ ہفت سال تک بڑی عزّت
اور کامل اختیار کے ساتھ اِس نازک اور ذمّہ داری کے عُہدہ کو نبھایا۔ ہر سالہ واقعات
سے ثابت ہے کہ مہاراجہ صاحب جُوں جُوں اقبال میں بڑھتے گئے تُوں تُوں
دنیا میں خیرات اور فیّاضی میں ترقی کرتے گئے آخر سنہ ۱۸۰۶ ایکہزار آٹھ سو چھ
عیسوی مطابق سنہ ۱۲۲۶ ایک ہزار دو سو چھبیس ہجریّہ میں سکندر
جاہ بہادر کے عہدِ دولت میں جب کہ نوّاب ابو القاسم
میرِ عالم بہادر وزیرِ اعظم اور دستورِ معظّم تھے مہاراجہ کو پیشکاری کُل و نظامت

کا خلعت مرحمت ہوا۔ آج اِس دن کو تراسیئواں سال ہے جو ایک صدی کے قریب قریب ہے۔ میر عالم بہادر ۱۸۰۸ء میں رہگرائے عالم جاودانی ہوے۔ نوّاب مُنیرُ المُلک بَہادُر مدار المہام ہوئے۔ مگر جملہ کاروبار دولتِ آصفیہ مہاراجہ صاحب ہی کی سُپرد رہا۔ حُضور سکندر جاہ بہادر نے بارہا مہاراجہ صاحب کی دولت سرا پر تشریف لیجاکر عزّت افزائی فرمائی۔ اسی سال مہاراجگی کا خطاب ملا اور ایک کروڑ روپیہ بھی مرحمت ہوا۔ چُونکہ مہاراجہ صاحب صاحبزادۂ مُبارِزُالدّولہ بَہادُر کے نازک مُعاملہ میں عام پسند حال چلے تھے۔ اِس لیئے جواہر بیش قیمت علَم نقّارہ ہفت ہزاری منصب اور چھ ہزار سوار عطا ہوئے۔ سکندر جاہ بہادر کے جنّت نصیب ہونے پر **ہِزْ ہائینس نَاصِرُالدّولہ بہادر** تخت نشین ہوئے۔ مہاراجہ صاحب کی کارگزاریوں کی وجہ سے اِس جدید گنگ کی پیشگاہ سے بھی اُن کے خطاب میں راجہ راجایان ایزاد کیا ناصر الدّولہ بہادر بھی عزّت افزائی کی راہ سے مہاراجہ صاحب کے ہاں کئی بار تشریف لے گئے۔ ۱۸۳۲ء میں منیر المُلک بہادر نے اِرم کی راہ لی تو اُن کے خلف الصّدق نوّاب سِراجُ المُلک بَہادُر وزیرِ اعظم ہوئے۔

ت

۱۸۲۵ء سے ۱۸۴۳ء تک یعنی اٹھارہ برس کی مُدّت تک **پُر آشوب** عہد رہا۔ پُر آشوب ہونے کی کچھ وجہیں ہسٹاریکل پُروف کی بنا پر یُوں ہیں۔ جس طریقہ سے آصفی سلطنت کی آمدنی بڑھائی جاتی تھی وہ عُمدہ سلطنت کے مقابل نامطبوع اور برٹش افسروں کی نکتہ چینیوں کے لیئے آماجگاہ تھے۔ (۱)

کنٹنجنٹ فوج کے خرچ وغیرہ میں بے انتہا سُود پر روپیہ لیکر
علاقوں کے علاقے پٹھانوں اور عربوں کی کفالت میں
دے دیئے جاتے تھے۔ (۲)

سلطنت پر بے انتہا قرضہ تھا اور والی کے زیورات گِرو تھے۔ (۳)

مالگزاری ٹھیکوں پر تھی جنہوں نے مُلک کی رعایا کو کمزور کر دیا تھا (۴)

آخر براڑ کا ملک برٹش گورنمنٹ کو فوج کے خرچ میں دیا گیا۔ (۵)

عربوں کا اِس قدر زور شور تھا کہ مُلک تباہ ہوا جاتا تھا۔ (۶)

کا

مُتذکرہ بالا پُر آشوب عہد کا باعث نواب سراج الملک بہادر کی پارٹی
والے تو مہاراجہ چندولال کو گردانتے ہیں۔ اور مہاراجہ چندولال کی پارٹی والے
نواب صاحب موصوف الوصف کو ٹھہراتے ہیں۔ لاکلام اپنی اپنی پارٹی والے
اپنے اپنے دعوے کے ثبوت میں دلیلیں بھی پیش کرتے ہیں۔ مگر جو شخص
برٹش افسر ذکی مُلکی چال ڈھال سے نہ صرف واقف ہی ہو بلکہ ماہر بھی ہو تو نہ نواب
صاحب کے پارٹی والوں کو سچا مورخ سمجھتا ہے اور نہ مہاراجہ صاحب کی پارٹی
والوں کو اعلیٰ دماغ رکھنے والے جانتا ہے۔ کیوں کہ لارڈ ڈلہوزی اُس
عہد کے گورنر جنرل کے ہتھکنڈوں سے اکسپیرینس رکھنے والا بڑے دعوے
سے کہتا ہے۔ کہ اگر آصفی کنگڈم پر مذکورۂ بالا چند اعتراض
نہ بھی ہوتے تو بھی لارڈ موصوف نے کچھ کچھ کرنا ہی تھا۔ جیسا کہ اُس نے
انڈیا کے فرانس اَودھ کے ساتھ اور اَوروں کے ساتھ کیا۔
اِس میں شک کیا ہے کہ گورنر جنرل مذکور کی سوء تدبیری کا خمیازہ یہہ ہوا کہ

خدا پھر نہ دکھائے - وہ کیا؟ **میوٹنی ۱۸۵۷ء**- کب

اَب تک ہم نے اپنے ہیرو کے جدِ امجد کی پولیٹکل لائف لکھی ہے۔ اَب ہم اُن کی پرائیویٹ لائف بھی لکھتے ہیں۔ تاکہ یہہ مرحلہ تکمیل کی حد کو پہنچے۔ کج

مہاراجہ صاحب فنِ شعر کے بڑے قدردان تھے اور یہہ کہ آپ خود بھی شاعر تھے۔ چنانچہ اپنا تخلص شاداں کیا کرتے تھے۔ اکثر اپنے بیش قیمت اوقات عُلما اور فُضلا کی مصاحبت میں صَرف کیا کرتے تھے جس سے کوئی کام دنیا میں بہتر نہیں۔ اہلِ علم کی بہت عزت کیا کرتے تھے۔ لیکن سب سے زیادہ توجہ آپ کو **صوفی ازم** کی طرف تھی جو عین اپنے مُنبع برحق کی جانب توجہ ہے۔ حتّٰی کہ صُوفیا کرام کے اقوال پر زار زار رویا کرتے تھے۔ آپ کی باطنی زندگی اسی میں گزری۔ کد

ثابت ہو کر تسلیم کر لیا گیا ہے۔ کہ ویراگ اور جوگ بھی ایک وقت کے لیئے ضرور ہے - اور گرہست پن بھی ایک وقت تک لازمی اور پرمیشور کی اچھیا کے موافق ہے - ایک سمپورن مہارکھی کے نمونہ پر آدمی کو اپنی عُمر کا گیارہواں حصّہ خُدا کی ذات کی **محویت** میں تصدّق کرنا چاہیئے پرمہنس گرو نانک صاحب کی اس قسم کی زندگی سے جو نتیجے نکلے اور اُنکی ذُرّیت جس عُروج اور اوج کو پہنچی پیراگراف **یز** میں درج ہے - اور خود مہاراجہ چندو لال کے خلف الصدق بیگنٹھ دہام راجہ بالا پرشاد بہادر اور اُن کے پوتے اِس تالیف کے ہیرو یعنی راجہ راجایان مہاراجہ

نارائن پرشاد نرانندر بہادر نے جو عزت اور رفعت حاصل کی۔ وہ
پیلسطائن دیس کے مہار کھیشر کے اس قول کے مین مطابق ہے کہ
میں گبرو تھا اب پراچین ہوں پر میں نے کسی ایسے دیاونت کو
کبھی نہیں دیکھا کہ جس کو دینا ناتھ پرمیشور نے تیاگ دیا ہو اور نہ کسی
دیاوان کی انش میں سے کسی کو بھکیاری دیکھا وہ دیاونت نت
نت ہی کرپا کرتا رہتا ہے اور ادھار دیتا رہتا ہے اس کی انش بھی
بھاگوان ہے۔ کیا معنی کہ ہمارے ہیرو کی دختر نیک اختر کے نعل جو
اس نوبل فیملی کے وارث ہیں یعنی راجہ کشن پرشاد بہادر جن کا تذکرہ
اسی تالیف میں خاص الخاص طور پر بھی کیا گیا ہے اپنے آبا کرام اور اجداد
امجاد کے عالی رتبہ اور والا مرتبہ کو نہ پہنچیں۔ جنم پتری سے بھی اقبال کا
پتہ لگ سکتا ہوگا۔ مگر اس میں ذرا بھی کلام نہیں کہ **گن پتری** سے
اقبال کا بھی اور ادبار کا بھی بہت ہی صحیح پتہ لگا لیا گیا ہے اور لگایا جا رہا ہے۔
ہم اسی گن پتری کی بنیاد سے پیشین گوئی کرتے ہیں کہ راجہ کشن پرشاد بہادر
اپنے بزرگوں کی گدی کو ضرور زیب دینگے۔ جن میں ابھی سے فروتنی ادھین تائی
خدا پرستی اور اپنے آقا کی وفاداری گویا کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ کچھ

چوں کہ ہم اس تالیف کے ہیرو مہاراجہ نرانندر بہادر کے مورث اعلیٰ
راجہ ٹوڈرمل اور آپ کے جد امجد مہاراجہ چندو لال کی لائف لکھ چکے ہیں۔
اس لیئے اب اس کتاب کے ہیرو کی سوانح عمری لکھتے ہیں۔ کو

راجہ راجایان مہاراجہ نارائن پرشاد نرانندر بہادر سمت ۱۸۸۶ اٹھارہ سو

چھیاسی) میں پیدا ہوئے اور سمت ۱۹۴۶ (اُنیس سو چھیالیس) میں بیکنٹھ کو سدھارے۔ سمت ۱۹۱۱ مُطابق ۱۸۵۳ء میں کنگڈم آف حیدرآباد دکن کے مُعزز اور باوقار عُہدے **پیشکاری** پر مُمتاز ہوئے۔ سی و شش ۳۶ سال تک اِس خدمت پر عزّت کے ساتھ مُفتخر رہے۔ آپ کی عُمر ساٹھ ۶۰ برس کی ہوئی۔ ہم مہاراجہ صاحب کی پولیٹیکل لائف بھی لکھیں گے اور پرائیویٹ بھی تاکہ اُن کے جانشینوں کے پاس اُن کے اور آثارِ صنادید کی طرح سے یہہ تالیف بھی ایک **یادگار** رہے۔ گو ہم بیوگرفی کے ڈھنگ سے اُن کی سوانحِ عُمری لکھنے سے رُکے گئے ہیں تاہم اُس قریب قریب لکھنے سے باز نہ رہیں گے۔

کز

مہاراجہ کے جدّامجد یعنی مہاراجہ چندولال نے اپنے عہدِ پیشکاری میں

(اوّل) مشیر الملک ارسطو جاہ بہادر — چار مندرجہ حاشیہ پرائم منسٹروں

(دوم) میرِ عالم بہادر — کے ساتھ نبھائی۔ گو انگلستان

(سوم) مُنیر الملک بہادر — کا آخری فلاسفر جرمی بنتھم کا

(چہارم) سراج الملک بہادر — قول ہے کہ مُختلف طبیعتوں کا میلان باہم اختیاری

امر نہیں۔ مگر مہاراجہ چندولال نے اپنی عقلِ سلیم سے نبھائی اور بہت خُوب نبھائی۔

کح

مہاراجہ نرانندر بہادر نے اپنی دُور اندیش عقل سے تین مندرجہ حاشیہ

(۱) مختار الملک سالار جنگِ ثالث — وزیر اعظموں سے نبھائی۔ حضرت اورنگ زیب

(۲) سالار جنگ رابع میر لائق علی خاں — عالمگیر کی متانت اور بنا پر تھی اور

(۳) امیرِ اکبر آسمان جاہ بہادر — کیپٹن کرسٹوفر کلمبس

اور نیز جنرل واشنگٹن اور شاہ شجاع الملک میں اُور بنیا دپر۔ مردانہ مزاج

ایسے ہی مزاج کا نام ہے کہ شائستگی سے ہر کہیں نبھاے۔ کط

مختار الملک سالار جنگ ثالث یورپ اور ایشیا میں تسلیم کیے ہوے

فلاسفر مزاج وزیر اعظم تھے۔ مہاراجہ نرآندر بہادر نے اُن کی ہر ایک تدبیر اور

تجویز کو بہ خوبی عمل میں لانے کی نسبت پوری پوری فرماں پذیری کی۔ اگرچہ

دونوں میں افسر اور ماتحت کا معاملہ تھا۔ مگر چوں کہ پرائم منسٹر ممدوح الاوصاف

کی تجویزوں میں ملک کی آبادی مُضمر تھی۔ اِس لیے نیک مزاج نائب پرائم منسٹر

نے نہ صرف اُن کی معمولی تعمیل ہی کی۔ بلکہ اُن میں جاں نثاری بھی کی۔ ل

خلد آرامگاہ منیب اور بیکنٹھ دھام نائب نے دل وجان سے متفق الرائے

والعمل ہوکر ملک کی برباد کرنے والی اُن پنچ قباحتوں کا قلع اور قمع کیا جن کا

تذکرہ مفصل درج ہے۔ یہ مانا کہ ہماری پنجم قباحت نہ تو سالار جنگ ثالث

ہی کے مبارک پُر از رافت اور پُر از امن عہد میں دُور ہوئی اور غور کا مقام ہے

کہ پھر اُن کے سی ویک ۳۱ سال دور وزارت میں۔ اور نہ سالار جنگ رابع ہی کے

زمانۂ منسٹری میں گو یہ زمانہ ایک چشم زدن کی مدت میں گویا پر لگا کر اڑ گیا۔

ہمارے حال کے پالیٹیشن وزیر اعظم سر آسمان جاہ بہادر کے دور دورہ میں اب تک

تو دُور نہیں ہوئی۔ مگر آگے دیکھیے کیا ہوتا ہے (دیکھو اس کتاب کا **خاتمہ**

جس میں اِس بھاری مسئلہ پر مدلل اور مفصل گفتگو کی گئی ہے) دیکھو متن میں ہر

شش قباحتیں بمبروار یعنی (۱) (۲) (۳) (۴) (۵) (۶) جن کا لُب لباب

اِسی انڈکس کے پیراگراف **ت** اور پھر متن کے پیراگراف **کا** میں بھی ہے

لا
لیکن اس پیراگراف یعنی لا میں مؤرخانہ داب اور ڈھنگ پر ہے۔
غرض کہ مہاراجہ نراندر بہادر کی پولیٹکل لائف اپنے آقاے نعمت کنگ آف حیدرآباد دکن کی وفاداری اور اپنے سوپیریر کی فرماں پذیری میں گزری ۔ کچھ عرصہ تک مہاراجہ صاحب ممدوح خود بھی آفیشیٹنگ پرائم منسٹر رہے۔ متن میں مہاراجہ صاحب کی پولیٹکل زندگی بیان کی گئی ہے اب پرائیویٹ لائف بیان ہوتی ہے۔

لب
آپ عربی فارسی زبانوں میں لائق تھے۔ اخلاق مروت اور فیاضی میں اپنے جدِ امجد سے کم نہ تھے۔ اپنے اَن داتا کی **وفاداری** اور سوپیریر کی اطاعت میں مستقل مزاج تھے۔ یہ گُن آپ میں گویا نیچرلی تھے۔ لاریب آپ کا جنم ہندو نوبل فیملی میں ہوا۔ گر واقع میں ہمارے ہیرو صوفی صافی مشرب تھے جن کو ویدانتی بھی کہا جا سکتا ہے۔ آپ کو نہ محض رواجی مذاہب ہی سے کچھ تعرض نہ تھا۔ بل کہ کفر کے ساتھ بھی تعصب نہ تھا۔ آپ کو موحد کہنا بجا ہے فنا فی اللہ کے بہت ہی اعلیٰ مرتبے کے آپ مصداق تھے مہاراجہ صاحب گرہست پن کے جامہ کو بھی بدلنا چاہتے تھے۔ مگر یوں کہ ان کے لیق جانشین اُن کے دنیوی رتبہ کو ہنوز نہ پہنچے تھے ۔ اس وجہ سے اپنے ولولہ کو ظہور میں نہ لائے۔ یوں آپ دونوں مرحلوں کو طے کرتے جاتے تھے۔ الہام اور اس کے ست گرو **فلسفہ** سے ثابت ہو چکا ہے کہ جسم ڈھانچے اور برزخ کا نام آتما روح اور نفس ناطقہ ہے وہ اصل میں روح ہی کے مختلف نام ہیں اور خاص کر یہ کہ اس کو فنا نہیں یا یوں سہی کہ وہ ناشوان نہیں آرم یا بیکنٹھ اور جہنم یا

نرک کُنڈ جس کا نام ہے وہ واقع میں کوئی خاص مقام نہیں۔ بلکہ رُوح کی
حالتوں کا نام ہے۔ یعنی جو لوگ گیان وان اور عارف ہوں گے وہ جنّت
یا سُرگ نصیب ہوں گے اور جو لوگ موقعے اور مہلتیں پاکر بھی اگیانی اور غیر عارف
رہینگے اسفل السافلین اور نرک اُن کے مُقدّر میں ہوگا۔ چوں کہ جس کو رُوح یا آتما
کہا جاتا ہے وہ ابناشی اور غیر فانی ہے۔ عام اس سے کہ اپنے اپنے مُقدّر کے
موافق دونوں حالتوں میں سے کسی ایک حالت میں ہوں۔ اس لیئے اُس کا علم
(جس کے معنی یاں دانستن اور حقایق الموجودات سے واقفیت کے ہیں)
بھی اس ڈھیر سے الگ ہونے کے بعد نہ جاتا رہیگا۔ اور نہ اپنے عزیزوں
ہی سے جو تعلّقِ خاطر ہے دُور ہوگا۔ دُعا کے ذریعے سے رُوح اپنے
عزیزوں کو مدد پہنچا سکتی ہے۔ اور عزیز اسی ذریعے سے رُوح کی سہایتا کر سکتے
ہیں۔ مُکت کا پراپت ہونا اور پھر شانتی کا حاصل ہونا **گیان** پر وابستہ ہے۔ لبھ

تنبیہ: یہ ہیچ میرز تصنیف مہاراجہ نونہال سنگھ بہادر کی لائف
ہے۔ مگر آپ کے نامور بزرگوں کے حالات کا انکشاف بھی
اسی علم کی رُو سے واجب تھا۔ جو کیا گیا۔ اور یہ کہ اُن کے حالات
کے متعلق اور بھی ضروری اُمور کا بیان ہوا ہے جن کا بیان
کرنا مُصنّف کا خاص الخاص فرض تھا۔ اس قسم کے بیانات نے
جن کو **ضروری** کہا گیا ہے بہت سی روشنائی اور بہت سا کاغذ خرچ
کروایا۔ اور دل و دماغ کی حالت مؤرخوں پر اظہر ہے۔ لد

غور پسند مُلاحظہ فرمائیں۔ کہ بہت سی روشنائی اور بہت سا کاغذ اور

یہہ کہ دل و دماغ کی طاقتیں کن اُمور میں صرف ہوئیں۔ اِس تصنیف میں ہر جھگڑے کے
مُتعلق واقعات کا بیان ہے۔ خیالات اور بیربل سے کام نہیں لیا گیا۔
بلکہ اُن سے نفرت کی گئی ہے۔ شلاً راجہ سِری رامچندر
کے مُتعلق جو بیان ہے وہ مؤرخانہ بلکہ فلاسفرانہ ہے۔ اِس واقعہ کو ناول
وغیرہ کے ڈھنگ پر بیان کر کے سوانح کا سا واقعہ نہیں کر دیا گیا۔ جو اکثروں
نے کیا ہے۔ شمس العلما مولوی محمد ذکاء اللہ نے تہذیب الاخلاق آریا ہند
میں اُنکی سرگزشت اوائل سے بن باس تک واقعہ کے طور پر لکھی ہے
مگر ہیچ مدان نے بن باس سے لیکر تخت نشینی تک تحریر کی ہے۔ جو اُن پر
سخت ترین مُصیبتوں کا زمانہ تھا۔ اور ساتھ ہی کامیابی بھی مُضمر تھی۔

صحیح واقعات اور تواریخی بیان کے مقابل مؤرخوں اور فلاسفروں نے
خیالات کو خواب پریشاں اور مجذوب کی بڑ کہا ہے۔ جب کہ تنبیہ بخش
واقعات کے دفتروں کے دفتر دُنیا میں موجود ہیں۔ تو یہہ مُصنف بے بنیاد
خیالات کے پیچھے پڑ کر پاگل اور سِتیری کیوں بنے۔ ارسطو حکیم الہی نے
اسکندر کو واقعات اور **صداقتوں** کی تعلیم دی تھی نہ کہ خیالا
ت کی۔ چُنانچہ حضرت محی الدین محمد اورنگزیب عالمگیر نے
اپنے مکالمہ میں اپنے اتالیق مُلا صالح سے اسی ماہیت کو سنداً بیان فرمایا تھا۔
یہہ ناچیز تالیف ہر دل عزیزی کا رتبہ پاسکے یا نہ پائے۔ مگر اُس کو بالطبع یہہ امر پسند
نہیں۔ کہ اپنے عزیز ہم وطنوں کو حقیقی باتوں سے روک کر بے پر اُڑنے والی
خیالی اور وہمی پریوں کے پیچھے دوڑائے۔ اور آخر کار **اِدبار** کے

لو

دیو لیپہ اور ڈشٹ کے آہنیں پنجے میں گرفتار کرواتے ہے۔
جیسا کہ مرصع کار ایک سلک میں جواہرات اور موتیوں کو مناسبت کے ساتھ پروتا ہے۔ ویسا ہی اس تالیف میں مختلف گر بڑے بڑے امور موزونیت کی پابندی سے ایک دوسرے کے پہلو میں رکھے گئے ہیں صدہا صاحب برکت صاحب فیض عالی جاہ اور اولوالعزم لوگوں کے نادر اقوال کو اقتباس کیا ہے۔ ناظرین عالی فکر ان کو اجتماع ضدین یا نقیضین نہ کہیں گے۔ کیونکہ ان بزرگانہ نذیرانہ اور فلاسفرانہ قولوں کو ہر ایک کسوٹی پر کس لیا ہے اور ہر ایک میزان میں وزن کر لیا ہے۔ وہ کامل عیار اور اعلیٰ **صداقتیں** ہیں۔

لز

اس تالیف میں دو طرح کے **انڈکس** ہیں۔ ایک مجمل صفحہ وار دوسرا دفعہ وار اور پیراگراف وار۔ اور وہ یہی ہے۔ جس کی نسبت کہا جا سکتا ہے۔ کہ اس ساری کتاب کی جان اور روح کو بھی دکھاتی ہے اور اس کے جسم اور کالبد کو نیز۔ اس میں ایک **انٹروڈکشن** بھی شامل ہے۔ جو حقا اور حقیقتاً اس تصنیف کا نفس ناطقہ ہے۔ اس میں ثابت کیا ہے۔ کہ **سوانح عمری** کے علم کی ہمارے ملک میں کسقدر ضرورت ہے اور یہہ کہ یہہ علم چیز کیا ہے۔ پھر علم تاریخ اور علم لاائف میں فرق کیا ہے۔ اس کے بعد یہہ ہے۔ کہ سوانح عمری اور علم تاریخ کے بجائے ناولوں افسانوں سٹوریوں اور قصہ کہانیوں سے بھی کام چل سکتا ہے؟ یا اس فائدہ کے بجائے جو علم تاریخ اور علم سوانح عمری

سے لازمی طور پر حاصل ہوتا ہے۔ ناولوں افسانوں سٹوریوں اور قصہ کہانیوں سے صریحًا اور بداہتًا نقصان پہنچتا ہے؟ مقدمہ میں اس امر کو بھی درجہ اثبات پر پہنچایا ہے۔ کہ ہمارے ملک میں ہر درجہ کے آدمیوں کو **اِقبال** کے حصول اور **اِدبار** سے گریز کی کس قدر ضرورت ہے۔ یہہ دونوں باتیں علمِ سوانحِ عمری اور علمِ تاریخ ہی سے حاصل ہوتے ہیں۔ کسی اور علم سے حاصل نہیں ہوسکتیں۔ اِن دونوں علوم کا **موضوع لہٗ** ہی یہی امر ہے۔ کہ اپنے مطالعہ کرنے والوں کو صاحبِ اقبال کردے اور ادبار کو اُن سے دُور رکھے۔ اِن ایام میں جو ناول افسانے سٹوریاں اور قصہ کہانیوں کے رسالے حشرات الارض کی مانند نکلتے آتے ہیں۔ تو ملک میں میٹھی زہر کے نسخے شکر لپٹی گولیوں کی انداز پر پھیل رہے ہیں۔ اور اس پر یہہ کہ اُن کی تعریفوں میں اس قدر مبالغے کئے جارہے ہیں کہ اگر اُن کو بے پر اُڑانا کہیں تو بجا اور درست ہے۔ اڈیٹران اخبارات بھی جو **رِفارمر** ہیں اُنہیں کی سی کہتے ہیں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ رِفارمر نہیں بل کہ سوانگ دھارا ہوا ہے۔ فی الجملہ یہہ انٹروڈکشن نہایت درجہ کا **دلچسپ انگیز** ہے۔ اور یہہ کہ اسی مضمون پر ہے۔ جو اسی قسم کی دلیلوں اور سچی نظیروں سے لمبّب ہے۔

یہہ کتاب ہماری پہلی ہی تالیف نہیں۔ بل کہ اسی شریف فن یعنی لائف میں متعدد ہیں۔ بعض میں تو مجملًا بیان ہے۔ اور بعض بیوگرفی کے اصول کے مطابق ہیں۔ چنانچہ **آریا رانیاں** کتابیں اہلِ اسلام اور

مح

ہندو صاحبوں کے خاندانوں میں کامل ہر دل عزیزی حاصل کی زبانی کر یاد دیئی صاحبہ کی فرمایش سے لکھی گئی۔ جو ملک پنجاب کے ایک نامی گرامی خاندان کی یادگار ہیں۔ اور انہیں کی نذر بھی ہوئی۔ غرض کہ ہم کو اس علم میں مذاق بھی ہے اور تجربہ بھی ہے۔ چنانچہ یہہ امر ہیچ میرز کی تصانیف کی فہرست سے جو اس کتاب کے ٹائٹل پیج کی پشت پر درج ہے اظہر ہے۔

لط

ہیچ میرز مصنف کی اس جدید تالیف یعنی مہاراجہ نرندر بہادر کی حیات میں بھی ہندی اور انگریزی الفاظ استعمال ہوئے۔ اور یہہ کہ زمانہ کی ہوا اور تاثیر سے عمداً اور ارادتاً ایسا ہوا ہے۔ صاحب تجربہ تو اس عملدرآمد سے خوش ہونگے۔ مگر بعض چڑیں گے۔ چڑنے والوں اور اُن کے ہم خیالوں نے ہی اُردو زبان کو پہلے کلکتہ یونیورسٹی اور پھر بمبئی اور مدراس یونیورسٹیوں آخر کار الہ آباد یونیورسٹی سے نکلوایا۔ چڑنے والوں نے اس سباک مسلسل اُردو زبان میں عرب اور فارس ہی کے جواہر اور موتیوں کو پرو دیا۔ ہندی اور انگریزی کے ہیروں کو خارج رکھا۔ بات یہہ ہے کہ عرب اور فارس کے جواہر اور موتیوں کے نیوریں چار کروڑ پچاس لاکھ ہیں۔ اور ہندی کے ہیروں کے طرفدار بست و شش کروڑ پچاس لاکھ اور انگریزی کے ہیروں کے جنبہ دار چہل و دو کروڑ پچاس لاکھ ہیں پس ہماری ہندی اور انگریزی الفاظ کے فیور والوں کی طرف ہے جو شمار میں اُنہتر کروڑ ۶۹۰۰۰۰۰۰۰ ہیں۔ اور ہماری چار کروڑ

پچاس لاکھ والوں کی جانب ہے۔ اب بات بنے تو کیسے؟ ہیچ کارہ مولف
نے اپنی ایک کتاب میں جو اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں ہے۔
جس کا نام **دی ایسٹرن کواشچن** ہے۔ اور جو ہزہائینس
بادشاہ حال حیدرآباد دکن کی نذر ہے۔ اس امر کو ہندسی دلیلوں سے ثابت
کیا ہے۔ کہ چار کروڑ پچاس لاکھ والی قوم وغیرہ پانصد پنجاہ و شش ۵۵۶
سال میں المضاعف ہوتی ہے۔ اور چہل و دو کروڑ پچاس لاکھ والی قوم وغیرہ
پنجاہ و شش سال میں۔ نظر بہ وجوہ بالا اور اور وجہوں سے بھی جن کا ۵۶
مشرح تذکرہ متن میں ہے۔ مولف نے ہندی اور انگریزی کے اندراج
کو نہ صرف اپنی اسی تالیف میں ایک خصوصیت کے ساتھ بل کہ اپنی ہر ایک
تصنیف میں مجبوراً بھی اور نیز انصافاً بھی **ضروری** اور لابدی سمجھا ہے
اُردو زبان کو انڈیا کے لیئے لینگو فرینکا مان لینا ایک مسلمہ مسئلہ ہوگیا ہے
علاوہ بر آں قانون قدرت بھی یہی چاہتا ہے۔ کہ کئی صدیوں تک ہند کی
یہی زبان ہو۔ جو اس سوانح عمری میں مستعمل ہوئی ہے۔ حضرت دہلی کے
ممتاز مولفوں نے بھی اسی شیوہ کو پسند کر لیا ہے۔ جیسے شمس العلما مولوی
محمد ذکاء اللہ۔ مولوی خواجہ الطاف حسین حالی۔ منشی سید احمد (مصنف
فرہنگ آصفی) ہیں۔ ھ

پیراگراف **ھ** میں اپنے وعدہ کے مطابق راجہ کشن پرشاد
بہادر کا خاص الخاص طور پر بھی تذکرہ ہوا ہے۔ جو چندو لال فیلی کے
وارث اور مہاراجہ نرندر بہادر کے نواسے ہیں۔ آپ کی پیدائش کا سمت ۱۹۱۹

ایکہزار نوسو انیس ہے۔ انگریزی فارسی اُردو اور گورمکھی وغیرہ زبانوں میں لائق ہیں۔ مالی کاموں میں تجربہ کار ہیں حقیقی مہذب بھی ہیں۔ صاحب اولاد بھی ہیں جن کے ٹیکے کا نام راجہ لالہ چند اپرشاد بہادر ہے۔ دنیوی نعمتوں میں تو آپ کو کامیابی ہے۔ آنے والی دُنیا کی نعمتوں کا بھی فکر درپیش ہے۔ باوجودے کہ امیر ابن امیر ہونے کے اپنے کو اپنے خداوند نعمت بادشاہ حال حیدرآباد دکن کا **خانہ زاد** سمجھتے ہیں۔ بل کہ موروثی خانہ زاد۔ اپنے اور پرائے لوگوں کی مخالفت کی اس لیئے پیش رفت نہ گئی۔ کہ ہزہائینس آصف جاہ سادس نے آپ کو اپنے پرورده نوازی سے چندولال فیلی کا جانشین تسلیم کرلیا۔ باقی رہا راجہ صاحب کا پیشکاری کے خلعت سے افتخار حاصل کرنا۔ سو اُس کی نسبت چوں کہ ہزہائینس جانتے ہیں۔ کہ سلطنت آصفی کی رعایا کی تعداد ۱۲۵۱۸۲۶۷ ایک کروڑ پچیس لاکھ اٹھارہ ہزار دوسو سرسٹھ ہے۔ اس کل تعداد میں سے ۱۲۵۰۴۶۵ بارہ لاکھ پچاس ہزار چارسو پینسٹھ اہل اسلام ہیں اور باقی ۱۳۶۱۴ تیرہ ہزار چھ سو چودہ کے سوائے جو دیسی عیسائی رعایا حضور ہے ۱۱۲۶۷۸۰۲ ایک کروڑ بارہ لاکھ سرسٹھ ہزار آٹھ سو دو ہندو۔ یہ سب راجہ صاحب ہی کو خلعت پیشکاری کے عطا ہونے میں خوش ہیں۔ اسی لیئے فرماں روائے حیدرآباد دکن نے جو اپنے باہل فیملی آصفی کے کروڑں میں اپنی نیک نہادی سے کسی اُور امیر کو گو متوسّل ہی ہو اس خلعت کی اُمید تک بھی نہیں دلائی۔ المختصر رعایا مذکور کو راجہ صاحب کی کامیابی میں برتیت ہے۔ اور وہ نہ اس بنا پر کہ راجہ صاحب پشتینی نمکخوار اور خانہ زاد دولت آصفی ہیں۔ اور نہ اس لیئے

کہ اس پروردہ نوازی آصفی کنگڈم کا پرنسپل ہے۔ بل کہ ہز ہائنس کی معاملہ رسی فیاضی اور حق شناسی پر تیقن ہے۔

اِس سوانح عمری میں چندولال فیملی کے ماوراے حیدرآباد دکن کے تین عالی جاہ خاندانوں کی ہسٹری اور اُن کے ممبروں کی زندگی لکھی گئی ہے۔ جو فی نفسہ ایک ایک رسالہ کا سا حجم ہے۔ اُس میں سے ایک خاندان کو بہ وجوہ رائل فیملی بھی کہا گیا ہے۔ بہ ظاہر یہی سچ معلوم ہوتا ہے کہ اس تالیف سے اُن خاندانوں کے تاریخی حالات کو مناسبت نہ تھی۔ مگر موقع ایسا ہی آپڑا کہ اُن کا تذکرہ بھی لازمی ہوگیا۔ جو کیا گیا ہے۔ مُورّخ پر علمِ تاریخ کے صحیح اصولوں کے مطابق فرض ہے۔ کہ ایک خاندان کی تاریخ لکھتے وقت جب کسی اَور قابلِ یادگار دُودمان کا تذکرہ آجائے تو اُسکو بھی بیان کرے۔ اگرچہ ہیچ مرز کی کتاب **تاریخ سلطنت آصفی** نام کے نویں **مقالہ** میں حیدرآباد دکن کی اُمرا پارٹی کی خاندانی ہسٹریاں اور اُن کے نامور ممبروں کی سوانح عمریاں بڑی شرح و بسط کے ساتھ ارقام کی گئی ہیں۔ بل کہ اُسی کتاب کے دسویں **مقالہ** میں حیدرآباد دکن کنگڈم کے اعلیٰ عہدہ داروں کی خاندانی تواریخ اور اُن کے نامی گرامی ممبروں کی زندگی بھی تحریر کی گئی ہے۔ مگر یاں یعنی اِس سوانح عمری میں بھی بعض رفیع پایگاہ اُمرا کے تواریخی حالات کی تحریر بھی ضروری تھی۔ وہ تین خاندان جن کی خاندانی ہسٹریاں ارقام ہوئی ہیں یہ ہیں۔

(۱) امیرِ کبیر شمس الامرا کے دُودمان کی تاریخ۔ جو آپ کے مورثِ اعلیٰ

سے لیکر آپ کے بھائیوں رشتہ داروں اور موجودہ فرزندوں تک اور یہہ کہ
بھائیوں اور رشتہ داروں کے موجودہ فرزندوں تک بھی اقدام کی گئی ہے۔

(۲) سربلا رجنگ کے خاندان کی تاریخ۔ بشرح صدر پابندی سے
بل کہ اتنا اور بھی زیادہ کہ فرزندوں کے فرزندوں تک بھی جو موجود ہیں تذکرہ
ہوا ہے۔

(۳) راجہ شیوراج اور راجہ مرلی منوہر کے خانوادہ کی ایضاً
مراتب مذکورہ بالا میں سے اکثروں کی پابندی سے یہہ مرحلہ بھی طے کیا گیا ہے

ھب

اِس کتاب سوانح عمری سے اُس سلطنت خداداد کے آفتاب کی
شعاعیں بھی نور افشانی کر رہی ہیں۔ کہ جس کے نہ صرف یہ ہوں یا وکا
خانہ زاد متوسل اور دست گرفتہ ہیں۔ بل کہ دیسیوں کے حق میں بھی ادبار کی
آفتوں سے ملجا ہے اور یورپین لوگوں کے لیئے بھی پناہ گاہ ہے۔ اور یہہ
کہ جس کی ڈکشنری میں تعصب کا لفظ موجود نہیں اُن شعاعوں کے چشمہ کا نام
پچھلے ہی پیرگراف میں بتایا گیا ہے۔ کہ **تاریخ سلطنت آصفی**
ہے۔ اُس کے مضامین کی فہرست متن میں بتائی گئی ہے۔ یہہ کتاب ضخیم اور
مبسوط ہے۔

ج

اَب مصنف بزرگوں فرماں رواؤں امیروں اور اور صاحبوں
سے جو ایک ہی جگہ تشریف رکھتے ہیں یا یوں سہی کہ جن کا اِس کتاب سوانح عمری
میں تذکرہ ہوا ہے رخصت چاہتا ہے۔ اور دکنی اردو کے مطابق حاضر ہوتا ہے
پھر کسی ایسے ہی اَنسب موقع پر حاضر ہوگا۔ اور ساتھ ہی یہہ بھی عرض کرتا ہے

کہ اس تصنیف بھر میں بنے ہوئے مقدمات سے نتیجے نکالے گئے ہیں نتیجہ
کی خاطر حاشا کہ مقدمے گھڑے ہوں۔ اور یہ کہ واقعات کے اندراج
میں غلطی بھی نہیں ہوئی۔ جو روایتی واقعات میں ہوا ہی کرتی ہے۔ ہاں
البتہ بعض واقعات کو جو بے نتیجہ پایا ہے۔ اُن کو چھوڑ دیا ہے الفنسٹن
اور ملکم نے اپنی تاریخ ہند اور تاریخ ایران میں ہمایوں کے اُس واقعہ
کو چھوڑ دیا۔ جو اس مغل بادشاہ کو ایران میں مندرجہ حاشیہ قول سُنکر پیش آیا۔

مبارک منزلے کاں خانہ را ماہے چنیں باشد
مبارک کشورے کاں عرصہ را شاہے چنیں باشد
ز رنج و راحت گیتی مرنجاں دل مشو خورم
کہ آئین جہاں گاہے چناں گاہے چنیں باشد

مگر علامہ ابو الفضل نے اُس کو تاریخ اکبری میں درج کیا ہے معلوم ہوتا ہے۔ کہ انگریز
مؤرخوں نے اس واقعہ کو بے نتیجہ سمجھا۔ اور ایشیائی وقائع نگار نے اس میں
کلام متکلم اور اثر کی فلسفی مسئلہ کے حل ہونے کا نتیجہ پایا۔ غرض کہ واقعہ نویس
مجاز ہے کہ جس میں نتیجہ پائے درج کرے۔ اور بے نتیجہ واقعہ سے
درگزر کرے۔ اگر ہیچ کارہ مؤلف سے مقدمات پر اتمام کرنے
میں کمزوری ظہور میں آئی ہو۔ تو وہ معافی کا خواستگار ہے
اور وہ متوقع ہے کہ اس کے مطالعہ
کرنے والے اس کی اصلی غرض
سے کامیاب ہوں۔

آمین

ریمارک کا انڈکس

چوں کہ **تاریخ سلطنتِ آصفی حیدرآباد دکن** کتاب ہمارے زیر تجویز ہے۔ جس میں بارہ مقالے ہیں
اور علاوہ اور مقالوں کے نویں اور دسویں مقالہ میں آصفی سلطنت کی
اُمرا پارٹی اور نیز اُس کے اعلیٰ عہدہ داروں کی بیوگرفی کے اصول پر
خاندانی ہسٹریاں بڑی شرح اور بسط کے ساتھ درج ہیں۔ لیکن اس وقت
بھی ہم اس انسب موقع پر اس امر سے درگزر نہیں کر سکتے۔ کہ حیدرآباد دکن
میں ایسے خاندان ہیں جن کو تاریخی وقعت حاصل ہے۔ اُن میں سے چند
کی صحیح تاریخ جو ہم تک پہنچی ہے اور ہم نے خود بھی اُن کو تاریخی اصولوں
کی مطابق پایا۔ اور ہم پر ثابت ہوا کہ واقع میں وہ ممتاز اور عالی ہیں کیونکہ
رائل فیملی حیدرآباد دکن کے ساتھ اُن میں سے بعض کو نمک خواری اور خانہ زادی
کا تعلق ہے۔ اِلّا بعض کو تاجدارِ حیدرآباد دکن کے ساتھ شہر داری کا تعلق
بھی ہے۔ چنانچہ جن خاندانوں کا مختصر تذکرہ ہم اس ریمارک میں کرنے
والے ہیں وہ مندرجہ حاشیہ ہیں۔ اگر ہم اس کتاب میں بھی اِن عالی
خاندانوں کا حال گو مختصر ہی
کیوں نہ ہو درج نہ کریں۔ تو ہماری

پہلا آمیر کبیر شمس الامرا۔
دوسرا مختار الملک سر سالار جنگ

تیسرا مہاراجہ چندو لال —— اِس تصنیف میں علمِ تاریخ
چوتھا راجہ شیوراج اور راجہ مرلی منوہر کی رُو سے نقص ہو جائے گا
جو ہم کو دیدہ و دانستہ منظور نہیں۔ اور چونکہ اِن خاندانوں میں تیسرے
خاندان کے تاریخی حالات اِس کتاب میں موجود ہیں۔ اِس لئے اُن کا
صفحہ 109
اعادہ نہ کریں گے۔ باقیوں کے خاندانی حالات ذیل میں نذر ناظرین ہیں
پہلا امیر کبیر شمس الامرا دولتِ آصفیہ حیدرآباد دکن کے اِس رکن
رکین خاندان کا سلسلہ شیخ فریدالدین گنج شکر اور ابراہیم ادہم حنفی کہ حضرت عمر فاروق
111
تک منتہی ہوتا ہے۔ اِن تینوں بزرگوں کے حالات بہت مشہور ہیں۔

چونکہ ہماری یہ تحریر ایک ریمارک ہے۔ اس لئے ہم اس خاندان کے
سلسلہ کو ذرا قریب سے لیتے ہیں۔ حضرت اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں
اِس خاندان کے ایک بزرگ کو جن کا نام شیخ بہاؤالدین خاں تھا۔
صدارت اور احتساب کی خدمت تھی۔ اِن کے فرزند ابوالخیر خاں
بہادر امام جنگ تو ایک تواریخی آدمی ہوئے۔ اس با اقبال شخص کو
محمد شاہ بادشاہ کے ہاں خدمت تھی۔ جن دنوں نظام الملک آصف جاہ
اوّل میر قمرالدین خاں بہادر اس حیدرآباد میں تشریف لائے۔
اُنہیں ایام میں امام جنگ کو بھی ہمراہ لائے۔ یہ صاحب جری بھی تھے اور
اِن کی رائے بھی صائب تھی۔ اور بادشاہت کے نازک معاملات میں انکو
تجربہ بھی تھا۔ آصف جاہ اوّل نے انہیں وجہوں سے اِن کی رفاقت
کو پسند کیا۔ ناصر جنگ۔ مظفر جنگ۔ صلابت جنگ کے عہد میں

اِن کے مراتب اور مدارج میں ترقی ہوتی گئی۔ آخر ۱۱۹۶ھ گیارہ سو چھیانوے میں جنّت نصیب ہوئے۔

112

مرحوم ممدوح کا سلسلہ اُن کے خلف الصدق مُحمّد اَبُوالفتح خاں شمسُ الدّولہ شمسُ المُلک شمسُ الاُمرا بہادر تیغ جنگ سے چلا۔ آصف جاہ ثانی میر نظام علیخاں بہادر کے عہدِ دولت میں اِن کا بھی وہی رسوخ رہا۔ جو اِن کے والد کو تھا۔ باون لاکھ روپیہ کی جاگیر بھی مرحمت ہوئی۔ یہہ صاحب بھی بڑے عالی جاہ ہو گزرے ہیں اور لایق اولاد کی وجہ سے اِن کو بہت پھول اور پھل لگے۔

114

مبرورِ موصوف کے صاحبزادے اَبُوالفخر شیخ مُحمّد فخرالدّین خاں شمسُ الدّولہ شمسُ المُلک شمسُ الاُمرا بہادر امیرِ کبیر ثانی ہوئے۔ آصف جاہِ ثانی کی صاحبزادی بشیرالنسا بیگم صاحبہ کی اِن کے ساتھ شادی ہوئی۔ اس رشتہ سے اِس عالی جاہ دُودمان اور رائل فیملی حیدرآباد دکن میں اِس قدر اتحاد اور یکتائی بڑھی۔ کہ سکندر جاہ جو آصف جاہ ثالث ہوئے۔ اور ناصرالدّولہ آصف جاہ رابع اور افضل الدّولہ آصف جاہ خامس اپنے اپنے زمانہ اور عہد میں ابوالفخر بہ القابہ و مدارجہ کے دولت خانہ پر آمد و رفت برابر جاری رکھتے تھے۔ انہوں نے ۱۲۷۹ھ بارہ سو اناسی ہجری میں بہشت کی راہ لی۔

116

اِن کا سلسلہ اِن کے فرزند مُحمّد سُلطانُ الدّین خاں سیف جنگ مُحتشمُ الدّولہ بشیرُ المُلک بہادُر اور مُحمّد رشیدُ الدّین خاں

جنگ اقتدار الدولہ اقتدار الملک بہادر سے چلتا ہے۔ محمد
سلطان الدین خاں سبقت جنگ محتشم الدولہ تشبیر الملک بہادر کے عالی
اور لائق فرزند ہز اکسلنسی محمد مظہر الدین خاں رفعت جنگ
بشیر الدولہ عمدۃ الملک اعظم الامرا امیر اکبر سر آسمان جاہ
بہادر کے سی ایس آئی موجود ہیں۔ اور یہی صاحب حیدر آباد
دکن گنگدم کے وزیر اعظم اور دستور معظم ہیں۔ اور یہہ کہ ان کی شادی آصف جاہ
خامس کی دختر نیک اختر بایوں ہی کہ آصف جاہ سادس ہمارے حضور
تاجدار حال دولت آصفیہ کی ہمشیرہ محترمہ کے ساتھ ہے۔ متن میں ان کے
پبلک اور پرائیویٹ کیرکٹرز کا مفصل بیان بھی ہے۔

۱۱۷

اور محمد رشید الدین خاں جنگ اقتدار الدولہ اقتدار الملک بہادر
کے جن کی شادی آصف جاہ ثالث کی صاحبزادی عصمت النسا بیگم صاحبہ
سے ہوئی تھی۔ دو فرزند ہیں۔ ایک محمد محی الدین خاں
خورشید الدولہ خورشید الملک خورشید الامرا
سر خورشید جاہ تیغ جنگ بہادر کے سی ایس آئی اور
دوسرے محمد فضل الدین خاں سکندر جنگ اقبال الدولہ
اقتدار الملک وقار الامرا بہادر ہیں۔ یہہ موخر الذکر صاحب آصفی
سلطنت کے وزیر مال ہیں۔

۱۲۳

محمد محی الدین خاں خورشید الدولہ خورشید الملک خورشید الامرا
سر خورشید جاہ تیغ جنگ بہادر کے سی ایس آئی کی شادی بھی

آصف جاہ خامس کی بڑی دختر نیک اختر بایوں کہئے کہ ہمارے بندگان حضور آصف جاہ سادس بادشاہ حال حیدرآباد دکن کی بڑی ہمشیرہ حسین النسا بیگم صاحبہ سے ہوئی۔ ان کے بھی دو فرزند ہیں ایک ہزاکسلنسی محمد فیض الدین خان امام جنگ بہادر اور دوسرے ہزاکسلنسی نواب محمد حفیظ الدین خان ظفر جنگ شمس الدولہ شمس الملک بہادر

ہزاکسلنسی محمد فضل الدین خاں سکندر جنگ اقبال الدولہ اقتدار الملک وقار الامرا بہادر کی شادی بھی آصف جاہ خامس یا یوں سمجھی کہ ہمارے اعلیٰ حضرت تخت نشین حال دولت آصفیہ کی ہمشیرہ جہاں دار النسا بیگم صاحبہ سے ہوئی۔ ان کے بھی دو فرزند ہیں۔ پہلے ہزاکسلنسی محمد مختار الدین خان سلطان الملک بہادر اور دوسرے ہزاکسلنسی محمد ولی الدین خان بہادر

صفحہ ۱۲۵ متن میں وقار الامرا بہادر اور شمس الملک بہادر کے کیرکٹر پر خاص بحث کی گئی ہے شمس الملک بہادر اور سلطان الملک بہادر کو تاجدار حال حیدرآباد دکن کا ہمشیرہ زادہ لکھا ہے۔

۱۲۶ **فی الجملہ** اس عالی خاندان والا دودمان کے ہر ایک ممبر کی کچھ کچھ سوانح عمری لکھکر اور شجرہ نسب کا صحیح نقشہ درج کرکے اس ریمارک کے پہلے حصہ کو تمام کیا ہے۔

ریمارک کے پہلے حصہ کے اتمام ہونے پر اس کے دوسرے حصہ کو شروع کیا ہے۔ جس میں فردوس آرام گاہ نواب میر تراب علی خان مختار الملک

صفحہ ۱۲۷ سر سالار جنگ بہادر بالقابہ و مہاراجہ کی خاندانی ہسٹری کو بیان کیا ہے

نواب صاحب ممدوح الاوصاف کی ننھیال کی طرف سے مورث اعلیٰ سالار جنگ محمد درگاہ قلی خاں کا تذکرہ کیا ہے۔

جو ۱۰۴۸ھ ایک ہزار اڑتالیس ہجری کو ہند میں وارد ہوئے۔ یہہ ایک ترکمان مشہد مقدس کی نواح کے رہنے والے تھے۔ اِن کے والد کا نام خاندان قلی خان تھا۔ اِن کے خلف الصدق نے مغل بادشاہ کے حضور نواحِ ٹھٹھہ میں جاگیر بھی پائی اور منصب بھی پایا۔ میر سامانی کے ممتاز عہدے کے بعد وہ حضرت اورنگ زیب عالمگیر کی شاہزادگی کے زمانہ میں مصاحب بھی رہے۔ آخر کار اُن کو بھی فردوس میں آرام کرنا پڑا۔ اِن مرحوم کے خلفِ ارشد نوروز علی خاں بادشاہِ ہند کی طرف سے بیجاپور کی قلعہ داری پر متعین رہے۔ جب یہہ بھی جنت نصیب ہوئے تو اِن کے صاحبزادے خاندان قلی خاں منصب اور جاگیر آبائی کے علاوہ اورنگ آباد کی صوبہ داری پر مقرر رہے۔ ۱۲۸

محمد شاہی عہد میں آصف جاہ اوّل سے خاندان قلی خاں کو مصاحبت کا تعلق پیدا ہو چکا تھا۔ خاندان قلی خاں کے فرزند درگاہ قلیخاں ثانی بہت قابل ہوئے۔ آبائی منصب اور جاگیر کے علاوہ وُہ اعلیٰ اور نازک خدمتوں کو سر انجام دیتے رہے۔ ملکی مصلحتوں سے اُن کو بادشاہ دہلی کے ارشاد اور آصف جاہ اوّل کے انتخاب سے اُن کو نادر شاہ بادشاہ کے ہمراہ رہنے کا اتفاق رہا۔ جس سے اِس خاندان کے حق میں بڑے بڑے

عمدہ نتیجے نکلے۔ ناصر جنگ شہید اور صلابت جنگ کے زمانوں میں انہوں نے چھ ہزاری منصب پر ترقی کی۔ اور سالار جنگ مؤتمن الدولہ کے خطاب سے مخاطب ہوئے۔ حتیٰ کہ آصف جاہ ثانی کے عہد دولت میں

صفحہ ۱۲۹ اُن کے خطاب میں مؤتمن الملک اور خان دوراں ایزاد کئے گئے

نواب سر میر تراب علی خاں بہ القابہ و مدارجہ کی ننھیال کی خاندانی

۱۳۱ ہسٹری یہاں تک تمام کر کے اُن کے ددیال کی تاریخ آغاز کی۔

۱۱۵۲ھ ایک سو باون ہجریہ میں جس کو آج ساڑھے گیارہ سو برس ہونے میں آتے ہیں۔ عرب سے ایک خاندان آکر اورنگ آباد صوبہ حیدر آباد دکن میں سکونت پذیر ہوا۔ اُس خاندان کی یادگار شمس الدین حیدر نام ہوئے۔ جو اولوالعزم تھے۔ آصف جاہ اوّل کے حضور سے انہوں نے اپنی کارگزاریوں سے حیدر یار خان شیر جنگ منیر الدولہ منیر الملک بہادر کا خطاب حاصل کیا۔ اُن کے فرزند محمد صفدر خاں بہادر نے چھ ہزاری منصب اور چھ ہزار سوار ہمرکاب رہنے کا رتبہ حاصل کیا۔ اور مدار المہام صوبجات دکن بھی رہے۔ انہیں کو غیور جنگ اشجع الدولہ کا شجع الملک خانِ خاناں کا لقب بھی ملا۔ اِن کی شادی سالار جنگ درگاہ قلی خاں کی دختر نیک اختر سے ہوئی۔ اور منیر الملک ثانی اُس سے پیدا ہوئے۔ منیر الملک ثانی کے فرزندوں میں سے اشجع الملک اور شجاع الدولہ سالار جنگ ثانی نواب ہوئے۔ اشجع الملک کے فرزند رشید نواب منیر جنگ اشجع الدو

ثانی اب ہی اور قائم موجود ہیں۔ شجاع الدولہ سالار جنگ ثانی کے
خلف الصدق ہمارے فردوس منزل **ہیرو** یعنی نواب میر تراب علی
خاں مختار الملک سر سالار جنگ ثالث جی سی ایس آئی وغیرہ ہوئے

صفحہ ۱۳۲

ان کی لائف یا حیات مولوی سید حسین بلگرامی بی اے عماد الملک
سکریٹری آجا دکن نے لکھی ہے۔
ان کے دو صاحبزادے ہوئے۔ ایک میر لائق علی خاں سالار جنگ
رابع منیر الملک ولد مختار الملک عماد السلطنہ کے سی ایس آئی
اور دوسرے میر سعادت علی خاں غیور جنگ شجاع الدولہ
منیر الملک۔ پہلے نے پرانم منظر دولت آصفیہ ہوکر جنت کی راہ لی۔ اور
دوسرے نے رذیو منظر ہوکر فردوس کو آرام گاہ بنایا۔ پہلے کی اولاد نرینہ
میر ابو القاسم یوسف علی خاں بہادر نام موجود ہیں۔ اور دوسرے

ایضاً

کی اولاد نرینہ نہیں۔
ہم پہلے کا نوحہ اور ان کی لائف میں سے مفصل اور شرح انٹروڈکشن
پہلے شائع کر چکے ہیں۔ اب ان دونوں بھائیوں کے افسوس ناک حادثہ

۱۳۴

پر دو ایک کلمے عرض کرکے ریمارک کے اس دوسرے حصہ کو تمام کرتے ہیں۔
حیدرآباد دکن کی آبادی میں ایسے لوگ کم ہیں جو اپنی پیاری زندگی
کی قدر کرتے ہوں۔ اس دنیا کے سوا ایک اور بھی جہان ہے جو فانی
نہیں جس کی یہ دنیا ایک تصویر ہے۔ جس کو اس دنیا میں انسان کہا جاتا ہے
اصل میں اس ربانی لطیفہ کا نام ہے جو غیر فانی ہے۔ ہر قوم اور ہر زمانے کے

سچے فلاسفروں یا ریفارمروں نے اُس ربانی لطیفہ کی دو حالتیں بتائی ہیں
ایک آزادی دوسری غیر آزادی۔ جس ربانی لطیفہ نے تصور کے مرتبہ سے
ترقی کر کے تصدیق کے درجہ کو پالیا ہے۔ وہ آزادی کی حالت کے وارث
ہو گئے۔ نہیں تو غیر آزادی کی حالت میں گرفتار ہوئے۔ البتہ یہہ ترقی اُن سے
طلب کی جاوے گی جن کو قادر مطلق نے سوجھ بوجھ دی ہے۔ صفحہ ۱۳۴

مرحوم سر میر لائق علی خاں بہادر اوروں پر فیاض تھے اور اپنی
ذات پر رحم کرنے والے نہیں تھے۔ اور یہہ کہ اپنی عزیز زندگی کو عزیز
نہ رکھتے تھے۔ تقدیری معاملات میں لاریب ارسطو اور فلاطون
کی بھی پیش نہیں جا سکتی۔ مگر تقدیری معاملات کے لیئے قانون قدرت
کے مطابق اسباب ہیں۔ جس وقت سر میر لائق علی خاں بہادر پر یہہ حادثہ
گزرا تھا۔ ہم سمجھتے تھے کہ اُن کے چھوٹے بھائی میر سعادت علی خاں بہادر
عبرت حاصل کریں گے۔ مگر اُنہوں نے ہرگز عبرت حاصل کی
آخر وہ بھی جلد جنت کو سدھارے۔ حیدرآباد دکن کا فلک رفعت اور
آسمان شوکت خاندان یوں گویا لاوارث سا رہ گیا۔ ذرا شبہ نہیں کہ دونوں
بھائیوں کی سراسر غفلت کا یہہ کمپلسری نتیجہ ہے۔ ریمارک کا دوسرا
حصہ یاں اعلیٰ درجہ کی فلسفی بحث کے بعد جو نہایت ہی پُر زور ہے تمام کردیا۔ ۱۴۱
ریمارک کے چوتھے حصہ کو راجہ شیو براج بہادر دھرم ونت
اور راجہ مرلی منوہر بہادر آصف جاہیوں کی خاندانی ہسٹری
سے شروع کیا ہے۔ جو حیدرآباد دکن گنگڈم کی ہندو رعایا میں اعلیٰ

صفحہ ۱۴۳

عہدہ دار رئیس اعظم اور رکن رکین ہیں۔

اس خاندان کے مورث اعلیٰ کا نام راجہ* رگھناتھ ہے۔

شاہجہاں بادشاہ کے عہد میں ہند بھر کا دفتر مال ان کے سپرد ہوا۔
علامی سعد اللہ خاں پنجابی وزیر اعظم اور دستور معظم کے انتقال پر راجہ صاحب
امور کلی اور جزوی کے دیوان اعلیٰ بھی رہے۔ بادشاہ موصوف کے
حضور سے ان کو پہلے خطاب رائے کا ملا اور پھر رائے رایان کا۔ حضرت اورنگ زیب
عالمگیر کی پیشگاہ سے دو ہزار پانصدی منصب اور پانچ سوار ملا۔ اور یہہ کہ
خطاب راجہ کا مرحمت ہوا۔ آخر کار بہ عزت تمام راجہ صاحب نے ۱۰۷۳ سنہ
ایک ہزار تہتر ہجری میں بیکنٹھ کی راہ لی۔

۱۰۷۳ سنہ ایک ہزار تہتر سے ۱۱۵۰ سنہ گیارہ سو پچاس تک جو ستہتر
برس کا عرصہ ہوتا ہے مغل سلطنت پر عجیب و غریب انقلاب گزرے۔
اسی سنہ یعنی گیارہ سو پچاس ۱۱۵۰ میں جب ملک دکن آصف جاہ اول پر
مسلم ہوا۔ تو راجہ صاحب ممدوح کے خاندان میں سے راجہ ساگرمل
اپنے مورث کی اعلیٰ خدمت پر سرافراز ہو کر آصف جاہ اول کے ہمرکاب دکن
میں آئے۔ اب تک جو آصفی کنگدم حیدرآباد دکن کا دفتر مال ہے۔ اس کی

صفحہ ۱۴۴

بنیادیں راجہ ساگرمل ہی کے ہاتھ کی ڈالی ہوئی ہیں۔

جب راجہ ساگرمل سرگ براجمان ہوئے۔ تو ان کے فرزند
راجہ* بھوانی داس ملقب بہ دھرم ونت اسی عہدے پر معزز
ہوئے۔ چونکہ اس خاندان کے شجرہ نسب کی شاخیں بکثرت ہیں

اور ہماری یہ تحریر ایک ریمارک ہے۔ اس لیئے ان سب شاخوں کی
سوانح عمری کی اس میں گنجائش نہیں البتہ ہماری دوسری کتاب

تاریخ سلطنت آصفی حیدرآباد دکن

کے نویں مقالے میں ہے۔ اب صرف بڑی شاخوں کا تذکرہ کر کے
اس ریمارک کو تمام کیا جاتا ہے۔

صفحہ ۱۴۵

راجہ بھوانی داس دھرم ونت بہادر کثیر الاولاد تھے۔ مگر اُن کے فرزند
راجہ چاتر لال اس خاندان کے جہاز کو چلانے والے ہوئے۔

چنانچہ جب راجہ چاتر لال بیکنٹھ کو سدھارے تو راجہ سوبھا چند
کو ہی بار گراں اٹھانا پڑا۔ اور جب راجہ سوبھا چند سرگ میں جا براجے۔ تو اُن
کے جانشین اُن کے صاحبزادے راجہ گنیش راج ہوئے۔ آخر
راجہ اندرجیت بہادر نے اپنے والد راجہ گنیش راج کی گدی کو
زیب دی۔ راجہ اندرجیت بہادر کے فرزند ریمارک کے اس آخری حصہ کے
ہیرو یعنی راجہ شیوراج بہادر دھرم ونت اور راجہ مُرلی منوہر بہادر
ہیں۔ غرض کہ آصف جاہ اول سے آصف جاہ سادس تک جو بفضل خدا آج
تاجدار دکن ہیں دفتر مال کا عہدہ اسی دودمان میں مسلسل چلا آیا اور ہے۔ راجہ
مُرلی منوہر بہادر اپنی خوبی قسمت سے صاحب اولاد نرینہ بھی ہیں۔ چنانچہ
اِن کے لائق فرزند راجہ اندرکرن بہادر یہاں کے محبوب کالج
میں انگریزی وغیرہ زبانوں اور علوم میں تعلیم پاتے ہیں۔

۱۴۶

راجہ شیوراج بہادر اور راجہ مُرلی منوہر بہادر کی خاندانی مختصر ہسٹری

سے فراغت پاکر اُن کے پبلک اور پرائیویٹ کیرکٹرز پر بھی معقول بحث کرکے نہ صرف ریمارک کے حصّہ چارم ہی کو ختم کیا ہے۔ بل کہ اس ریمارک ہی کو تمام کر دیا ہے۔ .... صفحہ ۱۴۹

سرکار دولتمدار جناب راجہ راجایان مہاراجہ نارائن پرشاد نرانندر بہادر پیشکار دولت آصفیہ حیدرآباد دکن کے مختصر خاندانی اور تاریخی وغیرہ حالات

انٹروڈکشن

اس دنیا کی عمر جس پر اب ہم آباد ہیں خواہ کتنی ہی ہو اور یہہ کہ خواہ وہ اس کے پیدا کرنے والے کے علم ازلی میں ہونے کی وجہ سے اور چاہے وجود فی الخارج ہونے کے لحاظ سے قدیم ہی کیوں نہ ہو۔ اس وقت ہم کو اس سے کچھ سروکار نہیں۔ اس وقت ہم کو اس مسئلہ سے تعلق خاطر ہے

مؤرخین کا حال لکھنے والا سب سے اوّل وُہی ہے جو طُور والے مکالمہ رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْکَ اور لَنْ تَرَانِیْ کے سوال و جواب کا مصداق اور باعث ہے - یا اَور کوئی ہے ؟ انسانی تحقیق جو اَب تک اس بارہ میں ہوئی ہے بتاتی ہے کہ اوّل اوّل جس کا نام اَلْمُؤَرِّخ رکھا گیا وُہی ہے۔ سفسطہ سے ہم قطع تعلّق کرتے ہیں کیُوں کہ ہم اُس کی تھیوری کے اَب تک قائل نہیں البتّہ ہم اربابِ تحقیق کے نقشِ قدم پر چلنے والوں میں سے اپنے کو سمجھتے ہیں۔ نئے صحیح عُلوم کی حیرت بخش تجلّی کے ہم مُعترف ہیں صحیح عُلوم اُس واجب الاحترام اور پہلے مؤرّخ کی تحریر پر ایک حرف بھی نہیں لا سکتے۔ نہ وُہ تحریر ہی اُن کو باطل کہتی ہے - وُہ واجب الاَدَب اُستاد جو اُستادِ کُل کا رُتبہ رکھتا ہے اپنی تھیوری پر ہے اور جدید عُلوم اپنی تھیوری پر ہیں -

دفعہ ۸ ہم کسی علم کو بشرطیکہ وہ صحیح اُصُولوں کی بُنیاد پر

ہو ہرگز ہرگز حقیر نہیں سمجھ سکتے اور حاشا جو اُن کو نکما جانتے ہوں
لیکن ہم آسمان سا محلوں پر کھڑے ہو کر کہیں گے اور بار بار کہیں گے
اور جب تک کہ ہمارے دم میں دم ہے اِس کہنے سے
باز نہ آئیں گے کہ **عِلمِ فَلسَفَہ** سب عُلُوم کا ہادی سب
کا مدار الیہ اور سب کا تاجِ سر ہے۔ حتّٰی کہ مذہب جو ایک طرح کا
سائنس ہے اُس کا محتاج ہے۔ دیکھو کتاب مندرجہ حاشیہ

تحقیق جزاء الاخروی علی منہج النظام الدنیوی

اور نیز نَصِیرُ المِلّت وَالدِّین الطُوسی کی مُصنّفات
لاریب وہ کونسا علم ہے کہ ہمارا وطن ہندوستان
اور ہمارے اہلِ وطن ہندوستانی اُس کے
دست نگر نہیں۔ لیکن ہم اِس وقت ایک علم پیش
کرتے ہیں جو تمام عُلُوم کا آئینہ ہے اور وہ علم
عِلمِ تاریخ ہے۔ ہم اِس کی تعریف (لکھنو
اور دہلی والوں کی اصطلاحی تعریف نہیں) بلکہ اِس کی
فلاسفی بھی ابھی نذرِ ناظرین کرتے ہیں۔ مگر اِس غرض

منصبی کے بیان سے فارغ ہولیں کہ علمِ لائف یعنی
سوانح عُمری اور علمِ تاریخ ایک ہی بُرج کے سیّارے اور ایک
ہی مطلع کے خورشید جہاں تاب ہیں۔ پہلا تمام کُرہ زمین کے
باشندوں کے بھی حالات بیان کرتا ہے اور کسی خاص نیشن کے
ماجرات بھی معرض بیان میں لاسکتا ہے۔ اور دُوسرا ایک خاص
شخص کے بیان میں جادُو پردازی کرتا ہے۔ اور اُس کی ضمن میں
اُور مفید اور نادر حالات بھی لکھا جاتا ہے جو اُس کے سبجکٹ کے
ساتھ تعلّق تام رکھتے ہوتے ہیں۔

دفعہ ۳ سب سے پہلے جو اِنسانوں کو علمِ تاریخ کا
نمُونہ ملا ہے۔ اُس کے راقم نے جو طورِ سینا کی
تجلّی کے باعث مؤرّخ کہلاتا ہے اور امُور کے عِلاوہ لائف کے
سبجکٹ کو بھی خُوب نبھایا ہے۔ خیر اِن باتوں کو چھوڑ کر ہمارے
ماتحت فیہ علم کی جو فلاسفی اور تعریف ہے ہم اُس کی طرف توجہ
کرتے ہیں۔ اور چوں کہ ہم علمِ تاریخ اور علمِ سوانح عُمری کو ایک ہی

سمجھتے ہیں اور درحقیقت ایک ہی ہے بھی جیساکہ ہم پچھلی ہی دفعہ میں اشارہ بھی کر آئے ہیں لہذا اُن پر الگ الگ بحث نہ کریں گے بلکہ مشترک بحث کریں گے۔ ناظرین کا منشا اور اُن کی تحقیق اگر کچھ اور ہو تو ہم کو معلوم نہیں۔ ورنہ اُن کے نقشِ پا پر چلنے سے بھی ہم کو عار نہیں بلکہ ہم اپنا فخر سمجھتے ہیں گو ہم مُقلّد نہ سہی مُحقّق ہی کیوں نہ ہوں

دفعہ ۴ ہم ناولوں افسانوں اور سٹوریوں کی شکایت نہیں کرتے۔ اور جو **الکٹرسٹی** کا سا اثر اُن سے ہمارے بدنصیب مُلک میں ہوا اور ہو رہا ہے اُس کی کچھ کیفیت جو واقع میں ماہیت ہے بیان کر لیں۔ پھر اپنے ادّعا کے ثبوت پر آئیں گے کہ علمِ تاریخ چیز کیا ھے؟ جب سے دُنیا ظاہر ہوئی ہے اور جس کی سند ہمارے پاس ہے تب ہی سے جس کو عشق اور لوّ کہتے ہیں چلا آتا ہے۔ اور بالکل حق ہے کہ اگر یہہ نہ ہوتا تو ماسوا اللہ کچھ بھی نہ ہوتا۔ اِس کی نسبت ایک فلاسفر شاعر نے جو ایک اعلیٰ درجہ کے شاہنشاہ کا منسٹر بھی تھا بہت کچھ کہا ہے مگر یہہ تو بہت

ہی نادر کہا ہے کہ وُہ آباد کو ویران کرتا ھے اور ویران کو آباد
اور یہ کہ ھر جگہ اِس کی نت نئی چال ھے اور نت نیا ڈھنگ
ھے غرض کہ وُہ سب سے نرالی اور انوکھی روِش رکھتا ھے
یہہ تو سچ ہے کیوں کہ یہہ ایک نیچرل فیلنگ اور قدرتی
جوش ہے۔ جس کی وجہ پیدا کرنے سے انگلینڈ کا فخر اور
آخری فلاسفر **جرمی بنتھم** فلاسفر ہو کر صاف اِنکار کرتا
ہے۔ پُرانے زمانہ کے قارورہ شناسوں نے اِس کو
مرض کہا ہے اور جنون کے نام سے متّہم کیا ہے۔
لیکن چُوں کہ وہ قارورہ بین ہی تھے اور بس اَور کچھ نہ تھے۔ اور
دُنیا بھر کے اُستاد **یونانیوں** کے اس آبِ زر سے لکھنے
کے قابل قول سے کہ "طبائع لطیفہ را با صور ظریفہ بہ حکم آنکہ
جنسیت علتِ ضم ست میلے عظیم تواند بود" نامحرم تھے
اِس لیئے اُن بیچاروں نے اُس کو ایک مرض ٹھہرا دیا۔ بلکہ اس سے
بڑھکر اس کو جنون بک دیا۔ حالانکہ ان کی اس تھیوری سے

نیچر یعنی قُدرت پر حرف آتا ہے کیوں کہ یہہ فعل جس کو وہ مرض کہتے ہیں اور جنون لکھتے ہیں نیچرل ہے اور یہہ کہ نیچر کا بانی مبانی جناب باری تعالیٰ ہی جلّ جلالہٗ وعمّ نوالہٗ ہے۔ پناہ بہ خُدا اُن کے اِس اعتراض سے ذاتِ احدیّت بھی محفوظ نہیں رہ سکتی ہے جو ہر تعیّن اور ہر جہت اور ہر قید سے آزاد مُبرّا اور مُنزّا ہے۔

دفعہ ۵ ہمارے قارورہ شناسوں کی اُس وقت قلعی کھُلتی ہے۔ جب دیکھا جاتا ہے کہ دُنیا بھر کی قوموں کے واجب التکریم مُعلّمِ اہلِ یُونان نے اُس کو مختلف صُورت میں ظاہر ہونے سے مُختلِف ناموں سے یاد کیا ہے۔

جہاں وہ فرماتے ہیں۔ کہ ایک ہی عجیب وغریب اور خاص الخاص بلکہ اخص طاقت ہے جو حسِین اور خوبصورت چیز میں ظاہر ہو کر حُسن اور بیوٹی فُل کہلاتی ہے۔ اور لائق میں لیاقت کے نام سے پکاری جاتی ہے۔ اور وفا دار میں وفا

کے نام سے شہرت پاتی ہے۔ غرض کہ صادق میں صداقت اور راستباز میں راستبازی اور نیک میں نیکی اُس ایک ہی طاقت کا ظہور ہے جو مُختلف مظاہر میں مُختلف القاب سے مُلقب ہوتی ہے۔ ہمارے سچّے ہادی ہمارے سچّے مُرشد **صُوفیاءِ کرام** جن پر ہماری رُوحیں تصدّق ہیں جو دُنیا بھر کے کُل ادیان سے بہتر دین اور سچّا دین اور سارے جہان کے مذاہب سے عُمدہ اور نادر مذہب رکھتے ہیں اِسی طاقت کو **کیوپڈ آسیٹی** (جناب باری تعالےٰ وتقدس کی ذات اور صفات میں جوش اور شوق تجسّس اور خاص کر اُس میں مُوَدّت) کہتے ہیں اور اِسی کا نام رُوحانی عبادت رکھتے ہیں۔ مگر ناول افسانہ اور سٹوری والوں میں سے اکثر نے اُس پاک اور نادر طاقت کی ایسی گت کی ہے اور اِس درجہ تک مٹّی پلید کی ہے۔ کہ اُس کا نام شہوت نفسانی رکھنا پڑتا ہے اور یہ کہ رکھا جا چکا ہے جس نے ایک جہان کو جو وسیع ہندوستان

سے مُراد ہے برباد اور تباہ کر دیا ہے۔ ہندوستان کا
آخری سَتیاناس جو سلطنتِ اَوَدھ سے غرض ہے اِسی
کی بدولت آسمانِ عزّت سے گِر کر نیست اور نابُود ہو گیا۔ اُس
مُقدّس طاقت کو جس نے ناولوں افسانوں اور سٹوریوں
کے تصدّق سے نفرتی اور ناپاک نام شہوتِ نفسانی پایا ہے
اگر ہمارے قارُورہ بین اِس اعتبار سے اِس کو مرض کہیں یا جُنون
نام سے پُکاریں تو کچھ بیجا نہیں کرتے۔ اِس باب میں اُن کی
تھیُوری کے ہم بھی فیور میں ہیں بلکہ اگر اس سے بھی کوئی اَور پلید اور
پلید تر نام رکھے تو بجا ہے ہم اُس وقت بھی اُن کی اُس تھیُوری
کے اگینسٹ میں نہ ہوں گے ہرگز ہرگز نہ ہوں گے۔

دفعہ ۶ اوماٰئی ڈیر ناظرین ہم کہاں تھے اور کس
مخمصہ میں پڑ کر کہاں پُہنچ گئے۔ ہمارا مقصُود یہہ نہ تھا اور نہ ہے
بلکہ ہمارا مطلب یہہ تھا اور ہے جیسا کہ ہم نے دفعہ ۳ میں
عرض بھی کیا ہے کہ چُوں کہ علمِ تاریخ اور علمِ سوانح عُمری ایک ہی

ہے اس لیئے اُس کی **غائت** یا اَور لفظوں میں یوں کہیں
کہ فلاسفی اور اصلیت اور ماہئیت اور حقیقت اور فائدہ مندی
مشترک طور پر ہی بیان کریں گے - لیکن لاَچار نے ہم کو گھیر گھیر
کر ناول افسانہ اور سٹوری کی طرف متوجہ اور مائل کر دیا کہ ہسٹری
اور لائف کی ماہیئت اور غائت بیان کرنے سے پہلے دو چار الفاظ
اُنہیں کی نسبت بیان کریں - چُوں کہ ہم اپنے اِس منصبی فرض کے
بیان سے بھی فراغت پا چُکے ہیں گو پُورے طور پر نہ سہی - اَب
ہم اپنے پاکیزہ دعوی کو پایہ صداقت پر پہنچانے کی کوشش
کرتے ہیں جو اِس تحریر خاص سے ہمارا مُدعا ہے - کیوں کہ یہ
جو **اِنٹروڈکشن** ہے ہماری اِس کُل تحریر کا نفسِ ناطقہ اور
رُوح ہے جس کو آرئین بُدھ وان اور وِدیا ساگر پران اور آتما کہتے ہیں

دفعہ ۷ علمِ سوانح عمری جب **اِدبار** کی علامتوں
اور لچھنوں کے بیان اور پر گھٹ پر آتا ہے - تو دار القضایا ہائی کورٹ
میں نیدو نامے کو حاضر کرتا ہے - جہاں تک کہ تاریخ سے

پتہ ملتا ہے وہاں تک شہر رُوم کبیر کا سا کوئی نادر شہر نہیں ملتا
پیرس لنڈن اور نیویارک اُس کی نقلیں ہیں - اور نہ تاریخ ویسی کسی اَور
سلطنت ہی کا نشان دیتی ہے جو رُوم کبیر کے تزک شان اور جبروت
کے سے عالم کو پہنچتی ہو - سنہ سنّ عیسوی میں وہ دنیا بھر پر
حکمرانی کرتی تھی دیکھو ہسٹری آف رُوم بائی ایڈورڈ گبن
یہی نیرو جو ہای کورٹ میں اِس وقت بھی حاضر ہے وہاں کا
امپریعنی شاہنشاہ تھا - اِس نے اپنے پرنس ہونے کے
دنوں میں برطنیکوس اور سنیکا سے تعلیم پائی جو مشہور فلاسفر
تھے جن کا تذکرہ ہسٹریز اور فلاسفی کی نادر اور مستند کتابوں میں
بکثرت ملتا ہے - اور یہہ کہ اپنی محترمہ والدہ سے بھی تعلیم پائی جس کا
نام اگرپینا تھا اور اپنے وقت کی فلاسفرہ تسلیم کی گئی تھی
آخر یہہ نیرو حاضر ہذا تخت پر جلوس فرما ہوا اور تاج اِس کے سر پر رکھا گیا
(جس نے اُس شہنشاہی تاج کو آخر **تاج خروس** کا سا وزن
اور اُس کی سی وقعت دی اور اِس قول لباسِ خسروی و تاجِ شاہی

بہ ھوگل کے رسالہ حاشا وکلا کا مصداق بنا، تاجدار
سر کو جس قدر مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور جو ایک مسئلہ
صداقت ہے یقین ہے کہ وہ واقف کر دیا گیا ہوگا کیونکہ
فلاسفر مزاجوں کے نزدیک یہہ صداقت گو صداقت ہی سہی
مگر الف اور ب کا سا رتبہ رکھتی ہے۔ روم کے اس وقت
کے لا کے مطابق قتل کا کیس خود شہنشاہ کی پیشی میں جایا
کرتا۔ چنانچہ ایک ویسا ہی مقدمہ اس کی پیشگاہ میں پیش کیا گیا
مجرم یا ملزم کو اپنے جرم سے اقرار اور اقبال تھا۔ اور یوں بھی رودادِ
مقدمہ اور معتبر شہادت سے ثابت تھا۔ نیرو قصاص کا فتویٰ
دینے سے پیشتر سر دربار زار زار رویا اور کہا کہ اگر میں جانتا کہ شہنشاہ
ہونا قصاب ہونا ہے تو میں ایسی شہنشاہی سے رہبانیت کو
زیادہ پسند کرتا یا یوں سہی کہ اس پر اس کو ترجیح دیتا۔ یہہ کہکر خلوت
میں چلا گیا۔ کئی روز کے بعد یا تو خود کچھ سوچ سمجھکر یا سوجھائے سمجھائے سے
پھر دربار میں آیا اور اس خونی کی نسبت قصاص کے آرڈر پر جس کو وارنٹ

بھی کہا جاتا ہے دستخط کیئے - ناظرین یاں ذرا **یاد** رکھیں کہ اُس کے دِل اور کانشنس کی نرمی کس درجہ پر تھی کہ واجب التعذیر کی نسبت حُکم نافذ کرنے پر بھی اُس کو کس قدر تامّل اور پس و پیش تھا - تھوڑے ہی عرصہ کے بعد نیرو حاضر عدالت نے ظُلم کرنا شروع کیا - آیندہ ہم اُس کو واجبی لقب اظلم اور اُور اہلِ دُنیا کی چال پر بدطینت کا خلعت بھی دینگے - کسی بات پر بگڑ کر اپنے اُستادوں مذکورہ بالا کو قتل کروایا حتّٰی کہ والدہ ماجدہ کو بھی مروا ڈالا - اُور لوگوں کو قتل کروا دینا تو اُس کے نزدیک بازیچۂ طِفلاں سے زیادہ نہ تھا - غرض کہ اِس قتل مقاتلہ اور خُون خرابہ کی **لاکھوں** تک نوبت پہنچی - آخرِ کار شہرِ رُوم کو بھی اپنے ہاتھوں سے آگ لگا کر جلا دیا اور شہر کے دروازے بند کروا دیئے کہ کوئی نکلنے نہ پائے - آپ اپنے آسمان سا پیلیس جو درحقیقت پیلس کیا تھا فلک الافلاک کی چوٹ اور ٹکر تھا کھڑا ہو کر بانسری بجاتا جاتا تھا اور مشتعل آگ کا تماشا دیکھتا جاتا تھا - اب وقت پھر دو ہے کہ ناظرین اِس بات کو بھی **نوٹ** کر لیں کہ رفتہ رفتہ اُس کی

قساوتِ قلبی نے کس درجہ ترقی کی اور یہہ کہ اُس کا نرم دِل
اور کانشنس کس رُتبہ کی سنگین ہوگئی - نامدار مؤرخون گیزو - ملمین
اور خود ایڈورڈ گبن جیسوں کو اُس کی کانشنس کی نرمی اور نرمی
بھی پرلے درجہ کی جس کو فلاسفر حدِ اوسط سے بڑھا ہوا کہتے ہیں
اور پھر اُس کی سنگینی اور سختی سنگینی اور سختی بھی انتہا کے
رُتبہ کی حیرت میں ڈالے ہوئے ہے بعض نے کہا ہے کہ اُس کے
مُعلّموں ہی نے درپردہ اُس کو شرارت کرنے دی - بعض کی
راے ہے کہ وہ گویا ازلی شریر النفس تھا شہنشاہ ہونے کی ہوس
میں اپنے عیبوں پر آپ پردہ ڈالتا رہا - بعض کہتے ہیں کہ نہیں اُسکے
مُعلّموں کا کچھ قصور نہیں اُس کا دِل اور اُس کی کانشنس پہلے نرم تھی
اور پھر دُنیا، دنی کے مُعاملات کے پیچ و تاب میں آکر سخت ہوگئی
اِس مسئلہ کو ازل کی سپرد کرنا اور اُس کو بدنام کرنا حق بجانب نہیں کیونکہ
یُونانی حکیم آلہی جالینُوس اَور فلاسفروں کے مُباحثہ پر ایک
ججمنٹ دے چُکا ہے - جو ہر زمانہ اور ہر قوم میں تسلیم کیا گیا ہے

اُس کے المحاکمہ بین الفریقین کا لُبّ لُباب یہہ ہے - کہ کوئی انسان
ازل سے نہ نرم کانشنس لیکر آتا ہے اور نہ سخت بلکہ قُدرت نے
اُس کو وضع ہی ایسا کیا ہے کہ نرم کانشنس والوں کے اثرِ صُحبت
سے اُس کی کانشنس نرم ہو جاتی ہے اور سخت کانشنس والوں
کی صُحبت سے سخت ہو جاتی ہے دیکھو کتاب الطّہارت
ابُو علی مِسکویہ جس میں اِس فیصلہ پر مضبوط براہین اور برجستہ
دلیلیں ایراد کی ہیں -

دفعہ ۸ غرض کہ اِس اظلم اور دُنیا کے محاوروں کی
رُو سے بدطینت اور بدخمیر نیرو کی اِن حرکتوں سے صاف
صاف نتیجہ مترتّب ہونے سے پہلے ہی لکھ دیا گیا تھا - کہ رُوم
کی سلطنت جو واقع میں دُنیا بھر کی سلطنت ہے اِدبار کی
گھنگھور گھٹا سے اُس کے اِقبال کا آفتاب آفتابِ لب بام
اور آفتاب سرکوہ اور اُس کے تُزک اور احتشام کا دیا ٹمٹما بلکہ بجھا
چاہتا ہے - اور بہت جلد ایسا ہی ہوا - وُہ شہر اَب کھنڈرات

پڑا ہے جس کا نام اب اٹلی روم ہے جس کے کھنڈرات کوسوں
تک چلے جاتے ہیں۔ اُن کھنڈرات میں اُلّو سانپ اور اژدہا
رہتے ہیں۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ انسان کی لائف سے
اُسکے اقبال یا ادبار کی بدھ ایسی مِل جاتی ہے کہ جیسے دو اور دو سے
چار کی بدھ مِل جاتی ہے۔ وہ مؤرخ کیا جو قوموں اور شخصوں کے
اقبال اور ادبار کے لچھنوں کو پہچان کر اُن کی گن پتری نہ بنا دے
جس کو لوگ زائچہ او جنم پتر بھی کہتے ہیں۔ اور ناظرین علم تاریخ اور
علم لائف کی سحر پردازیاں اور اُس کی جادو طرازیاں دیکھیں؟

دفعہ ۹ علم لائف ماسبق دفعات میں اِدبار کا

ماجرا جو آدمیوں کے حق میں سب سے زیادہ بُری بلا ہے بیان
کرچکا ہے۔ اور یہہ کہ اُس کو ہسٹاریکل بیان کیا ہے۔ ناولوں
افسانوں اور سٹوریوں کی بنا سے نہیں بیان کیا۔ اب وہی علم
اقبال کے حالات پیش کرتا ہے جس کی ہر قوم اور ہر ملک کو
اشدّ ضرورت ہے۔ اور یہہ کہ اِس کو بھی فیکٹس کی بنیاد پر معرض بیان

میں لاتا ہے نہ کہ ناول افسانوں اور سٹوریوں کی بنا پر۔

دفعہ ۱۰ اجودھیا پوری کے راجہ جن کا نام دسرت تھا راجپوت فیملی کے گویا مورث اعلیٰ تھے۔ اس اجودھیا پوری کو اب اودھ کہتے ہیں لکھنؤ جو ہند کا پیرس سمجھا جاتا ہے اس کے شہروں میں سے ایک شہر ہے۔ راجہ دسرت کے بڑے بیٹے یا یوں کہیں کہ ٹیکے کا نام جن کا ترجمہ پرنس ہے سری رام چندر جی تھا۔ ان کی عفیفہ مقدسہ رانی کا نام نامی سیتا جی یا جانکی جی تھا۔ یہہ بھی ایک راجہ کی پتری یا دختر نیک اختر تھی جن کا نام جنک تھا۔ شادی سے پہلے سیتا جی نے سری رام چندر جی کو پسند کیا تھا اور سری رام چندر جی نے سیتا کو۔ معلوم ہوتا ہے کہ آرین لوگوں میں خصوصاً راجا فیملی میں یہہ ایک دستور تھا جو واقع میں سب سے اچھا رواج تھا یہی دستور اب دنیا بھر کی اقبال مند قوموں میں سے متقدر عالیجاہ اور بھاگوان قوم یورپ میں جاری اور ساری ہے۔

دفعہ ۱۱ راجہ دسرت نے بوجوہ اپنے پرنس کو بارہ۱۲ برس کی مدت تک کے لیئے بن باس کا حکم دیا تھا۔ راجہ دسرت کے سُرگ براجمان ہونے کے بعد سری رام چندر جی نے پبلک اُپنین پر بھی جو اُس کے فیور میں تھی اور راجگی کی ہوس پر بھی اپنے پتا کی اگیاکو نہ یہہ کہ بہتر سمجھا اور ترجیح دی بلکہ اپنے اقبال کی سب سے مضبوط دلیل سمجھا۔ جب اُس حکم کی تعمیل کے لیئے طیاری کی۔ تو راج کے کنور یعنی سری رام چندر جی کے سب سے چھوٹے بھائی سری لچھمن جی نے بھی ایسے مصیبت کے وقت میں ساتھ دینا چاہا۔ مگر سری رام چندر جی نے کئی ایک وجہوں سے اُس کو اِس ارادہ سے روکا۔ مگر وہ نہ رُکا پر نہ رُکا۔ کیوں نہ رُکا؟ اِس لیئے کہ اُس نے اپنے بڑے بھائی کے پیچھے راج اور تِلک یعنی تخت او رتاج کو بڑے بھائی کے ساتھ دینے سے جو باپ کی برابر تھا بہتر جانا کیا دُنیا بھر کی کسی رائل فیملی میں ایسا بڑا بھائی اور ایسا چھوٹا بھائی

ہُوا ہے یا اَب موجُود ہے؟ اگر ہُوا یا ہے تو بتانا چاہیئے۔ اِس کے خلاف تو البتّہ ہم کو بھی یاد ہے یعنی حضرتِ اورنگ زیب عالمگیر دَارَاشِکُوہ۔ سُلطان مُرادبخش اور سُلطان شُجاع وغیرہ وغیرہ وغیرہ صدہا بلکہ ہزارہا۔ حضرتِ اورنگ زیب وُہی ہیں جن کے عہد سے تیمُر خانی سلطنتِ ہند کا تنزّل شرُوع ہوا۔

دفعہ ۱۲ جانکی جی اپنے دیور سے پہلے اپنے سر کے تاج شوہر کے ساتھ دینے کو طیّار تھی۔ سری رام چندر جی نے ہر چند کہ اس ارادہ سے اُس کو روکا مگر کیا مجسّمِ وفادانیاں ایسے وقتوں میں رکا کرتی ہیں؟ ہرگز نہیں۔ جو سوال اور جواب اِس صاحب اقبال شوہر اور رانی میں ہوئے اُس کو ہم اپنے رسالہ **پنجاب ریویو** جلد نہم نمبر سوم بابت ماہِ مارچ ۱۸۸۰ء میں منضبط کر چکے ہیں الغرض یہہ تینوں سری رام چندر جی۔ سیتا جی اور سری لچھمن جی بن باس کی مصیبتیں اور کلیش سہنے اور بھوگنے کے

لیئے مستعد تو تھے۔ مگر اپنے پیچھے راجگی کے انتظام کے لیئے اپنے تیسرے بھائی بھرت جی کو بُلانا جو کشمیر کے راجہ تھے۔ اور سری رام چندر جی کی دوسری والدہ سے بھائی تھے مُلکی مصلحت کی بنا پر بہتر سمجھا۔ راجہ دسرت نے کثرتِ ازواج کو قبول کیا ہوا تھا مگر سری رام چندر جی اپنی زندگی تک ایک ہی رانی کے شوہر رہا کیئے۔ جب رانی بھی ایسی ہو کہ حُسن میں یکتا لیاقت میں فرد اور وفا میں لاثانی تو پھر کثرتِ ازواج کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ بھرت جی بھی اپنے بڑے بھائی کے اِرشاد سے جس کو وہ اپنے پتا کی برابر سمجھتے تھے آحاضر ہوئے۔ چنانچہ اُن سے بن باس کی مُدت تک اِنصرامِ راجگی کے لیئے کہا گیا۔ مگر اُنہوں نے نہ مانا۔ اور جب ایک مہاپُرش کھیشر باسِسٹ مُنی جی نے مُندرجہ ذیل نصیحت کی تو بارے مان لیا۔

سُنو بھرت بھاٰئی پربل ھرکہ کھو مُنی ناتھ
ھانی لابھ جیون مرن جس اپ جس بدھی ھاتھ

اِس قول کے ارتھ یعنی معنی یُوں ہیں کہ اُسے بھرت جی
پرمیشور کا ایک نام لیوا دل و جان سے یہہ بات کہتا ہے
کہ تقدیر یعنی خُدا کی مشیّت سب سے زور آور چیز ہے اُسی
کے ہاتھ میں ہے بے عزّتی اور عزّت اور زندگی اور موت
اور نفع اور نقصان پس چُوں کہ پِتا نارائن تُم کو یہہ عزّت دیتا ہے
کہ تُم اپنے بڑے بھائی کے لیئے کچھ کام کرو تو تُم کیُوں گرہن
یعنی قبول نہیں کرتے"۔

دفعہ ۱۳ آخر بھرت جی اُس پوِتّر مُنی کی نصیحت کو
مان گئے۔ اور سری رام چندر جی مع اپنے وفادار دسرت
اور جنک کے خاندانوں کی شمع رانی سیتا جی اور اپنے
وفادار اور مُعزّز عزیز بھائی سری لچھمن جی کے یاں (یعنی
جہاں اِن دِنوں اِس تالیف کا مُولّف رہتا ہے) حیدرآباد دکن
کے علاقہ تلنگانہ میں پہنچ گئے۔ اُن دِنوں یاں یعنی تلنگانہ کا راجہ
ھنومان نامے تھا جس کا لقب **مہابیر** تھا۔ جس کے

لیئے مستعد تو تھے - مگر اپنے پیچھے راجگی کے انتظام کے
لیئے اپنے تیسرے بھائی بھرت جی کو بلانا جو کشمیر کے راجہ
تھے - اور سری رام چندر جی کی دوسری والدہ سے بھائی
تھے مُلکی مصلحت کی بنا پر بہتر سمجھا - راجہ دسرت نے کثرتِ
ازواج کو قبول کیا ہوا تھا مگر سری رام چندر جی اپنی زندگی تک ایک
ہی رانی کے شوہر رہا کیئے - جب رانی بھی ایسی ہو کہ حُسن میں
یکتا لیاقت میں فرد اور وفا میں لاثانی تو پھر کثرتِ ازواج کی ضرورت
ہی نہیں پڑتی - بھرت جی بھی اپنے بڑے بھائی کے اِرشاد
سے جس کو وہ اپنے پتا کی برابر سمجھتے تھے آحاضر ہوئے - چنانچہ
اُن سے بن باس کی مُدت تک اِنصرامِ راجگی کے لیئے کہا
گیا - مگر اُنہوں نے نہ مانا - اور جب ایک مہاپُرش کیشر باسِشٹ مُنی
جی نے مندرجہ ذیل نصیحت کی تو بارے مان لیا -

سُنو بھرت بھائی پربل ھر کہہ کھو مُنّی ناتھ
ھانی لابھ جیون مرن جس آپ جس بدھ ھاتھ

اِس قول کے ارتھ یعنی معنی یوں ہیں کہ اے بھرت جی پرمیشور کا ایک نام لیوا دل و جان سے یہہ بات کہتا ہے کہ تقدیر یعنی خدا کی مشیّت سب سے زور آور چیز ہے اسی کے ہاتھ میں ہے بے عزّتی اور عزّت اور زندگی اور موت اور نفع اور نقصان پس چوں کہ پِتا نارائن تم کو یہہ عزّت دیتا ہے کہ تم اپنے بڑے بھائی کے لیئے کچھ کام کرو تو تم کیوں گرہن یعنی قبول نہیں کرتے۔"

دفعہ ۱۳ آخر بھرت جی اُس پوتّر مُنی کی نصیحت کو مان گئے۔ اور سری رام چندر جی مع اپنے وفادار سرت اور جنک کے خاندانوں کی شمع رانی سیتا جی اور اپنے وفادار اور معزّز عزیز بھائی سری لچھمن جی کے یاں (یعنی جہاں اِن دِنوں اِس تالیف کا مؤلف رہتا ہے) حیدرآباد دکن کے علاقہ تلنگانہ میں پہنچ گئے۔ اُن دِنوں یاں یعنی تلنگانہ کا راجہ **ھنومان** نامے تھا جس کا لقب **مہابیر** تھا۔ جس کے

نام سے قلعہ ہنومان کُنڈہ اب تک موجود ہے۔
عام لوگ جو ہنومان کُنڈہ کو ہنم کُنڈہ کہتے ہیں غلط ہے۔
تلنگی زبان میں جو یاں کا لینگویج ہے قلعہ کو کُنڈہ کہتے ہیں۔
راجہ ہنومان بہادر جیسا کہ آریَن لوگوں میں سے ناسمجھوں کا خیال ہے
بندر نہ تھا بلکہ انسان یا یوں کہیں کہ منگھ تھا۔ یاں اِس بحث
کا موقع نہیں کہ ڈاروِنز تھیوری کے مُطابق آدمی
اصل میں بندر ہی ہے مولینا جلال الدین رُومی بھی
اپنی مشہورِ عالم مثنوی میں اَور انسانوں کو عموماً اور یورپ والوں کو
خصوصاً بندر ہی کی نسل سے بیان کرتے ہیں۔ لیکن ڈاکٹروں
اور مولینا رُومی میں فرق یہہ ہے کہ اُن کے دعوے کا
فلسفی ثبوت ہے اور اِن کے اِدّعا کا نقل حکایات اور روایات
ہیں۔ خواہ کچھ ہی ہو یاں ہم اِس بحث کو نہیں چھیڑتے۔ البتہ ہم
مولینا ممدوح الاوصاف کی مثنوی شریف کے دفترِ چارم کے اُن
خاص چار شعر کی طرف توجّہ دلاتے ہیں جو اُن کے عنوان

بیانِ اطوارِ خلقتِ آدمی درِفطرت کی ذیل میں ہیں - تلنگی
زبان میں جو آپ سلطنت آصفیہ کی رعایا کی زبانوں میں سے ایک
زبان ہے ہنومان ہر لمبے چہرہ والے آدمی کو کہتے ہیں -
راجہ ہنومان کو جب یہہ معلوم ہوگیا کہ سری رام چندر جی اجودھیا پور
کے راج بنس راجاؤں میں سے ایک ہیں - اور جانکی جی اُن کی
رانی ہے جو راجہ جنک کی پُتری ہے - اور سری لچھمن جی
اُس راج کے کنور ہیں جس نامی گرامی اور پُر زور راج کے سری
رام چندر جی راجہ ہیں - تو وہ بہت ہی خاطر و مدارات سے پیش آیا -
مگر چونکہ وہ بن باس کی لائف کو پسند کر چکے تھے - اور بن ہی میں
اُن کے لیئے دیالو کرپالو دینا ناتھ پرمیشور نے نعمتیں موجود کردی
تھیں اِس لیئے اُنھوں نے بن باس کی مُدت تک جو ایک طور
کی قسم یا عہد تھا دنیا کے اُجھیڑوں میں پھنسنا نہ چاہا - چنانچہ سیتا پھل
جیسے پھل جس کو اودھ میں شریفہ کہتے ہیں اور رام پھل جو ایک
قسم کا ویسا ہی یا اُس کے قریب قریب پھل ہے بن سے

مل جایا کرتے تھے اور گزارہ کرلیا کرتے تھے بیتا پھل بہت
ہی لذیذ شیریں اور خوشبودار پھل ہے اور رام پھل بھی اچھا ہے
البتہ سری رام چندر جی کے دل میں راجہ ہنومان کی خاطرداری اور
مدارات کی **الکٹرسٹی** نے ایسا اثر کیا کہ جہاں تک انسانوں
بھروسہ کرنے کی حد ہے اُس پر بھروسہ کیا۔ اور جیسا کہ ناظرین
ابھی دیکھتے ہیں ہنومان نے بھی اُن پر اپنی جان اور مال تصدّق
کرنے سے دریغ نہ کیا۔ سچّی اور بے لاگ خاطرداری اور مدارات
کا ہمیشہ ایسا ہی اثر ہوا کرتا ہے مگر یہہ شرط ہے کہ پاک دلوں میں
اس اثر کی اُمید کرنی چاہیئے۔ اور جب خاطر و مدارات کسی غرض
پر مبنی ہوتی ہے تو اثر بھی ایچ پیچ سے خالی نہیں ہوا کرتا۔ کسی
ایسے شخص سے جو مکاری میں اُستاد ہو اِس نکتہ کو حل بھی کرلو
ہمارا اعتبار اگر نہیں کرتے ہو۔

دفعہ ۱۴ شادی کے پیشتر ہی جانکی جی کی شہرت
بھرت کھنڈ کی راجا ز فیملی میں نہ اس لیئے پھیلی ہوئی تھی کہ وہ راجہ

جنک کی پتری تھی۔ بلکہ اس وجہ سے کہ وہ حسین تھی۔ اور سمندِ
ناز پر ایک تازیانہ اذر تھا کہ لئیق بھی تھی۔ حُسن لاریب شہرت
کا باعث ہوتا ہے بشرطیکہ اس کے ساتھ لیاقت بھی ہو نہیں تو
وہ اٹلی کی بنی ہوئی پتھر کی تصویر ہے جس کو سٹیچو کہتے
ہیں۔ انگلستان دیس کا آتش زبان کبیشر شکسپیئر بھی کہتا ہے
کہ صرف "محسن کیا ہے؟ کوئی کم مایہ اور کم سود سامال ہے"۔ اور
یہہ کہ وہ موم کا شیشہ یا آئینہ ہے کہ بنتے ہی تڑک جاتا ہے" الخ
البتہ لیاقت اگر حُسن کے بغیر بھی ہو تو بڑی کارآمد چیز ہے۔ مگر
جب حُسن کے ساتھ لیاقت ہو تو شہرت ہی نہیں ہوتی بلکہ حسین
کے لیئے آفتوں کا سامنا بھی ہوا کرتا ہے۔ راجہ جنک
کے پاس بڑے بڑے پرنس اور ڈیوک فیملی کی درخواستیں آئی
ہوئی تھیں۔ مگر یہہ امر جانکی جی کی پسند پر موقوف تھا۔ چنانچہ پرالبدھ
میں سری رام چندر جی کے ساتھ ہی اُن کا سنجوگ تھا ہی بنا پر ایک
نے دوسرے کو پسند کیا تھا۔

دفعہ ۱۵ جب سری رام چندر جی کو جو چندرما تھے جانکی جی
کے ساتھ جو زہرہ تھی حیدرآباد دکن میں قران ہوا۔ تو اس ملک
کے راجاؤں اور مہاراجوں میں بھی اُن کی شہرت پھیلی۔ چوں کہ
اب سیتا جی زوج تھی سری رام چندر ہی کا حق تھا۔ اس لیئے حق پسند
راجاؤں نے تو اُن کی کلیش میں سہاتا کی اور بدذات شریر النفس بلکہ
ازلی کمینوں نے اُن کو تکلیف پر اور بھی **تکلیف** دی۔ مگر کچھ بات
نہیں کیوں کہ مہارکھی مہا آتما بیکنٹھ دھام
کبیر جی کہتے ہیں۔ دیکھو اُن کا قول
مندرجہ حاشیہ جس کا ترجمہ یہ ہے
کہ دُکھ ہمیشہ بڑوں کو ہی ہوتا ہے چھوٹوں کو
دُکھ دُکھ معلوم نہیں ہوتا وہ اُس کے
عادی ہوتے ہیں جس کو یورپ کے
فلاسفر سکینڈ نیچر اور عرب کے
حکما طبیعتِ ثانی کہتے ہیں جیسا کہ

کسوف اور خسوف آفتاب و مہتاب کو ہوتا ہے سیاروں اور اُڈ تاروں کو نہیں ہوتا نظیر سے یہہ قول ٹروتھ کے ساتھ پہلو بہ پہلو ہے - وہ دُکھ کیا تھا جو سری رام چندر جی جیسے نیک مرد (بقول مُلکِ فلسطین کے راجہ اور پرافٹ داؤدؑ کے) صادق اور مجسم وفا کو پہنچا؟ ہم ابھی بیان کرتے ہیں -

دفعہ ۱۶ لنکا دیس میں جو ایک جزیرہ ہے اُس وقت راون نامے راجہ تھا - یہہ ذات کا برہمن تھا مگر گُن میں چنڈال تھا ویدانت مت کے مُطابق جس کو ہم دُوسرے لفظوں میں صُوفی اِزم کہہ سکتے ہیں جو برمہہ یعنی پرمیشور سرب شکتمان جوتی سروپ کا گیانی ہو اُس کو برہمن کہتے ہیں - جب اِس نے سیتا جی کے حُسن اور حُسن پر لیاقت کی خبر سُنی - تو اپنے گویا ذاتی کمینہ پن اور اپنی بد ذاتی اور مجسم شرارت ہونے کی وجہ سے یہہ نہ جانا کہ اُب وہ بیگانہ مال ہے اُس پر بُوالہوسی مہا پاپشٹی کا کرم ہے - بلکہ اپنی سگی بہن کو جو پکی مُتحالہ اور مجرب دلالہ اور چھٹی ہوئی کُٹنی تھی جس کا نام سُوپ

نام سُوپ نکھا تھا سیتاجی کے بہکانے اور ورغلانے کو بھیجا۔ چُوں کہ فریب کھاجانا فرشتوں دُوتوں اور کرپالو دیالو پوِتر لوگوں کا کام ہے اور فریب دینا پاپیوں چنڈالوں کا کام ہے۔ اِس لیئے یہہ بھولی بھالی رانی اُس کی مکاریوں کی چال میں آخرکار گرفتار ہوگئی سری رام چندر جی کی اُس وقت بیقراری بہت ہی غور کی درخواست کرتی ہے کہ ایسا بڑا چتر بُدھ وان پرُش بلکہ راجہ درختوں سے اِن الفاظ میں پُوچھتا پھرتا تھا کہ تُو نے کہیں مِیری بِسیتا دِیکھی ھے؟ اور اِن ہی پاس کے بھرے ہوئے لفظوں سے جانوروں سے دریافت کرتا پھرتا تھا کہ تُم نے کہیں مِیری جانکی دِیکھی ھے؟ سری رام چندر جی کو یقین تھا کہ یا تو کوئی درندہ اُس کو کھاگیا یا کوئی کرپا اور دیا نیز ہمدردی کرنے کے رُوپ میں اُس کو ہرلے گیا۔ آپ سے آپ سیتاجی کہیں جانے والی نہیں۔ اِس بیقراری بدنصیب کم بخت اور رُوسیاہ کے کارن کسی پہلُو سے کسی ڈھنگ اور کسی طور سے چین

نہ پڑتی تھی اور نہ شانتی حاصل ہوتی تھی۔ جو حال حضرتِ یعقوب کا اپنے لختِ جگر نورِ بصر یوسف کے گم ہو جانے سے ہوا تھا ویسا ہی ماجرا سری رام چندر جی کے دل پر گزرا۔ اور جس طرح سے سب سوجھ بوجھ حضرتِ یعقوب کی جاتی رہی تھی اسی طرح سے سری رام چندر جی کی سب چترائی اور بدھ گم ہو گئی تھی۔ او فراق! او ہجر!! تو جاں کنی کی حالت اور موت کو کیوں بُرا کہتا ہے، تو خود آپ اُن سے بھی **بدتر** ہے۔ سری رام چندر جی کے میزبان راجہ ہنومان مہابیر کو جب اِس حادثہ سے اطلاع ہوئی تو پہلے افسوس کیا کہ ہمارے ملک میں آکر ایسے دھرم روپ راجہ پر اُس کی **پتنی** کی ایسی مصیبت نازل ہوئی کہ دنیا میں جس سے زیادہ شرمناک کلیش اور دکھ نہ ہوگا۔ اِس لئے وہ وہ باہمت اور مردِ میدان مہابیر کہ جس کے وجود میں سمپتھی اور دردمندی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی سری رام چندر جی کا چھلا کہ نشانی لیکر آپ تلاش تحقیق اور تفتیش میں مخبروں کا روپ

دکھا کر نکلا- دشت و بیابان اور پہاڑ سمندر چھان مارے-

دفعہ ١٧- آخر جب راون چنڈال کے دیس لنکا میں پہنچا- تو بارے پتہ ملا کہ سیتا جی یاں ہی ہے اور فلاں باغ میں ہے- یہہ وفادار اور بہادر اور مہان بیر ور راجہ ہنومان بڑی دانائی اور زیرکی سے واں پہنچا- اور بڑے ادب سے تسلیمات اور کورنش بجالا کر سری رام چندر جی کا چھلا اُن کو دیکر اور اُن کا لیکر واپسی کا ارادہ کیا- اور اُن کو تسلی دی کہ آپ گھمبیر پتنیوں کی طرح سے ذرا اور سنتوکھ کو کام میں لائیں- میں آپ کے سر کے مکٹ کو بھی یہیں لاتا ہوں اور آپ کے دیور کو بھی ہمراہ لاتا ہوں اور یہہ کہ میں اپنی ساری فوج کو لاتا ہوں-

دفعہ ١٨- جب راجہ ہنومان نے معاوٹ کر یہہ خبر سری رام چندر جی کو پہنچائی تو اُس وقت کی خوشی کا بیان کرنا کسی آتش زبان خوش بیان شاعر کا بھی کام نہیں جو بے پر اڑانے کے علاوہ زمین اور آسمان کے قلابے ملا دیا کرتے ہیں- چہ جائے کہ

کسی مؤرّخ کا کام ہو جو ہمیشہ واقعات اور فیکٹیز نگاری کے ماوراء اُمور کا بیان کرنا اپنا کفرِ منصبی جانتا ہے۔ الغرض اب لنکا کی طیاریاں ہوتی ہیں جو ایک دُشوار گُزار مُہم ہے۔ دُشوار گزار مُہم یُوں ہی یا وہ گو شعرا کی طرح سے نہیں کہا گیا۔ بلکہ اِس فونڈیشن پر کہا گیا ہے کہ حیدر آبادِ دکن کی سرحدّ اور لنکا کی حدّ کے درمیان دریا رشُور یا یُوں سہی کہ سمندر واقع ہے۔ اور اُس کا اُب بھی وہی حال ہے جیسا کہ پہلے تھا کیُوں کہ سمندر حائل ہے۔ آریَن دعویٰ کرتے ہیں کہ سری رام چندر جی نے راجہ ہنوّمان کی امداد سے جو اپنا لشکر اور فوج مع سامانِ حرب لیکر سری رام چندر جی کے ہمرکاب ہوا گویا یہہ شُور ما بیر بہادر دِل چلا نیک نیّت اور وفادار (راجہ ہنوُمان) جنرل تھا حیدر آبادِ دکن کی اُس عہد کی سرحدّ اور لنکا کی حدّ کے درمیان جو سمندر حائل تھا اُس پر پُل باندھ دیا۔ اور اہل مذاہب اِس پر یہہ نکتہ چینی کرتے ہیں کہ سمندر پر پُل باندھنا مُحال ہے۔

دفعہ ۱۹ منصف مزاج جب حضرت موسیٰ کے اُس معاملہ میں عمیق نظر کرتا ہے۔ جو معاملہ اُن کو دریائے قُلزم پر جس کو نیل بھی کہتے ہیں پیش آیا۔ جس کو آج تین ہزار تین سو اسّی برس کی مُدت گزری۔ جس کا تذکرہ خود حضرت موسیٰ کی توریت کے دُوسرے صحیفہ خروج نام کے تیرہویں[۱۳] باب اور ۱۳۶ زبور کے ۱۳ ورس میں اِن الفاظ سے نازل ہے کہ خُدا نے سار ی رات پُوربی آندھی چلا کر بحرِ قُلزم یا دریائے نیل کو دُو[۲] حصّہ کر کے موسیٰ کی سنّیا (اُمت یا ذرّیت) کے لیئے راہ خشک کر دی۔ بنی اسرائیل دریا میں سُوکھی زمین پر ہو کے گزرے اور پانی داہیں بائیں دیوار سا نظر آیا۔ خُدا نے دریائے قُلزم کے دُو[۲] حصّہ کر دیئے الخ۔ تو اگرچہ بشپ کُلنزو وغیرہ اِس کو حقیقت کے مطابق نہیں سمجھتے۔ مگر یہہ بات کوئی چنداں خلافِ عقل نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ جوار بھاٹے کے وقت جس کو مدّو جزر کہتے ہیں بنی اسرائیل کو پایاب نکل جانے کا موقع مِل گیا ہوگا۔ پس عجب

کیا ہے کہ جو فاصلہ سمندر کا حیدرآباد دکن کی سرحد اور لنکا کی حد میں اب ہے اُس وقت ایسا نہ ہو۔ بلکہ ایسا کم ہو کہ اُس پر پل باندھا جا سکتا ہو۔ جھگڑے اور جھمیلے کی کیا ضرورت ہے۔ ہر ملک ہر زمانہ کے کم ظرفوں کا یہی طور رہا ہے جیسا کہ اب بھی ہے کہ بے سود باتوں پر پہلے اپنے گلے کی رگوں کو تکلیف دیتے ہیں اور پھر کتوں کی طرح سے ایک دوسرے کو پھاڑ کھانے کو تیار ہوتے ہیں۔

دفعہ ۲۰ الغرض بھاگوان راجہ سری رام چندر جی نے اپنے دلی اور سچے دوست راجہ ہنومان اور اپنے معزز بھائی سری لچھمن جی کے ساتھ لنکا میں پہنچ کر راجہ راون کا مقابلہ کیا۔ عین مقابلہ کی حالت میں راجہ راون مارا گیا۔ اور اپنی رانی سیتا جی کو لے آئے۔ اس دار و گیر اور رنج و تعب میں وہ کٹھن گھاٹی بارہ[۱۲] برس کی مدت بن باس کی بھی طے ہو گئی۔ خاص جودھیا میں آکر اپنے تاج اور تخت کو حاصل کیا۔ راجہ رام چندر جی نے سیر و بلاد

لچھمن جی اور بھرت جی کا شکریہ ادا کیا اور پھر راجہ ہنومان کا شکریہ نہ صرف راجہ رام چندر جی نے ہی ادا کیا۔ بلکہ سارے مُلک نے بھی ادا کیا۔ کیونکہ سری رام چندر جی کو لوگ بہت ہی چاہتے تھے گویا **ھردلعزیزی** کے مُجسّم تھے۔ راجہ رام چندر جی نے جن لفظوں سے راجہ ہنومان کا شکریہ ادا کیا وہ الفاظ دُنیا بھر میں رہی بیکنٹھ براجمان دیوتا مورت تُلسی داس جی کے حصّہ ہی میں آئے ہیں اور کسی کے حصّہ میں نہیں آئے۔ شاعرانہ لفظوں کی ایسے موقع پر جو دُنیا بھر میں ایک بہت بڑا **واقعہ** ہے جس سے ہزاروں آپ زر سے لکھنے کے قابل نتیجے نکلے اور نکل رہے ہیں اور مہا پرلو یعنی تا قیام قیامت نکلا کرینگے ضرورت نہ تھی۔ بلکہ الہامی الفاظ کی سی ضرورت تھی سو وہ تُلسی داس جی کے مُونہہ سے نکل چکے ہیں۔ اب جو کوئی تُلسی داس جی کا سا گیان میں بِدّیا میں اور بُدھ میں عالی رُتبہ رکھتا ہو تو نکالے۔ البتہ اب **بات** اِس میں ہے کہ کیا ایسی حالتوں میں جانکی جی کی ہیت اور پوتر تائی کا کیا حال

رہا۔ جن آبِ زر سے لکھے جانے نتیجوں کا ہم نے اشارہ کیا
ہے وہ سب اس میں گویا **مُضمر** اور تعبیہ ہیں۔ پس ہم
آیندہ دفعہ میں اسی کا چرچا کرتے ہیں جس کو ہم ایک اپنا فرض
منصبی ہی نہیں سمجھتے بلکہ چوں کہ حق امر بیان کرنے کی ہماری نیت
اور ارادہ ہے لہذا عبادت جانتے ہیں۔

دفعہ ۲۱۔ ہمارے پاس باور کر لینے والی وجہیں ہیں کہ
جانکی جی کی پت اور پوترتائی میں فرق نہیں آیا تھا۔ ظاہر ہے کہ
اگر اُن کی پت اور پوترتائی میں فرق آتا تو وہ ضرور اپنی غیرت کے
فیلنگ میں خودکشی کرتی۔ اور یہہ کہ راجہ ہنومان بھی جاں نثاری اور
جاں فشانی نہ کرتا۔ اور نہ سری رام چندر جی اُن کو قبول کرتا۔ وہ سندر
استری جو بُدھ وان اور بدیاوان ہوتی ہے اُس استری سے جو
موھنی ہو مگر بدھ وان اور بدیاوان نہ ہو یہی فرق رکھتی ہے۔ کہ
وہ کلیش میں بھی اپنی پت اور پوترتائی کو قائم رکھتی ہے اور یہہ نہیں
رکھتی۔ اربابِ نشاط اور کسبیوں کے پیشہ کی بہت سی وجہوں میں سے

ایک یہہ بھی ہے۔ ایک سچ مچ مہار کھیشر اور مہا گیانی اکاشی بانی سے کہتا ہے۔ کہ استریوں کی اصل آرائش اور اُن کا زیور اُن کی پتیورتائی ہے نہ کہ ظاہری بناؤ سنگار۔ اگر سیتا جی پتیورتا نہ ہوتی تو یہی نہیں کہ سری رام چندر جی اُس کو اپنی **پتنی** نہ بناتے بلکہ وہ کلیش کے وقت اپنی پتیورتائی کی اوج اور عروج سے سر کے بل گر جاتی

آنریبل ڈاکٹر مولوی سر سید احمد خاں بہادر ایل ایل ڈی کے سی ایس آئی جو ہند کے اہل اسلام میں سے ایک فرقہ کے گویا ریفارمر مشہور ہیں۔ خاتونان پنجاب کے اڈریس کے جواب میں جو ۱۸۸۴ء میں انہوں نے بمقام گرداسپور پنجاب دیا اور جو اُن کے "سفرنامہ پنجاب" میں درج ہے۔ جس کو صوبہ اودھ کے رئیس اعظم آصفیہ گنگدم حیدرآباد دکن کی ہائی کورٹ کے ممتاز جج جناب مولوی سید محمد اقبال علی خان بہادر نے مرتب کیا ہے فرماتے ہیں کہ عورتوں کو ہائی ایجوکیشن کی ضرورت نہیں۔ اس پر ماما بائی ایک قابل عورت نے

جو اِن دنوں بدھواہ ہیں اور خوب تعلیم یافتہ ہیں لکچر دیا ہے
اُس میں بڑی خوبی کے ساتھ ثابت کر دیا ہے کہ
عورتوں کو ایجوکیشن خصوصاً ہائی ایجوکیشن کی سخت ضرورت ہے۔
اِس لکچر کو مُنشی نتھو رام نند صاحب اخبارِ کوہِ نُور
لاہور پنجاب کے فخر اور آبرو و اڈیٹر نے اپنے اخبار میں شائع
کیا ہے۔ غرض کہ جانکی جی کی پت اور پوتر تائی میں اُن کے
بُدھ وان اور بدیا وان ہونے کی وجہ سے فرق نہیں آیا۔ یہہ
واقعہ قریباً ویسا ہی ہے جو اَب سے تین ہزار آٹھ سو دس
سال پیشتر مُلکِ فلسطین یا یُوں کہیں کہ یہودیہ میں ایک بڑے
نامی گرامی مشہور معرُوف خاندان میں گُزر چُکا ہے حضرت ابراھیم
نہ صرف آپ ہی اپنی ذات میں نبی یا اوتار تھے بلکہ وُہ مُلکِ مذکور
کے نبیوں کے جدِ امجد بھی تھے۔ ایک الہامی صحیفہ اُن کو یہہ
لقب دیتا ہے جو بجا بھی ہے کہ "اِیمان داروُں کا باپ"
اُن کی محترمہ عفیفہ بی بی سارہ بھی وہ صاحبِ برکت ہوئیں کہ

جن کے مبارک پیٹ سے ملکِ مسطور کے انبیا پیدا ہوے
یہہ حسین بھی تھیں اور لئیقہ بھی تھیں گو حضرتِ ابراہیم کی دوسری
بی بی ہاجرہ بھی تھیں جو بی بی سائرہ ہی کی راے سے حضرت
ابراہیم کی زوج بنی تھیں۔ بی بی سائرہ کو بھی اُن کے حُسنِ خداداد
کی بدولت یہہ مصیبت پیش آئی کہ ابی ملک نامے مُلکِ جرار
کے پادشاہ نے اپنے آدمی بھیجکر اُن کو اپنے ہاں منگوالیا۔ حضرت
ابراہیم کی نظر میں چونکہ واں خدا کا خوف نہ تھا اِس لیے اُن کو
خاوند کی جگہہ بی بی سائرہ کا بھائی کہنا پڑا تاکہ خاوند سمجھکر کہیں مروا
نہ ڈالے جائیں دیکھو حضرتِ موسیٰ کی توریت میں سے
پہلا صحیفہ جنیسس نام اور اُس کا بیسواں پربہ شیعہ
صاحبوں نے بھی اپنے مسئلہ تقیّہ کا ایک استدلال اِس
واقعہ سے بھی کیا ہے دیکھو اُن کا رِسالۂ تقیہ نام مگر
مسیحی فضلا حضرتِ ابراہیم کی اِس حرکت سے اُن کی عام انسانی
کمزوری کے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر ہم

یاں اپنے کو اس مخمصہ میں جو یاں غیر متعلق سا بھی ہے نہیں ڈالنا
چاہتے - اس لیئے اصلی متنازعہ امر کا فیصلہ کرکے اس مرحلہ
کے **نتیجہ** کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو ہمارا خاص الخاص
مطلب ہے - جیسا کہ ایک مہا چنڈال لنکا کے راجہ راون
کے ہاتھ سے دین دیال دینا ناتھ نارائن نے جانکی جی کی
پت اور پوترتائی بچائی - ویسے ہی بیکسوں کس مپرسوں کی
پناہ خدا نے بی بی سائرہ کی پاکدامنی اور عفت کو تردامنی سے
بچایا اور رسوا نہ ہونے دیا - ایسے پرمیشور کی سدا ہی جے اور
استتت ہو اور ایسے خدا کی ہمیشہ حمد اور ستائش ہو جو بے پروں
کے پر اور † نہ مانیاں دا مان اور یہہ کہ بے بھروسوں کا بھروسہ
ہے تیرے نام کے بلہاری او تصدق ہے نارائن اور اے
خدا تو جو ایکو برمہہ دوتیو ناستی اور وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے آمین

دفعہ ۲۲ اب ہم راجہ رام چندر جی کے بھاگ یا اقبال

† پنجابی چٹخارا -

کے لچھمن اور علامتیں بیان کرتے ہیں۔ جو علم لاالف کی غایت
ہے اور یہہ کہ اس نادر شریف اور حکیمانہ علم کا موضوع کیا ہے
پہلا یہہ کہ انہوں نے اپنے پتا کے حکم کی بلا عذر و ناراضی
تعمیل کی اور تعمیل بھی پوری۔ اُن کی صُلب سے اور
سیتا جی کے پیٹ سے زمانۂ حال تک سے راجہ مہاراجے
پیدا ہوتے رہے اور پیدا ہوتے ہیں۔ اُن کے
بیٹے لو نام کا لاہور پنجاب آباد کیا ہوا ہے اور کُش
نام دُوسرے بیٹے کا کشمیر۔ بعض جو کہتے ہیں کہ کشمیر
کا سو دیو کا بسایا ہوا ہے اور کشمیری اُسی کی اولاد ہیں
ایک بے وقعت ناول افسانہ اور سٹوری ہے۔ اِس کے
علاوہ اِس تنزل کے زمانہ میں بھی جس کو ایک معنی کر
اِدبار بھی مان لیں تو چنداں بیجا نہیں۔ چتّور کے
امپیریل فیملی سر آنکا انہیں کی نیشن سے تھے اور اب
بھی ہیں جن کی راج دھانی کا نام اِن دنوں اودے پور ہے

دیکھو عہد نامجات اِنڈیا بائی دِی سر چارلس
ایچیسن - اور تاریخ راجستان بائی کرنل ٹاڈ اور یہہ کہ
راجپوتانہ کی معزز محتشم اور انڈپنڈنٹ ریاتیں جے پور
جودھ پور وغیرہ وغیرہ جن کی شان و شوکت کا
نہایت ہی مجمل اور مختصر ماجرا اسی تحریر کے پیراگراف
نمبر میں کیا گیا ہے انہیں کی اولاد سے ہیں - اور خاص
سلطنت نیپال بھی انہیں کے خاندان سے علاقہ
رکھتی ہے - ہم اِس موقع پر اسکندرِ اعظم کو بھی
پیش کرتے ہیں جِس نے (بشرطیکہ ایک شاعر نظامی
گنجوی نام کے سکندر نامہ پر اعتماد کیا جاوے) اپنے
باپ فیلقوس بیچارہ کو مرغ کہا - اور پھر ہم اپنے باپ دادوں
کے خداوند نعمتوں کی اولاد میں سے حضرتِ اورنگ زیب
عالمگیر کو بھی پیش کرتے ہیں جنہوں نے اپنے باپ
شاہجہاں کو آگرہ کے قلعہ میں قید کیا - اور قید کی حالت

ہی میں جاں بحق تسلیم ہوا دیکھو ڈاکٹر برنیر کی
کتاب سیاحتِ ہند جس کو مشیر الدولہ ممتاز الملک
جنابِ خلیفہ سیّد محمد حسین خاں بہادر فارن منسٹر
راج پٹیالہ نے انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کیا اور
جس پر وزیر الدولہ مدبّر الملک جناب خلیفہ سیّد
محمد حسن خاں بہادر سی آئی ای وزیرِ اعظم اور دستورِ
معظم راج موصوف الوصف نے کامل تحقیق اور تدقیق
کے ساتھ **نوٹ** لگا کر اُس کی اکثر غلطیوں کی صحت
کی - غرض کہ اُن کی اولاد میں سے ایک بھی صاحبِ
مُلک اور صاحبِ ریاست نہیں - اور یُوں اگر اُن کی دار السلطنۃ
دہلی میں سے ایک اینٹ اُٹھاؤ تو نیچے سے نوّاب
نکلتا ہے جس کو نوّابِ بے مُلک کہنا حق بجانب ہے
اور اُس کی بعض اولاد کا یہ **عبرت** بخش حال ہے
کہ شاہزادے کہلاتے ہیں اور چرس خانوں میں بیٹھے

رہتے ہیں۔ جب اپنے پاس چرس کا سُلفانہ ہو تو اپنے
دُوسرے ہم مشرب سے اِس اقرار کے ساتھ قرض
مانگتے ہیں۔ کہ اگر آج شام تک نہ دُوں تو مجھے تاج اور تخت
نصیب نہ ہو۔ اور پھر بعض کا یہہ حال بھی ہے کہ بھیک مانگتے
ہیں اور نہیں ملتی۔ اَب ناظرین **غور** کر سکتے ہیں کہ
راجہ رام چندر جی میں یہی سب سے پہلے اِقبال کا
لچھن تھا۔ کہ صدہا دُکھ کلیش اور مُصیبتوں کی برداشت کی۔
مگر پِتا کی آگیا سے مُونہہ نہ موڑا۔ پھر اس اقبال مند سے
ایسے چشمے نِکلے کہ ابتک برابر جاری اور ساری رہے
اور جاری اور ساری ہیں۔ مگر ہمارے حضرتِ عالمگیر اورنگ زیب
نے پِتا کو جو بڑا پراتمی تھا قید کر دیا۔ اور اُس سے **اِدبار**
کی نہریں جاری ہوئیں اور جاری ہیں غرضکہ! عبرت عبرت!!!

دُوم یہہ کہ بھرت جی خصُوصاً سری لچھمن جی جیسے اُن کو
بھائی ملے۔ جیسا کہ عرض کیا گیا ایک نے تو اُن کے

بن و باس کے دِنوں میں راج دھانی اجودھیا میں اُنکی
طرف سے راج کے کاج کیئے۔ اور دُوسرے نے
اُن کے ہمرکاب رہنے میں اُن کی سہائتا کی اور یہہ کہ
ہر دُکھ اور کلیش اور مُصیبت اور رنج میں حصّہ لیا۔ ایک بار
مُصیبت اور اپنی پت بھاگی جی کے **فراق** میں
راجہ رام چندر نے لچھمن جی کو اُن کا زیور دِکھایا جو اِدھر
اُدھر سے ملا تھا۔ اور پھر دکھا کر پُوچھا کہ تُم پہچانتے ہو؟
لچھمن جی نے پانو کا زیور پہچان کر کہا کہ یہہ میری مُعزّزہ
محتشمہ اور عفیفہ بھاوج کا ہی ہے۔ اور جو سیتا جی کے
گلے کا ھار تھا اُس کو دیکھ کر کہا کہ اِس کو مَیں نہیں پہچان سکتا۔
راجہ رام چندر نے ذرا کرودھ میں آکر کہا کہ کیُوں نہیں
پہچان سکتا۔ لچھمن جی نے جواب دیا کہ مہاراج جی میری
نظر ہمیشہ اپنی بھاوج کے چرنوں پر رہا کرتی تھی اُن کے
چہرہ پر کبھی نظر گئی ہی نہیں پھر اُن کے گلے کا زیور پہچانوں

تو کیسے۔ چوں کہ سری رام چندر جی معقول پسند تھے
اِس لیئے جب معقول جواب پایا تو تسلیم کر لیا۔ اَب دیکھنا
چاہیئے کہ وُہ باپ کی مانند اُن پر ناراض ہوے اور
اُنھوں نے بیٹے کی مانند سہ لیا۔ ایک ہوشمند وقتا
کہتا ہے کہ محبّت صابر ہے۔ خُودغرض نہیں
بدگمان نہیں۔ سب باتوں کو پی جاتی ہے۔
سب کچھ باور کرتی ہے۔ سب چیز کی اُمّید
رکھتی ہے۔ سب کی برداشت کرتی ہے۔ وہ
کبھی جاتی نہیں رہتی۔ ایمان۔ اُمّید۔ محبّت تینوں
موجود ھیں۔ پر اُن میں محبت بڑھکر ہے۔ الخ
نفاق جو فی حدِ ذاتہ ایک کمینہ خصلت اور مُضر چیز ہے
اگر خدانخواستہ باہم بھائی بھائی میں ہو تو اُس فیملی کی
بربادی اور اِدبار کو ہیرے کی نوک سے عقیق پر کندہ
کر لینا چاہیئے جو ایک کم بخت ماٹو ہے۔ اور اتفاق

جو فی نفسہ ایک فضیلت ہے اور جو ہر حالت میں فیض رساں
چیز ہے۔ خدا کرے کہ آپس میں بھائی بھائی میں ہو تو
یہہ اُس خاندان کی ترقّی اور آسودگی کے لیئے **بھاگ کا**
ماتّو ہے۔ اِس کو بھی ہیرے کی نوک اور الماس کی قلم
سے سنگ زبرجد پر کھود لینا چاہیئے۔ دیکھا اِس دسرت
رائل فیملی کا حال کہ بھرت جی کی فرماں پذیری کا وُہ ماجرا
اور لچھمن جی کی اطاعت کا یہہ حال۔ پھر راجہ رام چندر
اقبالمند نہ ہوں تو کیسے نہ ہوں۔ ہمارے مؤرّخ
مزاج ناظرین ہمارے فلاسفر مزاج ناظرین میں سے
جن کے دلوں میں انصاف نے گھر کیا ہوگا جن
کے دلوں میں ایمانداری سکونت گزیں ہوگی۔ اُنھوں
نے خود بھی علمِ تاریخ خصوصاً **علمِ لائف** کی
عینک رکھکر دیکھ لیا ہوگا۔ کہ اتّفاق کے مسئلہ کا
مصداق راجہ دسرت کے سپوتوں کا خاندان نکلا۔

اور یہہ کہ نفاق کے زحل کی گھنگھور گھٹاؤں نے شاہجہاں
بادشاہ کے بیٹوں کا گھرانا تاریک اور خاک سیاہ کر دیا۔
پنجاب میں ایک نئی جنگ جو قوم سکھ نے خروج
کرکے اور دکن میں ایک عجیب وغریب قوم مرہٹہ
نے سپاہیانہ روپ دھار کر تیمور بابر ہمایوں جیسے
فتّاحوں کی اولاد کے پلستر بگاڑ دیئے۔ حتیّٰ کہ پاپلیرٹی
مجسّم اکبر کے روحانی سحر کار کی جادو طرازیوں کا بھی
اُس کے پڑوتے نے نام ونشان تک بھی نہ رہنے دیا۔

سوم یہہ کہ تین ہزار برس کے قریب ہونے میں آتے
ہیں کہ پیلسطائن دیس میں ایک راجہ ہو گزرا ہے جس کا
نام سلیمان تھا۔ وہ اپنے وقت کا پرافٹ یا پیغامبر
بھی تھا۔ اس کی نسبت مورخوں کی یہہ اوپنین ہے کہ اُس سے
پہلے کوئی بادشاہ ویسا نہیں ہوا۔ اور یہہ کہ وہ اپنے زمانہ
کے سب ہمعصر بادشاہوں سے بڑا تھا۔ خاص کر اُس کی

حکمت اور چترائی اُس کی ترک اور شان سے زیادہ تھی۔ اُس کی **امثال** یہاں تک تعلیم اور حکمت سے مملو ہیں کہ آج تک جاہلوں اور عالموں کی تربیت کے لیئے مُفید ہیں اور مختلف زبانوں میں اُس کے صدہا ترجمے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ "جس نے زوج حاصل کی اُس نے ایک تحفہ پایا"۔ اور پھر لکھتے ہیں کہ "تو اپنی جوانی کی بی بی کے ساتھ خوش وقت رہ" اور پھر کہتے ہیں کہ "نیک عورت اپنے شوہر کے واسطے کلمٹ یعنی تاج ہے"۔ اور پھر وہ یوں بھی ارشاد فرماتے ہیں جو بالکل سچ اور حق ہے کہ "دانشمند اور چتر زوجہ پرمیشور کی کرپا سے ملتی ہے"۔ اور پھر یوں بھی فرماتے ہیں کہ "جس کو نیکوکار بی بی ملتی ہے اُس کے لیئے وہ ایسی ہے کہ اُس کی قیمت لعلوں سے بھی زیادہ ہے"۔ اور وہ یہہ بھی ارقام فرماتے ہیں کہ

جس شوہر کے دِل کو اپنی پتنی پر اعتماد اور بھروسہ ہے سو ایسے شوہر کو دولت کی کمی نہ ہوگی۔ دِل کی حالت کا مسئلہ منقولات اور اعتقادات کی بِنا پر ہی نہیں مانا جاتا بلکہ عقل اور فلاسفی کی میزان سے بھی پُورا اُترا ہوا ہے ہر چند کہ ایک بڑا واجب التکریم والتعظیم بزرگ دِل کی شہادت پر ایسا بھروسہ رکھتا تھا کہ بڑے زور سے کہتا ہے کہ اگر ہمارا دِل ہمیں الزام نہ دے تو ہم خُدا کے حضور بِنڈر رہتے ہیں۔ پھر بھی جب اِس قول کو عقل اور فلاسفی کی کسوٹی پر پرکھا گیا تو کامل عیار نِکلا۔ ذرا شک نہیں کہ دِل کی گواہی بڑی چیز ہے۔ مگر ہماری دانست میں اُس شہادت کی تصدیق چترائی اکاس بانی ہسٹری اکسپیرینس شانتی سے ہونی چاہیئے جو اُس شہادت کے ستون اور رُکن ہیں۔ اِس کا زیادہ بیان ہم یہاں نہیں کرنا چاہتے ایک اَور موقع پر ہم نے

کیا ہے اور آیندہ بھی انسب مواقع میں کیا کرینگے۔
الغرض راجہ رام چندر جی میں یہہ بھی اقبال کا لچھن تھا کہ
جانکی جی جیسی نیک رانی جس کو تاج اور مکٹ کہا گیا ہے
اُن کے جوانی کے دنوں میں اُن کو ملی۔ وہ چتر بھی
تھیں اور نیکوکار بھی تھیں۔ ہم اُن کی نیکوکاری کو ہر پہلو
اور ہر طرح کے نشیب و فراز کی کٹھن گھاٹی کو طے کر کے
درجہ اثبات پر بھی پہنچا آئے ہیں جسمیں ذرا بھی شک اور
شبہ کا مقام نہیں رہا۔ اور یہہ کہ راجہ رام چندر جی جیسے
بُدھ وان بدیاوان اور گیان وان منش کے دل کو اُن پر
پوری پوری پرتیت تھی۔ پھر اُن کو دھن دولت اور دودھ
پوت کی کیا کمی تھی اور کیونکر کمی ہوتی۔ جانکی جی جیسی لچھمی تو
اُن کی داس تھی۔ سالومن راجہ نے باوجودیکہ جو کچھ کہا
ہے اُس کو کروڑوں آدمیوں نے جن میں بڑے
بڑے رشی اور گیانی اور فلاسفر اور راجہ اور مہاراجہ

وغیرہ لوگ تھے اکاس بانی کی مُسلّم الثبوت معراج
اور اوج پر پُہنچا کر تسلیم اور گرہن کیا ہے - اِس پر بھی ہم
کہتے ہیں کہ اپنے مُلک اور اپنے زمانہ کے فرد
وحید الدّہر اور یکتا نے اپنی ساری عُمر کے **تجربوں**
سے بھی کہا ہے - کیوں کہ اُن کی لائف اور ہسٹری
کے پڑھنے سے بہ خوبی ثابت ہے کہ اُن کو تجربہ کرنے
کے خوب خوب موقعے ملے - حتّیٰ کہ تجربوں کے لیئے
ایسے موقعے اُن کے پِتا کو بھی نہیں ملے جو وُہ بھی
ایک پرمہنس بھی اور بہت بڑے راجہ بھی تھے اور یہہ
پرافٹ اور ریفارمر بھی تھے - اِس لیئے سالومن کا
قول سُنہری اچھّروں میں لکھنے کی وقعت اور عزّت رکھتا ہے -

دفعہ ۲۳ - لو بھائی ڈیر ناظرین ہم نے راجہ رام چندر جی
کے ۲ **اقبال** کے لچھّن جو گویا یکے از صد نہیں بلکہ یکے از ہزار
ہیں بیان کر دیئے ہیں - اَب ہم اُن کی انسانی کمزوری بھی بیان کرتے

ہیں جس کو دوسرے لفظوں میں خطا اور غلطی بھی کہتے ہیں۔ اور وہ
یہہ کہ مصیبتوں کے بعد تخت نشینی کے دنوں میں جیسا کہ بیشمار
مورکھ آدمیوں کا دستور ہے اُن میں ذرا اہنکار یعنی غرور نے بھی
اثر کر دیا تھا۔ اور پھر جلد اُس کی اصلاح بھی ایک مہاپرش گویا پرمیشور
کے دوت کے بدولت ہوگئی تھی اور یہہ کہ بہت جلد۔ یہاں تک
کہ راجہ رام چندر جی کو راجہ اور چترمنکھ ہو کر بھی اُس سے پچھتانا پڑا تھا
دفعہ ۲۴۔ آرین صاحبوں کو پہلے جان لینا چاہئیے کہ
یہہ ایک فلسفی پرنسپل ہے کہ ہر تصویر یا فوٹو کے دو رخ ہوا کرتے
ہیں۔ ایک روشن اور دوسرا تاریک۔ سچے مصور یا فوٹوگرافر
کا یہہ کام ہوا کرتا ہے کہ وہ شائقین یا ناظرین تصویر کے روبرو
دونوں رخوں کو پیش کر دیتا ہے۔ اور جھوٹے مصور کا یہہ کام ہے
کہ وہ ایک ہی روشن رخ کو دکھاتا ہے اور دوسرے تاریک
کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے جو کبھی چھپ نہیں سکتا۔ مورخ
بھی گویا فوٹوگرافر ہے جو ہر ایک واقعہ کی تصویر سامنے کھڑی کر دیتا ہے

پس اگر وہ جھوٹا ہے تو روشن رُخ ہی کو پیش کریگا اور تاریک کو
چھپانے کی کوشش کریگا۔ اور اگر وہ نُور کا فرزند اور سچّا ہے
تو دونوں رُخوں روشن اور نیز تاریک کو سامنے رکھدیگا۔ کیونکہ
وُہ جانتا ہے کہ ھر ایك کام جو تاریکی مین کیا جاتا ھے رُوشنی
مین ظاھر کیا جائیگا۔

دفعہ ۲۵۔ راجہ رام چندر جی اپنے تخت نشینی اور تاج
پوشی کے ایّام میں راتوں کو رعایا کی خبر گیری کی خاطر اور اپنے عاملو
اور کروڑیوں کی کرداروں اور کرتوتوں کے تفحّص میں آپ بنفس نفیس
بہ تبدیل لباس پھرا کرتے تھے۔ عُمّال کی کارروائیوں کی تفتیش میں
یہہ طریقہ سب سے بہتر ہے کہ مُخبروں کے ذریعہ اور اُور درمیانیوں
پرچہ نویسوں وغیرہ کے وسیلہ کے بغیر خود اصل بات کو پہنچنا۔
راجہ صاحب ممدُوح الاوصاف ایک بار دیکھتے کیا ہیں کہ ایک
دُھوبی اپنی دھوبن کو مار رہا ہے جو اُس کی استری تھی۔ وُہ
بیچاری دھوبن اپنی ساس یا یوں سہی کہ اپنے شوہر دُھوبی کی

مہتاری سے پروانگی اور اجازت لیکر اپنے والدین کے گھر گئی تھی - اور کہتا کیا ہے کہ اے بیسوہ تو نے مجھے راجہ رام چندر سمجھ لیا کہ جس نے نکلی ہوئی اپنی رانی سیتا جی کو پھر گھر میں آنے دیا میں رام چندر نہیں ہوں کہ تجکو پھر اپنے گھر میں آنے دوں جا نکل - راجہ رام چندر یہہ بات سنتے ہی دنگ ہو گئے اور ششدر ہونے کی حالت میں لوٹ آئے - اور یہہ سارا ماجرا اپنے گرو باسسٹ منی جی سے جو بڑے ودیا ساگر اور بڑے چھتر ہو کر مہا گیانی اور پرمہنس تھے بیان کیا - چوں کہ وہ اگرچہ پرلے درجہ کے ادھین اور خاکسار تھے لیکن ست کے پرگھٹ کرنے سے کبھی رکنے والے نہ تھے

دفعہ ۲۶ - جس ست کے کارن سے بھلائی نکلے اس کو چھپانا ہرگز ہرگز مہاپرشوں کا کام نہیں - کیوں کہ پرمیشور کا ایک گن اس کے ہزاروں گنوں میں سے یہہ بھی ہے کہ وہ **ست** ہے است نہیں - ایسے ست کو چھپانا بھی پاپ ہے اور چھپانے والے کو پاپی جن کہا جاتا ہے - اس لیئے باسسٹ منی جی نے راجہ

رام چندر سے کہا کہ ہے راجہ جی اِن دنوں آبھمان نے آپ کو اندھا
ساکردیا تھا - یہہ آپ کو پتا نارائن کی اُور سے **تنبیہ** ہے کہ
ایک دُھوبی آپ کی نسبت ایسا اور ویسا کہے - اور **یاد** رکھنا
چاہیئے کہ پِتا جِس پُتّر سے **مُوہ** رکھتا ھے اُسی کو کلیش
دیتا ھے - یہہ اِس لیئے کہ وہ خبردار ہو جائے اور آیندہ کو سنور
جائے - آخر سری رام چندر جی کا دِل جو پاکیزہ اور پوتّر تھا - اِس وجہ
سے اُنہوں نے اِس امر کو مان لیا اور آیندہ کے لیئے پچھتّاب کیا -
یہہ بھی اقبالمندوں اور ھون ھاروں ہی کے کام ہوا کرتے ہیں کہ
اپنے ٹیسٹ کے مُطابق ہر ایک حق بات کو قبُول کر لیتے ہیں -
اور جو **چکنے گھڑے** کی مانند ہوتے ہیں وُہ کیا کسی کی سُنتے
ہیں وہ اپنے باپ کی بھی نہیں سُنا کرتے جن کے پیتاب سے
ہوتے ہیں - بُزرگوں کی باتوں پر کان دھرنا اور اُن کی سرزنش
پر اُن کے چرنوں کو چُوم لینا **بھاگوان** ہی کا کام ہے جو
اُس کے اِقبال کی علامت ہے - اِدبار زدہ کی یہہ علامت ہے

کہ وُہ سرزنش پر اپنے ناصحِ دلسوز اور مشفق کی پگڑی اُتار لیتا ہے
کہاں بھرت کھنڈ کا راجہ راجگان سری رام چندر دسرت کا سپوت
اور جنک کا داماد اور کہاں نان شبینہ کا محتاج بابا ستِ مُن
مگر تعجّب کیا ہے صداقت یعنی ٹرُوتھ نے اُس دِل میں جو
صداقتوں کا جوہری تھا گھر کرنا ہی تھا۔ بات کے قبول کرنیکے
لیئے لاریب سامع کا مذاق بہت کچھ تامّل چاہتا ہے۔ لیکن وُہ
بات بھی کوئی **بات** تو ہو گوش زد ہی نہ ہو۔ بابا ستِ مُن جی
نے بات ہی ایسی کہی کہ اُس کی قیمت ہیروں سے بھی زیادہ
تھی۔ سامع یعنی راجہ رام چندر گویا نیچرلی پوتّر دل رکھنے والے تھے

اُتّم سے اُتّم ملے اور ملے نیچ سے نیچ
پانی سے پانی ملے اور ملے کیچ سے کیچ

پھر نیک کا میل نیک سے نہ ہو تو کیسے نہ ہو
المختصر راجہ رام چندر کے تسلیم کر لینے کے بعد
اُس دُوت مُن نے اُس دُھوبی اور دھوبن
کے درمیان بھی صفائی کروا کر صُلح کاروں کا
مُبارک لقب اُور بھی حاصل کیا۔

دفعہ ۲۷- لو ہمارے ناظرین ہم نے اپنے زیر بحث واقعہ کی **تصویر** پیش کر دی ہے۔ اور یہہ کہ اُس کے دونوں رُخ دکھا دیئے ہیں۔ جعلسازوں اور چالاکوں کی مانند روشن رُخ ہی نہیں دکھایا بلکہ تاریک بھی دکھا دیا۔ اور اِس پچھلے رُخ کے چھپانے کی بھی کوشش نہیں کی۔ کیوں کہ ہم جانتے ہیں کہ وُہ ہرگز چھپ نہیں سکتا۔ اور اُس تاریک رُخ کی جو اصلاح ہوئی اور جس موزوں اور انسب ڈھنگ سے ہوئی اُس کو بھی بتا دیا ہے۔ چوں کہ اب تک ہم نے **علم لائف** کے ذریعہ سے جو **اِدبار** سے محترز رہنے اور **اِقبال** کے حاصل کرنے کے فائدے پہنچتے ہیں وہی بیان کیے ہیں۔ اب ہم اُس سے جو **پاپلیرٹی** کے حصول میں جو فائدے پہنچتے ہیں بیان کرتے ہیں۔

دفعہ ۲۸- آج تین سَو برس کے قریب زمانہ گزر رہا ہے کہ چغتہ فیملی کے آفتاب درخشاں اور مُغل خاندان کے فخر

محمد جلال الدین اکبر شاہنشاہ ہند نے قلعہ چتور پر
جو ایک دشوار گزار تھا اور یہہ کہ ہند کی آرین شاہنشاہ قوم
کا مرکز آبرو اور افتخار تھا آپ چڑھائی کی۔ جب قلعہ مذکور پر حملہ کا
حکم دیا تو اُس وقت والا ہمم اکبر خود بھی زرہ بکتر پہنے ہوئے سپاہیانہ
لباس میں کھڑا تھا۔ اور دیکھ رہا تھا کہ کون کون مرد میدان برج پر چڑھنے
کی کوشش کرتا ہے۔ الفنسٹن صاحب ہسٹری آف انڈیا کے
مصنف کہتے ہیں کہ اکبر نے اپنے مددگاروں میں سے ایک گبرو کو
دیکھا کہ زرہ بکتر پہنے ہوئے بڑی تندی اور تیزی سے برج پر چڑھنے
کی کوشش کرتا ہے۔ مگر اُس کا جنگی لباس جو وزنی تھا اور اوزار
آلات حرب اُس کی تیزی اور تندی کے مزاحم ہوتے ہیں۔ یہہ دیکھکر
اکبر نے اُس کو اپنے نزدیک بلایا اور اُس کی زرہ بکتر جو بہت بھاری
تھی خود پہن لی اور اپنی زرہ بکتر جو بہت نادر اور اعلیٰ درجہ کی بنی ہوئی
تھی اپنے ہاتھوں سے اُس کو پہنا کر کہا کہ اچھا اب حملہ کرو اور برابر
برج پر چڑھ جاؤ۔ اور پھر خود بھی برابر اُس قلعہ کے برج پر چڑھ گیا اور اُس کو

فتح کرلیا۔

دفعہ ۲۹۔ فتح یابی اور ظفرمندی کے بعد اکبر
نے اُس بہادر اور جری گبرو کو بُلایا۔ تو معلوم ہوا کہ اُس کا نام کنور
مان سِنگھ ہے۔ اور وہ جودھپور سٹیٹ راجپوتانہ
کا وارث ہے۔ اکبر کو بہت تعجّب ہوا کہ راجپوت فیملی کا
کنور اپنے اصلی شاہنشاہ (چتّور والے کی) رفاقت
چھوڑ کر میری مدد کے لیئے آیا۔ اور پھر یہہ کہ نہ صرف لکھنو اور
دہلی والے لٹروں کی مانند زبانی جمع خرچ سے گھر پورا کردیا۔ بلکہ
جاں نثاری اور جاں فشانی میں کوئی عقدہ اُٹھا نہیں رکھا اور اگر بچ گیا
تو اپنے نصیب سے۔ سچّے مؤرخوں کی یہہ راے اُس کی نسبت
صحیح ہے۔ کہ کنور مان سنگھ نے سمجھا کہ ہر ایک بادشاہت
خُدا کی طرف سے ہے۔ اِس لیئے اُس کا سامنا کرنا یا اُسکی
مخالفت میں کمر باندھنا مناسب نہیں۔ اِسی بنا پر اُس نے اکبر کو
عین وقت پر مدد دی۔ اکبر نے وہیں اُس کو مہاراجگی کا لقب

اور خلعت دیا اور اُس کی ریاست کو اپنا دوست اور دست و بازو
سمجھ کر فری اور فُل انڈپنڈنٹ کر دیا- ذرا بھی شُبہ نہیں کہ جب کہ
اُن دنوں مُسلمانوں کی تعداد بہت ہی کم تھی اور آرین کی کروڑوں
تک نوبت پُہنچی ہوئی تھی- تو ایسے وقت میں ایک مُسلمان
پادشاہ کی مدد کرنا اور پھر یہہ کہ وُہ مدد ایک راج کے والی کی طرف
سے ہو اعلیٰ درجہ کی **وفاداری** کا کام ہے- غرض کہ
اِس عزّت افزائی کے ساتھ مہاراجہ مان سنگھ کو اُس کی بھاگوان
اور اقبالمند ریاست کی طرف رُخصت کیا-

دفعہ ۳۰- اوُروں کو گو کیسے ہی فلک رفعت اور
عالی مرتبت امیر ہوں پادشاہوں کا اُتارن پہننا فخر کی دستآویز
حاصل کرلینا ہے- مگر پادشاہ کسی کا اُتارن پہننا اپنا ننگ اور
اپنی آبروریزی سمجھتے اور جانتے ہیں- لیکن اکبر نے اپنی جادو اثر
اور سحر مجسّم **ہردلعزیزی** سے جس کو مدبّران یورپ
خصوصاً فرنگی پاپلیرٹی کہتے ہیں مان سنگھ کا اُتارن بے تامّل

پہن لیا۔ راجپوت جو ایسی باتوں پر والہ و شیدا رہتے تھے اکبر
کے اس عمل پر تصدق ہی تو ہو گئے۔ اور سو جان سے اُسکو اپنا
شہنشاہ کہنے لگے۔ مہاراجہ مان سنگھ کی یادگار نے جواب
بھی جودھپور میں اقبالمندی کے ساتھ جیسا کہ اسی تحریر کے پیراگراف
۶ میں اُن کا مجمل تذکرہ بھی آچکا ہے سترہ لاکھ تراسی ہزار چھ سو
مخلوق خدا پر حکمرانی کرتے ہیں اور یہہ کہ سترہ لاکھ پچاس ہزار روپیہ
آمدنی کے مالک ہیں وُہ اکبری زرہ بکتر رکھا ہوا ہے جن دنوں مُرادآباد و روہیلکھنڈ
کے چمکدار ستارے جو فی زمانا غروب ہیں یعنی نواب محمد مردان علیخاں
مبرور واں کے دیوان کُل تھے ہم کو بھی وُہ زرہ بکتر دکھایا تھا
اس ایک دانشمندانہ تدبیر سے جو لاریب اکبر کی نیک نیتی
تھی وُہ وُہ نیک نتیجے مترتب ہوئے کہ سوائے مذہب کے
آرین اور اہل اسلام ایک دل اور ایک جان ہو گئے۔ جیسا کہ
ہم اپنے منتھلی جنرل پنجاب ریویو نام کی جلد نمبر
نمبر دوم بابت ماہ فبروری ۱۸۸۷ء میں مشرح اور مفصلاً

درج بھی کر چکے ہیں۔ کہ جودھ پوریوں کے خاندان میں اکبر نے
اپنی شادی کی جس سے جہانگیر پیدا ہوا۔ اور پھر جہانگیر کی شادی
بھی اُسی دُودمان میں کی تو اُس سے شاہجہان پیدا ہوا۔ بڑے
بڑے پالیٹیشن اہل یورپ اور انگریزوں کو اکبر کی اس پالسی کا معترف
ہونا پڑتا ہے۔ اور طرفہ یہہ کہ پالسی میں یہہ قید نہیں کہ نیک نیتی
ہی سے ہو۔ لیکن اکبر کی یہہ پالسی پکی ایمانداری اور پوری نیک نیتی
سے تھی۔ اِس نیک نیتی کے ثبوت میں ہمارے پاس اَور وجہیں
بھی ہیں جو باور کرا دینے والی ہیں۔

دفعہ ۱۳۱ ۔ اَب ہم اِس امر کے ثابت کرنے کی کوشش
کرتے ہیں۔ کہ اکبر کی اس جادُو کی بھری ہوئی پالیٹیکس نے تمام
راجستان کی گویا نیچرلی بہادر مردِ میدان اور جری قومِ راجپُوت میں
کس درجہ تک اثر کیا۔ اِس کے سامنے جادُو اور سحر کا زیادہ تر
ابطال ہوتا ہے اور اگر کسی پالیٹیکس کا نام جادُو اور سحر رکھیں تو بالکُل
بجا اور ٹھیک ہے۔

دفعہ ۳۲ - اکبری عہدِ رافت مہد میں افغانستان پر چڑھائی کی یہہ وقعت اور عزت تھی کہ امیروں میں ایک قسم کا جھگڑا پیدا ہو جایا کرتا تھا۔ ایک کی آرزو ہوا کرتی تھی کہ مجھے یہہ فخر حاصل ہو۔ دوسرا کوشش کیا کرتا تھا کہ مجھے یہہ عزت نصیب ہو۔ آخر اکبر کے فلاسفر اور مدبر پرائم منسٹر ابوالفضل کی رائے کے مطابق **قرعہ اندازی** کی تجویز ہوئی۔ یہہ پرانی رسم ہے جیسا کہ ملک پیلسطائن کا بادشاہ اور نبی سلیمان کہتا ہے کہ قرعہ سب جھگڑوں کو طے کر دیتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس افضل الفضلا وزیرِ اعظم نے اس رسم کو وہاں سے لیا تھا۔

دفعہ ۳۳ - رسمِ مذکور کے مطابق مہم مسطور کے لیئے جب امیروں میں قرعہ ڈالا گیا۔ تو اکبر کے کوکلتاش زین خاں اور اکبر کے مشیر باتدبیر راجہ مہیش داس بیربر کے نام پڑا۔ اگرچہ اِس کوکہ کو خانِ اعظم کا لقب تھا مگر بات یہہ ہے کہ

آقا اور بندہ کی رائیوں میں یکتائی نہ تھی - اور یہہ کہ اُسی آقا اور
اُس کے آرین بندہ کی رائیوں میں کمال درجہ کا اتحاد تھا - صاحب
مآثرالامرا آقا اور اُس کے مُحمّدن بندہ میں عدم موافقتِ رائے
کا الزام ایک مشہور کورنمک عبدالقادر بداونی پر لگاتے ہیں -
مآثرالامرا والے کا حوالہ تو درست ہے کیونکہ اُس نے اپنی
ہزلیات منتخب التواریخ نام میں ایسا ہی بکا ہے - مگر افسوس ہے
کہ صاحب مآثرالامرا بھیڑ چال کی مثل کے مصداق بن گئے
ہم نے اِس مرحلہ کو نہائت ہی محققانہ بلکہ مدققانہ **پنجاب ریویو**
جلد نہم نمبر دوم بابت ماہ فبروری ۱۸۸۷ء میں طے کر کے
صاف کر دیا ہے -

دفعہ ۳۴ - بارے خانِ اعظم زین خاں کوکلتاش اور
راجہ بیربر جب پشاور اور کابل کے درمیان پہنچے - تو واں
کے پٹھانوں کے بلوہ میں راجہ صاحب سُرگ براجمان ہوئے
اور کوکلتاش بچ رہے - ہم اِس واقعہ کا تذکرہ اسی تحریر کے

پیراگراف ۵ میں کر چکے ہیں۔ اکبر نے اپنے وزیرِ اعظم علّامی فہّامی ابو الفضل کی تحریک سے مصلحتاً قرعہ اندازی کی رسم کو اُٹھا کے ملتوی کر کے انتخاب خاص کی بنا پر جس کو پرسنل الیکشن کہنا چاہیے۔ کامل اختیارات ملکی مالی اور جنگی کے ساتھ مہاراجہ مان سنگھ کو معرکہ مذکور میں بھیجا۔ اُس وقت خانِ اعظم پشاور میں خیمہ زن تھا اور یہہ کہ اپنی کانشنس کے مطابق شہنشاہی حکم کا منتظر تھا۔ جب حکم مجسم مہاراجہ صاحب ممدوح پہنچے تو حیرت کے عالم میں آ گیا۔ مہاراجہ صاحب موصوف لاریب بہادر بھی تھے اور بات کو بھی پہنچنے والے تھے اور یہہ کہ بڑے درجہ کے متحمل بھی تھے۔ مگر مصلحتِ ملکی کی مجبوریوں نے اُن سے یہہ کہلوا دیا کہ خانِ اعظم شہنشاہ کے دوسرے حکم کے بغیر یہاں سے جنبش نہ کریں۔ ورنہ کوئی اَور انسب تجویز کی جائیگی۔ بعد اُس کے خود اپنی خاص الخاص راجپوتوں کے لشکر کے ساتھ بے روک ٹوک دار السلطنة

کابل میں پہنچگئے۔ اور ہندوکش کی مشہور حدود تک جس کا
تذکرہ اُس مراسلہ میں ہے جو شہنشاہ نے عبداللہ خان
اُزبک والی توران کو ارقام فرمایا تھا اور جو دفترِ اول مکاتباتِ
علامی میں موجود ہے صاف کردیا۔

دفعہ ۳۵ - اب ہم اِس معاملہ کو ناظرین پر چھوڑتے
ہیں بشرطیکہ وُہ خود بھی کچھ ہوں۔ کہ اکبر شاہنشاہ کی سچی بے ریا
اور نیک نیتی کے ساتھ ہر دلعزیزی نے راجپوتوں
سے وُہ کام لیا۔ کہ اکبر کے بیٹے جہانگیر اور اُس کے پوتے
شاہجہاں اور پڑپوتے عالمگیر تک بھی بنا رہا۔ دیکھو دیکھو!!!
پاپلیریٹی میں کس درجہ کا سچا جادُو ہے۔ اور اُس میں کس درجہ
کی اٹریکشن ہے کہ ہر کسی کو بلا لحاظ مذہب و ملت اپنی طرف کھینچ
لیتی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اکبر کی آنکھیں جادُو سے بھری ہوئی
تھیں کہ جس کی جانب نگاہ کرتا تھا اُس کو موہ لیتا تھا۔ ہم ہرگز ہرگز
جادُو کی کچھ ہستی نہیں سمجھتے۔ لیکن پاپلیریٹی کے اثروں

کا قائل ہونا پڑتا ہے - ہاں البتہ خالص نیک نیتی سے ہو اور
بالکل سچائی سے ہو اور یہہ کہ بے ریا ہو - اکبر کے اقبال
کا دار و مدار اُس کی اِسی سحرکاری پر تھا یا یوں سہی کہ اُس کے
اقبال جہانگیر کا سب سے بڑا لچھن یہی تھا - ذرا شبہہ نہیں کہ قادرِ مطلق
خدا نے اِنسان کو مدنی الطبع پیدا کیا ہے - اِس لیئے
ایک دوسرے کا باہم محتاج ہے - اور یہہ محتاجی یاں تک
ہے کہ گدا، فاقہ کش سے شہنشاہِ روئے زمین تک کوئی
بچا ہوا نہیں - مگر چوں کہ گدا اگر پاپلیرٹی سے نفرت کرتا ہے اور
شہنشاہ اُس کو آنکھوں میں جگہ دیتا ہے - پس حسد کی بنا پر
(بقول جرمی بنتھم فلاسفر) وہ بھکیاری رہا اور یہہ شاہِ کج کلاہ ہو گیا
ہر دل عزیزی کے قبول کرنے والی طبیعت نیچر سے ملتی ہے
ہر بوالہوس اِس کی قابلیت نہیں رکھتا جیسا کہ پروانہ کا سوز
مگس کو نہیں دیا گیا - نیچرلی نالائق اور ناقابل اگر پاپلیرٹی کے
اشد ضروری اور مُسلّمہ پسندیدہ شیوہ کو بوالہوسی

سے کام میں لانا بھی چاہتا ہے تو وہ اُس کو بھی بدنام طشت ازبام
کر دیتا ہے۔ اور کامل العزم جب کہ اس کی ضُرورت معلُوم کرلیتا
ہے تو اُس کو معاً قبُول کرلیتا ہے۔ اور پھر جس وقت اُس کو
کام میں لاتا ہے تو اُس کی اور بھی عزت بڑھا کر اُس کو سِحرِ
حلال کر دیتا ہے۔ غرض کہ بڑے آدمیوں کو ہر دلعزیزی
کی بہت ضُرورت ہے۔

دفعہ ۳۶- مائی ڈیر ناظرین !!! اَب ہم اِس مُقدمہ
یا اِنٹروڈکشن کو ختم کرتے ہیں۔ مگر نہ اِس لیئے کہ
ہمارا سر کمزور ہے۔ کیُوں کہ ہمارا سر کمزور نہیں گو اور اعضا
کمزور ہیں جو تحریر کے کام میں آتے رہے ہیں اور آتے
ہیں۔ اور یہہ کہ آپ صاحبوں میں اَب ہم گویا چراغِ سحری اور
آفتاب لب بام بھی ہیں۔ بلکہ ہماری اصلی تحریر کے واسطے
جو سُرگ دھام جناب راجۂ راجایان مہاراجہ نارائن پرشاد نراندر
بہادر پیشکار دولت آصفیہ حیدرآباد دکن کے مُختصر خاندانی اور تاریخی

وغیرہ حالات سے مراد ہے یہہ انٹروڈکشن کفائت کرتا ہے حالانکہ ہمارے ناظرین نے اگر اور انٹروڈکشن دیکھے ہونگے تو تعجب کیا ہوگا کہ وہ گویا فی نفسہ ایک ایک کتاب ہیں مثلاً انگریزی زبان میں قرآن شریف پر جارج سیل کا مشہور و معروف انٹروڈکشن یا کتاب نظم الممالک پر اُس کے مُصنّف سیّد خیرُالدّین احمد خاں بہادر مدارالمہام ٹونس سٹیٹ کا مُقدّمہ وغیرہ وغیرہ۔ اِس کتاب کو اپنے خرچ سے ریاستِ پٹیالہ پنجاب کی رعایا میں سے سچ مچ نجم یعنی جناب وزیرالدّولہ مُدبّرالمُلک خلیفہ سیّد محمّد حسن خاں بہادر سی آئی ای ریاستِ موصوف کے وزیرِ اعظم اور دستورِ معظّم نے عربی زبان سے (جناب مولوی حافظ محمّد اسمعیل صاحب علیگڈھ کے فاضل سے) اُردو میں بہت ہی نادر بلکہ یُوں کہیں تو بھی حق بجانب ہی کہ عدیم النّظیر ترجمہ کرواکر اور پھر چھپواکر شایع کیا ہے۔ ہر گاہ کہ ہماری

تحریر مذکور بھی مختصر سی ہے اس لیئے ہمارا مقدمہ بھی بہت طمطراق کا نہیں اور نہ ایسا ہونا ہی چاہیئے تھا۔ کیونکہ لاریب اگر کتاب بھی بڑی ہو تو مقدمہ بھی بڑا چاہیئے۔ مقدمہ کے بغیر **علم تاریخ** اور یہ کہ **علم سوانح عمری** جیسے نادر اور مفید علوم کی انڈیا میں مٹی پلید ہو رہی ہے **دفعہ** ۳۷- ہم نے اپنے گھر سے نہیں اور نہ طبیعت سے تحریر مذکور کو جو موتیوں کی لڑی اور دُرِ شاہوار کی سلک مسلسل ہے مرتب کیا ہے۔ بلکہ اس تحریر کو جو گویا دُرج دُرِ غرر ہے علم تاریخ اور خصوصاً علم لائف اور اس کے متعلق علوم سے مدون کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ **واقعات** پر جو رائیں ہیں وہ ہماری ہیچمیرز طبع کے نتیجے ہیں عام اس سے کہ وہ ہمارے ناظرین کو پسند ہوں یا قابل گرفت۔ علم تاریخ اور علم سوانح عمری ایسے علوم ہیں کہ ان کو سمندر سے تشبیہ دینے میں ہم ایشیائی مبالغہ سے

متّہم ہوکر ہنٹر کھانے کے سزاوار نہیں گردانے جاسکتے۔ اس لیئے ہم بڑے زور سے کہتے ہیں کہ اُس سمندر سے آوٗر موتیوں کی لڑی بھی پروئی جاسکتی ہے۔لیکن ہمارے دعویٰ کے اثبات میں کہ علم الالف اہل ہند کے حق میں کسقدر اکسیر کی سی خاصیت رکھتا ہے ہماری **اصل تحریر** صرف ایک نمونہ ہے۔ ہم اس امر کا اظہار بھی پرلے درجہ کے زور سے کرتے ہیں کہ اگر علم تاریخ اور علم الالف ہی نہ ہو تو ہم ان جواہر زواہر کو کہاں سے پیدا کرسکتے ہیں۔ناظرین!!! ناولوں افسانوں اور سٹوریوں کی موہریوں اور یہہ کہ گندہ موہریوں سے ایسے موتیوں کی لڑی کہ جن میں **ٹروتھ** اور صداقتیں ہوں مرتّب ہوسکتی ہے؟ حاشا وکلّا ثمّ حاشا وکلّا۔ ہمارے عالی دماغ ناظرین جو ایشیائی ہوکر ایشیا کے گپیتوں اور اُن کی گپّوں سے جو بے پر اُڑانے میں جادوفن ہوتے ہیں نفرت کرنے والے ہوں گے۔ تو سمجھ جائیں گے کہ اصل تحریر

یا اس انٹروڈکشن کو جو ہم نے جواہر زواہر یا سلک دُرر غُرر سے
تشبیہ دی ہے۔ اس اعتبار سے دی ہے کہ وہ تاریخی کوٹیشنز
ہیں۔ کچھ اس اعتبار سے ہم نے تشبیہ نہیں دی کہ ہماری
رائیں اُن پر ہیں کیوں کہ وُہ خزف ریزہ سی ہیں۔
دفعہ ۳۸۔ اصل **تحریر** میں ہم نے اپنے
ھیرو بیکنٹھ براجمان جناب راجہ راجایان مہاراجہ
نارائن پرشاد نراندر بہادر بالقابہ ومدارجہ کے مورث اعلیٰ
راجہ ٹوڈرمل ریونیو منسٹر اور جنرل شاہنشاہِ ہند
جلال الدین محمد اکبر انار اللہ برھانہٗ کا پیراگراف
الف سے **ی** تک یا یُوں سہی کہ قریباً پندرہ صفحہ معمولی پر
لکھا ہے۔ اور اصل تحریر کے ہیرو کے جدّ امجد جنرل اور
پرائم منسٹر **دولتِ آصفیہ** حیدر آبادِ دکن حرسہ اللہ
من الشرّ والفتن راجۂ راجایان مہاراجہ چندو لال
بہادر کی لائف پیراگراف **یا** سے **کھ** تک یا

یوں سمجھے کہ ۹ د معمولی صفحون پر درج کی ہے - اور پھر اس
تالیف کے سرگ دار ہیرو کے حالات زندگی پیراگراف
کو سے لیکے تک یا یہ بھی کہ سکتے ہین کہ معمولی ۰ صفحات
پر ارقام کئے ہین - ہان اس امر کا اظہار بھی مین وجہا
النسب ہے - کہ جس سلطنت خداداد کے یہ سب موروثی خانہ زاد
و قدیمی نمک خوار اور دست گرفتہ تھے (انکے جائز وارث
اور جانشین اب بھی بڑے بڑے نازک موقعون پر اپنا یہی
رتبہ بیان کرتے ہین) اسکا ذکر خیر بھی نہایت ضروری
اور مستند موّرخون کی طرز تحریر اور داب کے مطابق ثابت
ہوا - اس نظر سے اُس عالی جاہ سلطنت اور کنگڈم آف دی
حیدرآباد دکن کے مبارک تاریخی حالات وغیرہ بھی
جو فیکلٹی اور مسلمہ نتیجون مین سے با نتائج ہونے کی
وقعت رکھتے ہین - اس سوانح عمری مین بھی تحریر مین آئے ہین

تاریخ سلطنت آصفی
حیدرآباد دکن

لیکن یہ مندرجہ حاشیہ
نام کتاب مین سے

اخذ کیے گئے ہین جو اسی ہیچ مدان مُصنّف کی نہایت مُفصّل
اور مبسوط کتاب ہے۔ اور یہ کہ پُرانے دیسی تیل کی روشنی سے
نور لیکر نہین لکھے گئے اور نہ وسط کے زمانہ ہی کے کیروسین
اور گیس کی روشنی مین عکس لیکر تالیف ہوئی ہے۔ بلکہ
الکٹرسٹی (برقی روشنی) کی جلوہ افروزیون سے نور
اقتباس کرکے تصنیف ہوئی ہے۔ اور چونکہ مُملکت دکن
اور نیز حیدرآباد مین اپنے اپنے عہد اور اپنے اپنے
وقت مین مُختلف اور مُتعدد حکمران اپنا اپنا ڈنکا
بجا اور اپنے اپنے علم کا پھریرا ہلا چکے ہین۔ اور
اُن سب کے حیرت بھرے ماجرات مُختلف
تاریخون مین درج ہین۔ تب بھی اس ہیچ میرزا نے
اپنی اس تاریخ مین یہ پابندی کی ہے کہ اس سلطنت
یعنی آصفی یا نظام کے بانی مُبانی اور فونڈر سے پیشتر
کے فرمانرواؤن سے عموماً اور مجملاً اور پھر اس کنگڈم
کے پہلے سرتاج کے نادر اور بہادرانہ حالات سے

خصوصاً اور مفصلاً شروع کرکے اس سلطنت کے
تاجدار اور تخت نشین حال یعنی **آصف جاہ**
سادس خلد اللہ سلطنتہم تک کے واقعات
تحریر کیے ہین۔ اس کتاب سوانح عمری کے مطالعہ
کرنے والے تاریخ مذکور کے مضامین کی فہرست
اس سوانح عمری کے **خاتمہ** یا یون سہی کہ پیراگراف
مج مین پائینگے۔ العرض اس کتاب حیات کے ہیرو
مورث اعلی اور جدّ امجد اور خود اونکے حالات
کے بیان کے دوران مین عجیب وغریب تحقیقات
اور ماجرات درج کیے ہین مگر ہر ایک کے متعلق
مناسبت تامہ رکھنے والے ہیچمدان مؤلف اپنے
ہم وطن ایشیائیون (مگر پرانے زمانہ والون) کی
طرح اس کتاب کی نسبت **یون** اور **دون** اور نیز
یہ اور **وہ** کیا عرض کرے۔ مطالعہ کرنے والون
مین جو صاحب فکر اور غور پسند ہونگے ملاحظہ فرمالینگے

کہ اسمین بڑے بڑے ہسٹاریکل سوشل مارل اور
پولیٹیکل معاملات بڑی اعلیٰ نظر سے درج ہوتے ہین
اور علاوہ اسکے اس تصنیف کے پیراگراف **لد**
سے لیکر **مل** تک یا یون کہا جاوے کہ ۴۲ صفحون
پر **خاتمہ بالخیر** ہے جو اس انٹروڈکشن
کے دقایق کے لحاظ سے مد مقابل **مل** کا رتبہ
رکھتا ہے کیونکہ وہ بھی اپنے مندرجہ حقایق کی
وجہ سے اہل نظر کے دید کی قابلیت اور وقعت
رکھتا ہے۔

دفعہ ۳۹ دفعہ اول سے چہلم تک یون
سہی کہ ۵۰ صفحون پر اس سوانح عمری کا یہ
انٹروڈکشن ہے۔ جو گویا اصل تحریر مین
کی اسپرٹ اور روح کی وقعت رکھتا ہے اگر
اصل تحریر کتاب ایک آتشہ ہے تو یہ مقدمہ
دو آتشہ ہے اور اگر اس سوانح عمری کو ایک قالب

اور ڈھانچہ فرض کیجئے۔ تو یہ انٹروڈکشن اسکی پران اور جان ہے اور یہ کہ مفصل **انڈکس** جو اس تالیف مین شامل ہے گویا ان دونون یعنی انٹروڈکشن اور سوانح عمری کا چہرہ اور مکھڑا ہے۔ بہرحال مؤلف اس مقدمہ کو صرف دوچار الفاظ اور عرض کرکے **خاتمہ** تک پہنچاتا ہے۔ امید ہے کہ مطالعہ کرنے والے اسکو غور سے ملاحظہ فرمائینگے۔ کہ ہیچمیرز کیا عرض کرتا ہی +

دفعہ ۴۰۔ ہمارے دیس کے بانکے اور ترچھے نوجوانون نے اپنے جادو بھری اور سحر کار طبیعتون کے ولولے اور امنگ مین اور یہ کہ جھوٹے عشق کے فیلنگ مین جسکو شہوت پرستی کی رذلیت کہتے ہین۔ کون کہتے ہین۔ ندمار حکمار اور انبیار کہتے ہین۔ ناولون افسانون اور سٹوریون سے ملک کی اخلاقی حالت کو تباہ اور خاک سیاہ کردیا ہے۔ ایک ناول ہے جسکا نام **پیام یار** ہے اگر ہم فرض کرین کہ اس

ناول کے مخترع کی ماہنین خوانده ہون تو ایک
دوسری سے کیا کہے گی۔ کہ اماجان پیام یار نہین آیا۔
اور پھر یہ کہ بیٹی جان تمنے پیام یار دیکھ لیا۔ اسی طرح
ایک انگریز نے بھی جسکو وحید الدہر اور یکتائے عصر
ناولسٹ کہا گیا ہے۔ مسٹریز آف لندن اور اسی سانچہ کے
مسٹریز آف دی کورٹ آف لندن مین جھک مارا ہے۔
بلکہ اگر یون بھی کہین۔ تو کبھی ہمارا دل ہمین الزام نہ دیگا۔
کہ اُس انگریز ناولسٹ نے جسکا نام رینلڈ مشہور ہے۔ اپنا
مُنہ کالا کیا ہے۔ وہ اُسی جرم مین خارج البلد بھی
ہوا اور اُسکی وہ بکواس بھی اُوٹ آف پرنٹ ہو گئے۔
اگر فرانس کے ملک کے شہر پیرس مین آکر پناہ نہ لیتا
تو لاریب جان سے بھی مارا جاتا۔ یہ ہیچمدان کچھ پیام یار
والے ہی کو اس قسم کے ہنٹرون کی سزا کے قابل نہین سمجھتا
بلکہ رینلڈ کو بھی جو پیام یار والا اور یہ دونو ایک ہی تھیلے
کے باٹ ہین اسی سزا کا سزاوار جانتا ہے اور یہ کہ ہرگز ہرگز

النسبت نہین۔ کہ ایک کو ماموں کا بیٹا سمجھ کر چھوڑ دیا جاتے
اور دوسرے کو اخلاقی معرض کے دار و گیر مین لاکر
سزا کا مستوجب گردانا جاے۔ افسوس ہزار
افسوس ہمارے دیس کے نوجوان بچوں پر۔ کہ اگرچہ وہ
دیکھنے مین بانکے ترچھے ہین اور بظاہر اونکی صورتین کسی نادر
اور اہم کام کے لئے انجام دہ معلوم ہوتی ہین۔ اور پھر
طبیعتین بھی جادو فن اور سحر مجسم پائی ہین۔ مگر اُن کا
اخلاقی رنگ ڈھنگ اور اہی ضروری مطلوب مین
اُنکی چال ڈہال ایسی بدتر ثابت ہوئی ہے کہ ہم کو اُن بددعا
کے مانگنے مین ذرا بھی ترس نہین آتا۔ کہ اگر وہ ہمارے
گھرون مین پیدا نہوتے تو بہتر ہوتا۔ ایسے ہی نالایق
افسانے اور سٹوریان اَور بھی ہین۔ جن پلیدون
کا تذکرہ کرکے غمگین مؤلف اپنی اِس تالیف کو روسیاہی کا
داغ اور کلنگ کا دھبہ نہین لگانا چاہتا۔ اب وُہ زمانہ

خیرباد کہہ گیا ہوا ہے۔ کہ کتّون بلّیون گدہون گیدڑون
لومڑیون چھچھوندون کوّون چیلون اُلّوون بُلبُلون طوطیّون
اور میناؤن کی حکایتون سے کچھ کام چلے اور علم
تاریخ اور علم سوانح عمری تقویم پارینہ اور پرانی ہسٹّری
سمجھا جاسے۔ دیکھو ان علوم کے ماہرون نے فلک الافلاک
تک ترقی کرلی۔ اور ایک جہان کو اپنا مسخّر اور زیر نگین
کرلیا۔ الغرض اگر ہمارے ہان علم لائف اور
علم تاریخ مرّوج ہو بھی جاسے تو وہ بھی فلسفی طرز کے
مقدّمون کے بغیر ناولون کے ساتھ ایک ہی رسّہ مین
پھانسی کے قابل سمجھا جائیگا +

ہیچمدان مؤلّف

نجب علی ایچ۔ ایم۔ منسٹر۔ ایم۔ آر۔ سی۔ اڈیٹر پنجاب ریویو امرتسر پنجاب
حیدرآباد دکن

سرگذشت ہم جناب راجہ راجایان

مہاراجہ نارائن پرشاد نراندر بہادر

پیشکار دولت آصفیہ حیدرآباد دکن

کے مختصر

سوانح عمری اور خاندانی وغیرہ حالات

جس بار گراں کو ہم اٹھا رہے ہیں اُس میں لارڈ طامس بینٹن مکالے کی پوری پوری پیروی نہ کرینگے جو کہتا ہے کہ "جھوٹا آدمی ضرورت کے بغیر قسم کھایا کرتا ہے اور زیادہ گو جو اپنے کو مورخ اور تاریخ داں سمجھتا ہے۔ تاریخوں کے حوالے دیا کرتا ہے"۔ کیوں پیروی نہ کرینگے؟ اس لیے کہ اس تحریر کے بعض مقاموں میں ہم مستند تاریخوں کا پتہ دینگے تاکہ اپنے

چیلنج کے لیئے پروف پیدا کریں۔ البتہ تھیوڈور پارکر مہاآتما فلاسفر اور ریفارمر کے پورے نقش قدم پر چلیں گے یعنی۔ رزلٹ کی خاطر فیکٹ نہ بنائیں گے بلکہ بنے ہوئے مقدمات سے جو نتیجے بدیہی الانتاج نکلیں اُنہیں کو پیش کرینگے۔

ب اکثر مؤرخ غلط کہتے ہیں کہ ہمارے بیکنٹھ براجمان **ھیرو** راجہ راجایان مہاراجہ نارائن پرشاد نراندر بہادر مہاراجہ کے مُورث اعلیٰ راجہ ٹوڈرمل لاہور پنجاب کے باشندے تھے۔ البتہ وُہ دیپالپور کے چیف یا پردھان تھے جو اب ضلع منٹگمری پنجاب میں ایک تحصیل ہے۔ ابتک اُن کی اکثر عمارتیں جن کو تین سو برس کا زمانہ گزر گیا ہے جو اُن کے گویا **آثار صنادید** ہیں واں موجود ہیں۔ اور یہی امر ہمارے دعوے کے ثبوت کے لیئے کافی ہے۔ لاہور میں نہ اُن کی کوئی عمارت ہے اور نہ کوئی اَور ایسی قسم کی چیز جس کو اُن کا آثار صنادید کہیں موجود ہے۔ مؤرخ مزاج ناظرین بہ خوبی جانتے ہوں گے کہ ایک نامی گرامی شخص کے لیئے اگر یادگار ہو سکتی ہے تو عمارت سے کوئی چیز زیادہ نہیں۔

ج راجہ ٹوڈرمل تھہرہ ذات کے کھتری تھے۔ محمد جلال الدین اکبر شاہنشاہِ ہندوستان کے ایک ممتاز اور بہادر جنرل بھی تھے اور ایک مُدبر اور مُعاملہ فہم مشیر مالی و مُلکی بھی تھے۔ اور یہہ بھی سچ ہے کہ وُہ

شاہنشاہِ موصوف الوصف کے ایک پرائم منسٹر تھے۔ ٹوڈرمل دو ہو چکے ہیں ایک اکبری دوسرے شاہجہانی۔ اکبری ٹوڈرمل راجہ کے نام سے مشہور ہیں اور شاہجہانی دیوان کے نام سے۔ ہمارے ہیرو کا سلسلہ اکبری ٹوڈرمل سے ملتا ہے۔ شاہنشاہِ اکبر کے سال جلوس کے اٹھارہویں سنہ میں جب احمد آباد گجرات فتح ہو گیا تو شاہنشاہ نے راجہ صاحب کو تشخیص جمع اور اُمورِ مالی اور ملکی انتظاموں کے لیئے واں متعین کیا۔ جب راجہ صاحب صوبہ مذکور میں اپنے فرایضِ منصبی جیساکہ چاہیئے ادا کر چکے تو انیسویں سالِ جلوس میں اُن کو امارت اور سرداری کے نشان علم اور نقارہ کے خلعت سے مفتخر فرما کر پٹنہ ملک بنگالہ کی جنگی مہم پر مقرر کیا۔ اگرچہ منعم خاں خانِ خاناں کی بھی جنگی خدمت پر وہیں تعیناتی تھی۔ لیکن سپاہ کی دلدہی اور فوج کشی اور مردانہ یورشوں اور مخالفوں کی تنبیہ اور تادیب میں راجہ صاحب سے وہ جاں نثاریاں اور جانفشانیاں ظہور میں آئیں کہ اپنے قدردان خداوندِ نعمت **اکبر** کو بہت رضامند کر دیا۔ داؤد خاں نامے مفسد کے مقابلہ میں شہنشاہی جنرل خانِ عالم نام کام آیا اور دوسرا جنرل منعم خاں سخت زخمی ہو گیا۔ ایسی حالت میں بظاہر مفسدوں کے ساتھ مقابلہ کی تاب نہ تھی۔ اور ایسی صورت میں شہنشاہی لشکر کو ایک بار شکست بھی ہوئی راجہ صاحب نے اُس وقت تمام فوج کی پریڈ جا کر بآوازِ بلند کہا۔ کہ خانِ عالم

کے کام آجانے سے پریشانی کو راہ نہ دینا چاہیئے اور نہ منعم خاں کے شدید زخمی ہونے سے حوصلہ پست کرنا مناسب ہے۔ اِس وقت کہ درحقیقت نازک ہے اِقبالِ اکبری کام دیگا۔ جس کے چراغ اِقبال کے رُوبرُو آج کسی کا ٹمٹماتا دیا گُل ہونے سے نہیں بچ سکتا۔ یہہ کہکر جب پھر حملہ کیا اور جان توڑکر فوج نے کام دیا اور جِن کا بہادر اور اُولوالعزم جنرل یعنی راجہ ٹوڈرمل سب سے آگے تھا تو فتح نصیب ہوئی۔ فتح کے بعد واں کا بھی مالی اور مُلکی انتظام راجہ صاحب ہی کے منشا کے مُطابق کیا گیا

د صُوبہ بنگالہ کے معرکہ اور اُس کی فتح اور پھر مالی اور مُلکی بندوبست قرار واقعی کے بعد شاہنشاہ نے راجہ صاحب کو اپنے حضور میں بُلالیا۔ اور واں پہنچ کر کُل وزارتِ مالی اور مُلکی کا عُہدہ عطا ہوا۔ شاہنشاہ کو چوں کہ ہاتیوں کا بڑا شوق تھا اس لیئے راجہ صاحب مُلکِ بنگالہ سے نذر کے لیئے کوئی اَور چیز نہ لائے۔ بلکہ تین چار سو کوہ پیکر ہاتی ہی لائے اور وہی نذر کئے۔ اکیسویں[۲۱] سال جلوس میں احمد آباد گجرات کے صُوبہ دار وزیر خاں نام کی لاپروائی سے صُوبہ مذکور کا بندوبست ویسا نہ رہا جو راجہ صاحب نے کیا تھا۔ اِس وجہ سے اُن کو بندوبست اور انتظام کے لیئے پھر صُوبہ مذکور میں کامل اختیارات فوجی مالی اور مُلکی لیکر واں جانا پڑا۔ اِس عرصہ میں نہ صِرف مالی انتظام ہی خراب اور برباد ہوگیا تھا۔ بلکہ مُفسدوں نے پھر

شہنشاہی کارپردازوں کے ساتھ معرکہ اور مقابلہ کا سامان بہم پہنچا لیا تھا چنانچہ
عین احمد آباد ہی میں میدان پڑا - چوں کہ شہنشاہی فوج اس وقت کافی
نہ تھی اس لیئے واں کے صوبہ دار وزیر خاں نے چاہا کہ اور شہنشاہی
فوج کے آنے تک قلعہ بند ہو جائیں - مگر راجہ ٹوڈرمل نے اپنی مردانگی
اور شجاعت سے اس بات کو نہ مانا - اور اسی موجودہ فوج کے ساتھ معرکہ
آرائی ہوئی - ایک طرف وزیر خاں کمانڈر تھے اور دوسری جانب راجہ صاحب
وزیر خاں کی طرف جب راجہ صاحب نے کمزوری پائی تو اُس کی طرف
جھک کر جو ہمت کی تو کامل فتح نصیب ہوئی - چوں کہ راجہ صاحب تسلیم کیئے
ہوئے ایک معاملہ فہم اور کارداں تھے - اس وجہ سے اب کے انہوں نے
فتح ہونیکے بعد بھی جنگی کمانڈ کو بھی اپنے اختیار میں رکھا مالی اور ملکی انتظام تو
پہلے ہی اُن کے قبضۂ اقتدار میں تھا - جب راجہ صاحب جنگی اور ملکی انتظام
سے فارغ ہو گئے تو مالی بندوبست کی طرف مکرر توجہ کی - احمد آباد اور بڑودہ
(جو اُن ایام میں واں کوئی ریاست نہ تھا بلکہ صوبہ گجرات ہی میں شامل تھا) وغیرہ
مقاموں کا پہلے بندوبست سے بھی بہتر بندوبست کیا - جب راجہ صاحب
اس صوبہ کی مہمات سے فارغ ہو گئے - تو شاہنشاہ نے پھر انڈیا کے ہیڈکوارٹر
دہلی خاص میں طلب کر لیا - اور پھر واں پہنچ کر ملکی اور مالی وزارت کے عہدہ کا
چارج لیا - ستائیسویں سال جلوس میں اُن کو اشرف دیوان کے لقب کا

خلعت ہوا۔

۸ اکبری سنہ جلوس کے انتیسویں[۲۹] سال ہر دل عزیز شہنشاہ نے راجہ ٹوڈرمل کے گھر جاکر اُن کی عزت پر عزت بڑھائی۔ یہہ وہی شہنشاہ تھے جنہوں نے اپنے فلاسفر وزیر شیخ ابو الفیض فیضی فیاضی کی بیماری کے وقت اُن کے سر کو اپنے گھٹنے پر رکھکر عیادت کا ایک خاص ڈھنگ ایجاد کیا تھا۔ اور پھر جب راستہ ہی میں سُنا تھا کہ فیاضی جان بحق تسلیم ہوئے تو اُن کے حقیقی چھوٹے بھائی اپنے مُدبّر اور مؤرخ وزیر اعظم شیخ ابو الفضل علامی فہامی کے ہاں اُسی وقت عذرخواہی کے لیئے تشریف لے گئے تھے۔ غرض کہ راجہ صاحب نے بھی اپنے آقا اور اُن داتا کی مہانداری میں اپنا مال و زر قربان اور فدا کردیا تھا۔ جلوس کے تیتسویں[۳۳] سال جب کوہستانِ یوسف زئی من مضافات پشاور میں شہنشاہ کے ندیم خاص مہیش داس ملقب بہ راجہ بیربر کھیت رہے تو کنور مان سنگھ اور راجہ ٹوڈرمل کو مقام مذکور کے وحشی افغانوں کی تنبیہ اور تادیب کے لیئے افغانستان کی مہم پر تعیّن کیا۔

۹ جہاں تک ممکن ہے ہم اُس سلوک کو جو کرپا ندھان دھرم مورت شاہنشاہ اکبر اپنے اراکین سے برتتا تھا یاد دلانے سے بھی باز نہیں رہ سکتے۔ شہنشاہِ ممدوح الوصف نے جو الفاظ راجہ بیربر کی نسبت استعمال

کیئے ہیں وہ یوں ہیں " عمدۂ محرمانِ راز زبدۂ مصاحبانِ دمساز صاحب فطرتِ عالی عنوانِ مثالِ بے مثالی نقاوۂ مقربانِ درگاہ خلاصۂ ملازمانِ ہوا خواہ انجمن آرائے حریمِ بادشاہی باریک بین دقائق آگاہی ہمدمِ دلکشائے مجلسِ خاص محرمِ خلوت سرائے وفا و اخلاص رنگ آمیزِ رموزِ عشق و محبت نخلبندِ حدائقِ خلوصِ صدق و عقیدت طالبِ بقرارِ راہِ حقیقت طلبی و حق جوئی عاشقِ اطوارِ حق گزاری و حق گوئی نقشبندِ طرازِ معنی آفرینی نکتہ پیوندِ بساطِ ہمزبانی و ہمنشینی دقیقہ یابِ سرائرِ سلطانی رمز شناسِ عالمِ مزجدانی۔ گرہ کشائے خاطرِ مشکل پسند صیقل نمائے ضمیرِ آسماں پیوند سرحلقۂ دائرۂ نکتہ سازان۔ سردفترِ انجمنِ سخن پردازان جلیسِ مجلسِ انس انیسِ خلوتِ قدس مصاحبِ دانشور راجہ بیربر کہ خود را در محبتِ ما درباختہ بود و پیش از فدا شدن در راہِ اخلاص ما فدا ساختہ باوجود تعلقِ دنیوی کمالِ بے تعلقی داشت و با گرفتاریٔ ظاہری سراسر رقمِ آزادگی مے نگاشت "

آخر الامر زین خاں کوکلتاش کی غفلت پر جس کی وجہ سے یہہ حادثہ پیش آیا پیچ و تاب کھا کر راجہ بیربر کے بیٹے لالہ نام کو اپنے جانسپاروں میں عزت بخشی۔ یہہ لالہ خلف الصدق راجہ بیربر ایسا امیر مزاج تھا کہ جس نے اپنے گھوڑوں کی نعلیں بجائے لوہے کے چاندی اور طلا کے بندھوائیں۔

ز صاحب نصیب اور با اقبال راجہ ٹوڈرمل افغانستان کی اہم مہم سے بھی جو اُس زمانہ میں ایک سخت اور پُر آشوب سمجھی جاتی تھی بہ خیر و خوبی اور فتح و ظفر کے ساتھ واپس آئے - گو افغانستان کی چڑھائی اُس زمانہ میں نہایت درجہ کی مشکل خیال کی جایا کرتی تھی - مگر دربار اکبری میں ایسے بہادر جنرل بھی بکثرت موجود رہتے تھے کہ اِس مہم میں اپنی تعیناتی کو اپنے لیئے فخر کی دستاویز سمجھا کرتے تھے - چنانچہ راجہ بیربر اور شیخ ابوالفضل میں تکرار یا یُوں کہیں کہ اختلاف رائے ہو گیا تھا - ایک التماس کرتا تھا کہ میں بھیجا جاؤں اور دوسرا عرض کرتا تھا کہ میں بھیجا جاؤں - اکبر نے قُرعہ پر فیصلہ کرنا چاہا - چنانچہ قُرعہ راجہ بیربر کے نام پڑا اور وُہی بھیجا گیا - مگر جب راجہ بیربر واں مارا گیا تو مقتدر بہادر تجربہ کار ہندؤں کو ہی بھیجنا مصلحت وقت خیال کیا گیا - یہی وجہ تھی کہ اس موقع پر قُرعہ اندازی سے کام نہ کیا بلکہ تدبیرِ مملکت کی وجہ سے کنور مان سنگھ اور راجہ ٹوڈرمل کو واں متعیّن کیا - اور جیسا کہ یاد بھی دلایا گیا ہے کہ وُہ واں پُورے کامیاب ہوئے - مگر شاہنشاہ کا کوکلتاش کامیاب نہ ہوا - چونتیسویں سال جلوس میں جب کہ شہنشاہ کشمیر کے دورہ سے واپس تشریف لائے - تو مصلحتِ ملکی اور جنگی خصوصاً مالی کی وجہ سے راجہ صاحب اور محمّد قلی خاں اور راجہ بھگوان داس کچھوایہ لاہور کے صُوبہ میں جو اُن دنوں میں بھی فرانٹیر مُلک سمجھا جاتا تھا متعیّن کیئے گئے - جب شہنشاہ نے کشمیر سے

کابل تشریف لے جانے کا ارادہ کیا۔ تو راجہ ٹوڈرمل نے اِن وجہوں کی بنا پر اپنا استعفا پیش کیا۔ کہ اَب میں بُڈھا ہوں اور بیماریاں مجھ پر غلبہ کرتی جاتی ہیں گویا میرے پران چھوڑ دینے کے دن قریب ہیں۔ اگر اجازت ہو تو دم واپسین تک گنگا جی پر رہوں اور وہاں ایک خاص طور پر اپنے کرپالو دیالو دینا ناتھ شمبھو ناتھ جوتی سروپ سرب شکتمان پرم آتما کی یاد اور دھیان میں رہوں جس کی سدا ہی جے ہو۔ چنانچہ یہہ عرض منظور ہو گئی اور راجہ صاحب مع الخیر نیک ارادہ سے لاہور سے ہردوار کی طرف روانہ ہو گئے۔ مگر معاً ہی شہنشاہی منشور پہنچا۔ کہ خدا کی پرستش زیر دستوں کی غم خواری میں بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ اِس لیئے چاہیئے کہ یاں حاضر ہو کر عاجزوں کی داد رسی اور داد دہش میں مستغرق رہو کہ ایک طرز کی عبادت ہے۔ راجہ صاحب نے بھی اِس ارشاد کی بخوشی تعمیل کی۔ آخر کار جلوس کے چونتیسویں سال اور ہجری کے نہ صد نود و ہشت ۹۹۸ سنہ میں اپنے پوتر پران اپنے سُرگیا پتا پرمیشور کے سپرد کیئے

ح راجہ ٹوڈرمل کے پبلک اور پولیٹکل بلکہ پرائیوٹ کیرکٹرز کی نسبت شہنشاہ کا علامہ فہامہ مورخ اور وزیر شیخ ابوالفضل البتہ مورخانہ رائے دیتے وقت تعریف بھی کرتا ہے اور گرفتیں بھی کرتا ہے۔ لاکلام وحدہٗ لاشریک لہٗ خدا کے سوا جس کا نام بشر ہے وہ کمزوریوں سے مبرا اور منزا ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا۔ مورخ ممدوح کہتا ہے کہ راجہ ٹوڈرمل نے

اپنے شاہنشاہ کے فرائض کے ادا کرنے میں راستی اور درستی ظاہر کی اور یہہ کہ حریص کم تھا بلکہ بے طمع تھا - اور پھر کہتا ہے کہ مردانگی اور عالی ہمتی میں بے ہمتا اور معاملہ فہمی اور کاردانی میں یگانہ تھا - اور ساتھ ہی یہہ بھی کہتا ہے کہ کینہ ور اور انتقام کش تھا - حتّٰی کہ ایک ادنیٰ سی بات کو اپنے دل میں رکھکر اُس کی پرورش کیا کرتا تھا - یاں تک لکھکر ملا یانہ نہیں بلکہ فلاسفرانہ اور ندیمانہ کہتا ہے - کہ ایک ایسے ذی جاہ کے لیئے کہ ایک شہنشاہ کا وکیل مطلق اور پرائم منسٹر ہو دینی حرارت اور مذہبی تعصب بہت نازیبا اور نامناسب ہے - بلکہ یہہ ایک رذیلت ہے - اپنی رائے زرّیں کا خاتمہ اس پر کرتا ہے کہ پبلک اور پولیٹکل فضیلتوں کے ساتھ جیسی کہ راجہ صاحب میں تھیں بہت ہی پسندیدہ سمجھے جانے کے قابل ہیں - مگر پرایئوٹ رذیلت بھی ایک داغ کی مانند بدنما تھی - راجہ صاحب موصوف کے بارہ میں حضرت اورنگ زیب عالمگیر یوں کہتا ہے - کہ مینے اپنے اعلیٰ حضرت یعنی شاہجہاں سے سُنا کہ عرش آشیاں یعنی اکبر نے کہا کہ ٹوڈرمل ملکی اور مالی مہمات میں صاحب شعور اور رسا طبیعت رکھتا ہے مگر اُس کی لاپروائی اور خودپسندی اچھی نہیں معلوم ہوتی - اُس وقت اس پر شیخ ابوالفضل نے کچھ کہنا چاہا مگر اکبر نے فرمایا کہ نواختہ را نمی تواں برانداختن الحاصل راجہ صاحب نے ضوابط جو تجویز کیئے تھے

مُغل بادشاہوں کے ہاں آبادیٔ ملک اور سپہ داری میں ایک لاتبدیل
لا یعنی قانون مُستمرہ کی طرح سے مُروّج اور مستعمل رہا کیئے۔
ط اراضی کی اقسام چنچر اور بنجر وغیرہ ناموں سے کئی اور
پھر مزروعہ اور غیر مزروعہ میں تفریق یا امتیاز کیا۔ اِس کے بعد کل رقبہ
ٹھہرایا اور رقبہ کو بیگہ پر تقسیم کیا۔ مُختلف پیداوار پر بہ حساب فی بیگہ محصول مقرر
کیا اور وُہ محصول کچھ تو نقدی اور کچھ بٹائی۔ جنرل لوگوں کو تنخواہ کے عوض
جاگیر کا قاعدہ ایجاد کیا۔ اُن اراضیات کو جو جاگیر نہ تھیں خالصہ شریفہ نام رکھا۔
خالصہ شریفہ سے روپیہ وصول کرنے والوں کا نام تحصیلدار رکھا۔ پیسہ پر سکّہ
لگوایا۔ روپیہ میں جو تانبا ملا رہتا تھا اُس کو خالص چاندی کا کروایا۔ اور خالص طلا
کی مُہریں بنوائیں۔ غرض کہ اَور بہت سی ایجاد کیئے جنکی تفصیل تاریخ اکبری
اور آئینِ اکبری میں بڑی شرح اور بسط کے ساتھ موجود ہے۔ ہم نے صرف
راجہ ٹوڈرمل کا حال مختصر طور پر بیان کرنا تھا جو کر دیا ہے۔ اَب ہم اس موقع پر
اگر اُس کے خداوندِ نعمت کے مزاجِ اقدس کا حال نہ بیان کریں گو وُہ ماقلّ دل
ہی کیوں نہ ہو تو تاریخ نویس کے فن سے بعید ہے۔ **اکبر** کی بہادری کا
یہہ حال تھا کہ چتور کے قلعہ کے برج پر خود بہ نفسِ نفیس چڑھ گئے تھے اور
اُس قلعہ کو فتح کر لیا تھا۔ اور مست ہاتی پر بے خوف چڑھ جایا کرتے تھے۔
اور حِلم کا یہہ ماجرا تھا کہ ایک بار اُن کے ولیعہد جہانگیر نے اپنے خدمتگار

چیلنج کے لیئے پروف پیدا کریں۔ البتہ تھیوڈوریارکر مہاآتما فلاسفر اور ریفارمر کے پورے نقشِ قدم پر چلیں گے یعنی۔ رزلٹ کی خاطر فیکٹ نہ بنائیں گے بلکہ بنے ہوئے مقدمات سے جو نتیجے بدیہی الانتاج نکلیں اُنہیں کو پیش کرینگے۔

ب اکثر مورخ غلط کہتے ہیں کہ ہمارے بیکنٹھ براجمان **ہیرو** راجہ راجایان مہاراجہ نارائن پرشاد نراندر بہادر مہاراجہ کے مورث اعلیٰ راجہ ٹوڈرمل لاہور پنجاب کے باشندے تھے۔ البتہ وُہ دیپالپور کے چیف یا پردھان تھے جو اب ضلع منٹگمری پنجاب میں ایک تحصیل ہے۔ ابتک اُن کی اکثر عمارتیں جن کو تین سو برس کا زمانہ گزر گیا ہے جو اُن کے گویا **آثار صنادید** ہیں واں موجود ہیں۔ اور یہی امر ہمارے دعوے کے ثبوت کے لیئے کافی ہے۔ لاہور میں نہ اُن کی کوئی عمارت ہے اور نہ کوئی اَور ایسی قسم کی چیز جس کو اُن کا آثار صنادید کہیں موجود ہے۔ مورخ مزاج ناظرین بہ خوبی جانتے ہوں گے کہ ایک نامی گرامی شخص کے لیئے اگر یادگار ہوسکتی ہے تو عمارت سے کوئی چیز زیادہ نہیں۔

ج راجہ ٹوڈرمل ٹہرہ ذات کے کھتری تھے۔ محمد جلال الدین اکبر شاہنشاہِ ہندوستان کے ایک ممتاز اور بہادر جنرل بھی تھے اور ایک مدبر اور معاملہ فہم مشیرِ مالی و ملکی بھی تھے۔ اور یہہ بھی سچ ہے کہ وُہ

شاہنشاہِ موصوف الوصف کے ایک پرائم منسٹر تھے۔ ٹوڈرمل دو
ہو چکے ہیں ایک اکبری دوسرے شاہجہانی۔ اکبری ٹوڈرمل راجہ
کے نام سے مشہور ہیں اور شاہجہانی دیوان کے نام سے۔ ہمارے
ہیرو کا سلسلہ اکبری ٹوڈرمل سے ملتا ہے۔ شاہنشاہ اکبر کے سال جلوس
کے اٹھارھویں سنہ میں جب احمد آباد گجرات فتح ہو گیا تو شاہنشاہ نے راجہ
صاحب کو تشخیص جمع اور اور مالی اور ملکی انتظاموں کے لیئے واں متعین کیا۔
جب راجہ صاحب صوبہ مذکور میں اپنے فرایضِ منصبی جیساکہ چاہیئے ادا
کر چکے تو انیسویں سال جلوس میں اُن کو امارت اور سرداری کے نشان علم
اور نقارہ کے خلعت سے مفتخر فرما کر پٹنہ ملک بنگالہ کی جنگی مہم پر مقرر کیا۔
اگرچہ منعم خاں خانِ خاناں کی بھی جنگی خدمت پر وہیں تعیناتی تھی۔ لیکن سپاہ
کی دلدہی اور فوج کشی اور مردانہ یورشوں اور مخالفوں کی تنبیہ اور تادیب میں
راجہ صاحب سے وہ جاں نثاریاں اور جانفشانیاں ظہور میں آئیں کہ اپنے
قدردان خداوند نعمت اکبر کو بہت رضامند کر دیا۔ داؤد خاں نامے
مفسد کے مقابلہ میں شہنشاہی جنرل خانِ عالم نام کام آیا اور دوسرا جنرل
منعم خاں سخت زخمی ہو گیا۔ ایسی حالت میں بظاہر مفسدوں کے ساتھ مقابلہ
کی تاب نہ تھی۔ اور ایسی صورت میں شہنشاہی لشکر کو ایک بار شکست بھی ہوئی
راجہ صاحب نے اُس وقت تمام فوج کی پریڈ جا کر بآوازِ بلند کہا۔ کہ خانِ عالم

کے کام آجانے سے پریشانی کو راہ نہ دینا چاہیئے اور نہ منعم خاں کے شدید زخمی ہونے سے حوصلہ پست کرنا مناسب ہے۔ اِس وقت کہ درحقیقت نازک ہے اِقبالِ اکبری کام دیگا۔ جس کے چراغ اِقبال کے رُوبرُو آج کسی کا ٹمٹمانا دیا گُل ہونے سے نہیں بچ سکتا۔ یہہ کہکر جب پھر حملہ کیا اور جان توڑکر فوج نے کام دیا اور جِن کا بہادر اور اُولوالعزم جنرل یعنی راجہ ٹوڈرمل سب سے آگے تھا تو فتح نصیب ہوئی۔ فتح کے بعد واں کا بھی مالی اور مُلکی انتظام راجہ صاحب ہی کے منشا کے مُطابق کیا گیا

د صُوبہ بنگالہ کے معرکہ اور اُس کی فتح اور پھر مالی اور مُلکی بندوبست

قرار واقعی کے بعد شاہنشاہ نے راجہ صاحب کو اپنے حضور میں بُلالیا۔ اور واں پہنچ کر کُل وزارتِ مالی اور مُلکی کا عُہدہ عطا ہوا۔ شاہنشاہ کو چُونکہ ہاتیوں کا بڑا شوق تھا اس لیئے راجہ صاحب مُلکِ بنگالہ سے نذر کے لیئے کوئی اَور چیز نہ لائے۔ بلکہ تین چار سو کوہ پیکر ہاتی ہی لائے اور وہی نذر کئے۔ اکیسویں[۲۱] سال جلوس میں احمدآباد گجرات کے صُوبہ وار وزیر خاں نام کی لاپرواہی سے صُوبہ مذکور کا بندوبست ویسا نہ رہا جو راجہ صاحب نے کیا تھا۔ اِس وجہ سے اُن کو بندوبست اور انتظام کے لیئے پھر صُوبہ مذکور میں کامل اختیارات فوجی مالی اور مُلکی لیکر واں جانا پڑا۔ اِس عرصہ میں نہ صِرف مالی انتظام ہی خراب اور برباد ہوگیا تھا۔ بلکہ مُفسدوں نے پھر

شہنشاہی کارپردازوں کے ساتھ معرکہ اور مقابلہ کا سامان بہم پہنچا لیا تھا چنانچہ عین احمد آباد ہی میں میدان پڑا۔ چوں کہ شہنشاہی فوج اس وقت کافی نہ تھی اس لیئے واں کے صوبہ دار وزیر خاں نے چاہا کہ اور شہنشاہی فوج کے آنے تک قلعہ بند ہو جائیں۔ مگر راجہ ٹوڈرمل نے اپنی مردانگی اور شجاعت سے اس بات کو نہ مانا۔ اور اسی موجودہ فوج کے ساتھ معرکہ آرائی ہوئی۔ ایک طرف وزیر خاں کمانڈر تھے اور دوسری جانب راجہ صاحب۔ وزیر خاں کی طرف جب راجہ صاحب نے کمزوری پائی تو اس کی طرف جھک کر جو ہمت کی تو کامل فتح نصیب ہوئی۔ چوں کہ راجہ صاحب تسلیم کیئے ہوئے ایک معاملہ فہم اور کارداں تھے۔ اس وجہ سے اب کے انہوں نے فتح ہونیکے بعد بھی جنگی کمانڈ کو بھی اپنے اختیار میں رکھا مالی اور ملکی انتظام تو پہلے ہی ان کے قبضۂ اقتدار میں تھا۔ جب راجہ صاحب جنگی اور ملکی انتظام سے فارغ ہو گئے تو مالی بندوبست کی طرف مکرر توجہ کی۔ احمد آباد اور بڑودہ (جو ان ایام میں واں کوئی ریس نہ تھا بلکہ صوبہ گجرات ہی میں شامل تھا) وغیرہ مقاموں کا پہلے بندوبست سے بھی بہتر بندوبست کیا۔ جب راجہ صاحب اس صوبہ کی مہمات سے فارغ ہو گئے۔ تو شاہنشاہ نے پھر انڈیا کے ہیڈکوارٹر دہلی خاص میں طلب کر لیا۔ اور پھر واں پہنچ کر ملکی اور مالی وزارت کے عہدہ کا چارج لیا۔ ستائیسویں سال جلوس میں ان کو اشرف دیوان کے لقب کا

خلعت ہوا۔

۸ اکبری سنہ جلوس کے انتیسویں[۲۹] سال ہر دل عزیز شہنشاہ نے راجہ ٹوڈرمل کے گھر جاکر اُن کی عزت پر عزت بڑھائی۔ یہہ وہی شہنشاہ تھے جنہوں نے اپنے فلاسفر وزیر شیخ ابُوالفیض فیضی فیاضی کی بیماری کے وقت اُن کے سر کو اپنے گھٹنے پر رکھ کر عیادت کا ایک خاص ڈھنگ ایجاد کیا تھا۔ اور پھر جب راستہ ہی میں سُنا تھا کہ فیاضی جاں بحق تسلیم ہوئے تو اُن کے حقیقی چھوٹے بھائی اپنے مُدبّر اور مُورّخ وزیرِ اعظم شیخ ابُوالفضل علامی فہامی کے ہاں اُسی وقت عُذر خواہی کے لیئے تشریف لے گئے تھے۔ غرض کہ راجہ صاحب نے بھی اپنے آقا اور اُن داتا کی مہمانداری میں اپنا اسباب مال و زر قربان اور فدا کر دیا تھا۔ جلوس کے تیسویں[۳۰] سال جب کوہستانِ یُوسف زئی من مضافات پشاور میں شہنشاہ کے ندیم خاص مہیش داس مُلقب بہ راجہ بیربر کھیت رہے تو کنور مان سنگھ اور راجہ ٹوڈرمل کو مقام مذکور کے وحشی افغانوں کی تنبیہ اور تادیب کے لیئے افغانستان کی مُہم پر تعیّن کیا۔

۹ جہاں تک ممکن ہے ہم اُس سُلوک کو جو کریا ندھان دھرم مورت شاہنشاہ اکبر اپنے اراکین سے برتتا تھا یاد دلانے سے بھی باز نہیں رہ سکتے۔ شہنشاہِ ممدوح الوصف نے جو الفاظ راجہ بیربر کی نسبت استعمال

کیئے ہیں وہ یوں ہیں " عمدۂ محرمانِ راز زبدۂ مصاحبانِ دمساز صاحبِ فطرتِ عالی عنوانِ مثالِ بے مثالی نقاوۂ مقربانِ درگاہ خلاصۂ ملازمانِ ہواخواہ انجمن آرائے حریم بادشاہی باریک بین دقائق آگاہی ہمدمِ دلکشائے مجلسِ خاص محرمِ خلوت سرائے وفا و اخلاص رنگ آمیزِ رموزِ عشق و محبت نخلبندِ حدائقِ خلوصِ صدق و عقیدت طالبِ بقرارِ راہِ حقیقت طلبی و حق جوئی عاشقِ اطوارِ حق گزاری و حق گوئی نقشبندِ طرازِ معنی آفرینی نکتہ پیوندِ بساطِ ہمزبانی و ہمنشینی دقیقہ یابِ سرائرِ سلطانی رمز شناسِ عالمِ مزجدانی۔ گرہ کشائے خاطرِ مشکل پسند صیقل نمائے ضمیرِ آسماں پیوند سرحلقۂ دائرۂ نکتہ سازان۔ سردفترِ انجمنِ سخن پردازان جلیسِ مجلسِ اُنس انیسِ خلوتِ قدس مصاحبِ دانشور راجہ بیربر کہ خود را در محبتِ ما درباختہ بود و پیش از فدا شدن در راہِ اخلاصِ ما فدا ساختہ باوجود تعلق دنیوی کمالِ بے تعلقی داشت و باگرفتاری ظاہری سرا سر رقمِ آزادگی مے نگاشت "

آخر الامر زین خاں کوکلتاش کی غفلت پر جس کی وجہ سے یہہ حادثہ پیش آیا پیچ و تاب کھاکر راجہ بیربر کے بیٹے لالہ نام کو اپنے جاں سپاروں میں عزت بخشی۔ یہہ لالہ خلف الصدق راجہ بیربر ایسا امیر مزاج تھا کہ جس نے اپنے گھوڑوں کی نعلیں بجائے لوہے کے چاندی اور طلا کے بندھوائیں۔

ز صاحب نصیب اور با اقبال راجہ ٹوڈرمل افغانستان کی اہم مہم سے
بھی جو اُس زمانہ میں ایک سخت اور پُرآشوب سمجھی جاتی تھی بہ خیر و خوبی اور
فتح و ظفر کے ساتھ واپس آئے۔ گو افغانستان کی چڑھائی اُس زمانہ میں بہت
درجہ کی مشکل خیال کی جایا کرتی تھی۔ مگر دربار اکبری میں ایسے بہادر جنرل بھی
بکثرت موجود رہتے تھے کہ اِس مہم میں اپنی تعیناتی کو اپنے لیئے فخر کی
دستاویز سمجھا کرتے تھے۔ چنانچہ راجہ بیربر اور شیخ ابوالفضل میں تکرار یا یُوں
کہیں کہ اختلاف رائے ہو گیا تھا۔ ایک التماس کرتا تھا کہ میں بھیجا جاؤں اور
دوسرا عرض کرتا تھا کہ میں بھیجا جاؤں۔ اکبر نے قرعہ پر فیصلہ کرنا چاہا۔ چنانچہ
قُرعہ راجہ بیربر کے نام پڑا اور وُہی بھیجا گیا۔ مگر جب راجہ بیربر واں مارا گیا
تو مقتدر بہادر تجربہ کار ہندوؤں کو ہی بھیجنا مصلحت وقت خیال کیا گیا۔ یہی وجہ
تھی کہ اس موقع پر قُرعہ اندازی سے کام نہ کیا بلکہ تدبیرِ مملکت کی وجہ سے
کنور مان سنگھ اور راجہ ٹوڈرمل کو واں متعیّن کیا۔ اور جیسا کہ یاد بھی دلایا گیا ہے
کہ وُہ واں پُورے کامیاب ہوئے۔ مگر شاہنشاہ کا کوکلتاش کامیاب نہ ہوا۔
چونتیسویں سال جلوس میں جب کہ شہنشاہ کشمیر کے دورہ سے واپس تشریف
لائے۔ تو مصلحتِ مُلکی اور جنگی خصوصاً مالی کی وجہ سے راجہ صاحب اور
مُحمّد قلی خاں اور راجہ بھگوان داس کچھواہہ لاہور کے صُوبہ میں جو اُن دنوں میں
بھی فرانٹیر مُلک سمجھا جاتا تھا متعیّن کیئے گئے۔ جب شہنشاہ نے کشمیر سے

کابل تشریف لے جانے کا ارادہ کیا۔ تو راجہ ٹوڈرمل نے ان وجہوں کی بنا پر اپنا استعفا پیش کیا۔ کہ اب میں بڈھا ہوں اور بیماریاں مجھ پر غلبہ کرتی جاتی ہیں گویا میرے پران چھوڑ دینے کے دن قریب ہیں۔ اگر اجازت ہو تو دم واپسیں تک گنگا جی پر رہوں اور وہاں ایک خاص طور پر اپنے کرپالو دیالو دینا ناتھ شمبھو ناتھ جوتی سروپ سرب شکتمان پرم آتما کی یاد اور دھیان میں رہوں جس کی سداہی سجے ہو۔ چنانچہ یہہ عرض منظور ہو گئی اور راجہ صاحب مع الخیر نیک ارادہ سے لاہور سے ہردوار کی طرف روانہ ہو گئے۔ مگر معًا ہی شہنشاہی منشور پہنچا۔ کہ خدا کی پرستش زیر دستوں کی غمخواری میں بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ اس لیئے چاہیئے کہ یہاں حاضر ہو کر عاجزوں کی دادہی اور داد دہش میں مستغرق رہو کہ ایک طرز کی عبادت ہے۔ راجہ صاحب نے بھی اس ارشاد کی بخوشی تعمیل کی۔ آخر کار جلوس کے چونتیسویں ۳۴ سال اور ہجری کے نہ صد نود و ہشت ۹۹۸ سنہ میں اپنے پوتر پران اپنے سُر گیا پتا پرمیشور کے سپرد کیئے

ح راجہ ٹوڈرمل کے پبلک اور پولیٹکل بلکہ پرائیوٹ کیرکٹرز کی نسبت شہنشاہ کا علامہ فہامہ مؤرخ اور وزیر شیخ ابو الفضل البتہ مؤرخانہ رائے دیتے وقت تعریف بھی کرتا ہے اور گرفتیں بھی کرتا ہے۔ لا کلام وحدہٗ لاشریک لہٗ خدا کے سوا جس کا نام بشر ہے وہ کمزوریوں سے مُبرا اور منزا ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا۔ مؤرخ ممدوح کہتا ہے کہ راجہ ٹوڈرمل نے

اپنے شاہنشاہ کے فرائض کے ادا کرنے میں راستی اور درستی ظاہر کی اور یہہ کہ حریص کم تھا بلکہ بے طمع تھا - اور پھر کہتا ہے کہ مردانگی اور عالی ہمتی میں بے ہمتا اور معاملہ فہمی اور کاردانی میں یگانہ تھا - اور ساتھہ ہی یہہ بھی کہتا ہے کہ کینہ ور اور انتقام کش تھا - حتّٰی کہ ایک ادنی سی بات کو اپنے دل میں رکھکر اُس کی پرورش کیا کرتا تھا - یاں تک لکھکر ملّا یا نہ نہیں بلکہ فلاسفرانہ اور ندیمانہ کہتا ہے - کہ ایک ایسے ذی جاہ کے لیئے کہ ایک شہنشاہ کا وکیل مطلق اور پرائم منسٹر ہو دینی حرارت اور مذہبی تعصّب بہت نازیبا اور نامناسب ہے - بلکہ یہہ ایک رذیلت ہے - اپنی رائے زریں کا خاتمہ اس پر کرتا ہے کہ پبلک اور پولیٹکل فضیلتوں کے ساتھہ جیسی کہ راجہ صاحب میں تھیں بہت ہی پسندیدہ سمجھے جانے کے قابل ہیں - مگر پرائیوٹ رذیلت بھی ایک داغ کی مانند بدنما تھی - راجہ صاحب موصوف کے بارہ میں حضرت اورنگ زیب عالمگیر یوں کہتا ہے - کہ مینے اپنے اعلی حضرت یعنی شاہجہاں سے سُنا کہ عرش آشیاں یعنی اکبر نے کہا کہ ٹوڈرمل ملکی اور مالی مہمّات میں صاحب شعور اور رسا طبیعت رکھتا ہے مگر اُس کی لاپروائی اور خودپسندی اچھی نہیں معلوم ہوتی - اُس وقت اس پر شیخ ابوالفضل نے کچھہ کہنا چاہا مگر اکبر نے فرمایا کہ نواختہ را نمی تواں برانداخت الحاصل راجہ صاحب نے **ضوابط** جو تجویز کیئے تھے

مغل بادشاہوں کے ہاں آبادئ ملک اور سپہ داری میں ایک لاتبدیل
لا یعنی قانون مستمرہ کی طرح سے مروج اور مستعمل رہا کیئے۔
ط اراضی کی اقسام چنچر اور بنجر وغیرہ ناموں سے کئی اور
پھر مزروعہ اور غیر مزروعہ میں تفریق یا امتیاز کیا۔ اِس کے بعد کل رقبہ
ٹھہرایا اور رقبہ کو بیگہ پر تقسیم کیا۔ مختلف پیداوار پر بہ حساب فی بیگہ محصول مقرر
کیا اور وُہ محصول کچھ تو نقدی اور کچھ بٹائی۔ جنرل لوگوں کو تنخواہ کے عوض
جاگیر کا قاعدہ ایجاد کیا۔ اُن اراضیات کو جو جاگیر نہ تھیں خالصہ شریفہ نام رکھا۔
خالصہ شریفہ سے روپیہ وصول کرنے والوں کا نام تحصیلدار رکھا۔ پیسہ پر سکّہ
لگوایا۔ روپیہ میں جو تانبا ملا رہتا تھا اُس کو خالص چاندی کا کروایا۔ اور خالص طلا
کی مہریں بنوائیں۔ غرض کہ اور بہت سی ایجاد کیئے جنکی تفصیل تاریخ اکبری
اور آئین اکبری میں بڑی شرح اور بسط کے ساتھ موجود ہے۔ ہم نے صرف
راجہ ٹوڈرمل کا حال مختصر طور پر بیان کرنا تھا جو کر دیا ہے۔ اب ہم اس موقع پر
اگر اُس کے خداوند نعمت کے مزاج اقدس کا حال نہ بیان کریں گو وُہ ماقل دل
ہی کیوں نہ ہو تو تاریخ نویس کے فن سے بعید ہے۔ اکبر کی بہادری کا
یہہ حال تھا کہ چتور کے قلعہ کے برج پر خود بہ نفس نفیس چڑھ گئے تھے اور
اُس قلعہ کو فتح کر لیا تھا۔ اور مست ہاتی پر بے خوف چڑھ جایا کرتے تھے۔
اور رحم دلی کا یہہ ماجرا تھا کہ ایک بار اُن کے ولیعہد جہانگیر نے اپنے خدمتگار

کو مروا ڈالا تھا تو آپ اُس پر حد سے زیادہ ناراض ہوئے تھے۔ اور قدردانی
خدا پرستی اور زندہ دلی کا یہ حال تھا کہ حضور میں حاضر باش ندما عقلا اور
اسی گروہ میں سے ذی شعور لوگوں کی تعداد جو دس ہزار روپیہ ماہانہ سے
دو سو روپیہ تک تنخواہ پانے والے چار سو پندرہ تھے۔ اُن کے علاوہ
علما فضلا اور اطبا ایک سو بیالیس تھے۔ چھتیس شاعر بھی تھے اور چھتیس
اُستادانِ موسیقی وغیرہ خنیاگران۔ اُس **بااقبال** شہنشاہ کے عہدِ دولت
میں پچیس ہزار میل مربع ہندوستان کا رقبہ تھا اور پچیس کروڑ آبادی تھی۔
اب برٹش گورنمنٹ کے عہدِ معدلت مہد میں رقبہ تو قریباً وہی ہے مگر آبادی
میں چھ کروڑ کی بیشی ہے۔ اکبر کے عہدِ دولت میں سترسٹھ کروڑ باسٹھ لاکھ
کی آمدنی تھی اب خالصہ سوائے لوکل فنڈ وغیرہ کے چھہتر کروڑ ہے قریباً
ساڑھے آٹھ کروڑ کے بیشی ہے۔ عرش آشیان شہنشاہ کے عہد میں
دو لاکھ فوج تھی اب برٹش گورنمنٹ کی فوج اگر ریاستوں کی فوج بھی شامل کر لیجائے
تو ہفت لاکھ بست و سہ ہزار ہے۔ اور اگر ریاستوں کی فوج جو تین لاکھ پینتالیس
ہزار ہے شامل نہ کی جائے تو باقی خاص برٹش فوج تین لاکھ اٹھہتر ہزار ہے
بلکہ کچھ زیادہ ہے کم نہیں۔ اِس تین لاکھ اٹھہتر ہزار کی تفصیل حاشیہ میں درج
ہے۔ علاوہ اِس کے ہند کے متعلق بحری فوج بھی ہے

(۱)	فوج آئین	دو لاکھ سولہ ہزار
(۲)	پولس	ایک لاکھ پینتالیس ہزار

(۳) والنٹیر سترہ ہزار | اور اُس کا کمانڈر اِن چیف بھی علیحدہ ہے

ی گزشتہ پیری گراف سے ہماری یہہ غرض نہ تھی کہ شاہنشاہِ
اکبر کے اَوج عُروج اور اقبال کا مقابلہ برٹش گورنمنٹ سے کریں۔ کیوں کہ
اِس مُقابلہ سے اگرچہ ایک **نادر** نتیجہ نکلتا ہے۔ مگر یاں اُس نتیجہ کی
ضُرورت نہیں۔ تاریخ افغانستان پر **ریویو** کرتے
وقت جو ہم جلد کرنے والے ہیں اِس نتیجہ کی ضُرورت پڑے گی۔ یاں
اِس فیکٹر سے ہماری غرض یہہ ہے۔ کہ شاہنشاہ لاریب شخصی شہنشاہ
تھا مگر کس قدر بہادر رحمدل اور **پاپلر** اور صاحب عُروج تھا اور باوجود اِن
جوہروں کے کس درجہ تک ہر بات ہر فن ہر امر کا قدردان تھا۔ جن
لوگوں نے شاہنشاہ کو تدبّر کا الزام لگایا ہے اُس کو بال کی کھال نکالنے
والے غیر قوم محقّقوں نے بکواس سے تشبیہ دی ہے۔ چنانچہ اپنی
ہسٹری آف دی اِنڈیا میں اَلفنسٹن نے کمال درجہ کی تحقیق بلکہ
تدقیق سے اِس الزام کو رد کیا ہے۔ بلکہ یاں تک لکھا ہے کہ اُنہوں نے
کلمۂ شریف پڑھتے ہوئے بلکہ دُہراتے ہوئے جنّت کی راہ لی۔ اِس میں
شک نہیں کہ شہنشاہ مُقلّد نہ تھے بلکہ مُحقّق تھے مذہبی معاملات میں اُن کے
خیالات انوکھے بھی تھے اور عالی بھی تھے جیسے کہ اکثر فلاسفروں کے
ہوا کرتے ہیں۔ اِس سے اِنکار نہیں ہوسکتا کہ وُہ **صُوفیاءِ کرام**

کے نقشِ قدم پر چلنے والے تھے جس کو سنسکرت میں ویدانت مت کہتے ہیں اور انگریزی میں صُوفی اِزم۔ میر سیّد شریف جرجانی نے مطالع نام کتاب پر حاشیہ لکھا ہے۔ اور اُس میں قدیم بزرگوں کی تحقیق کی رو سے لکھا ہے کہ "اِنسان کا بڑا مقصد جنابِ باری تعالیٰ کی ذات اور صفات کی تحقیق سے ہے۔ اور وُہ دُو گروہ ہیں۔ ایک گروہ نے کشف اور شہُود سے اپنے خاص مطلب کو حاصل کرلیا ہے۔ اور دُوسرے گروہ والوں نے دلیل اور بُرہان سے اپنے مطلُوب کو پایا ہے۔ پہلے گروہ والے اگر نبوّت کے قائل ہیں تو اُنہیں کو صُوفیاءِ کرام کہتے ہیں ورنہ حُکماءِ اِشراقیّہ اور دُوسرے گروہ والے اگر وجُودِ نبی کے قائل ہیں تو اُن کو مُتکلّمین کہتے ہیں۔ و اِلّا حُکماءِ مَشائین۔"

مولوی جلال الدّین رُومی اپنی مشہور مثنوی میں کہتے ہیں۔ جیساکہ حاشیہ میں درج ہے۔ ہم اِس وقت **ججمنٹ** لکھنے نہیں بیٹھے اِس لیئے اِس تذکرہ سے جو واقع میں عبادت سے کم نہیں مجبوراً قطع تعلّق کرکے اِس امر کی شہادت ادا کرتے ہیں۔ کہ اکبر بڑے خدارس اور ایسی ماہیتوں پر شیفتہ اور فریفتہ تھے۔ دبستانِ مذہب نامی جو

۱؎ پائے اِستدلالیاں چُوبیں بُوَد
پائے چُوبیں سخت بے تمکیں بُوَد

۲؎ گر بہ اِستدلال کارِ دیں بُدے
فخرِ رازی رازدارِ دیں بُدے

ایک مشہور کتاب ہے جس میں قریباً کُل دُنیا کے مذاہب کا تذکرہ ہے
اسی عہد سراسر برکت میں تالیف ہوئی تھی۔ اِس کتاب کے مُولف جیسا کہ
مرحوم ڈاکٹر فانڈر کہتے ہیں مُلّا محمد محسن فانی کاشمیری ہیں۔
طامس ولیم بیل اپنی مشہور تصنیف مِفتاح التّواریخ میں کہتا ہے
کہ مُلّا محمد محسن فانی شاہجہاں بادشاہ کے عہد میں ہوا ہے۔
خاکسار مُولف ہٰذا الاوراق کے عہد میں اکثر لوگوں کی یہہ راے ہے
کہ دَبِستانِ مَذاہب کسی پارسی کی تصنیف ہے ملا محمد محسن فانی
کی نہیں۔ غرض کہ کسی کی ہو مگر اِس میں شک نہیں کہ کتاب میں وُہ
مُباحثے بھی درج ہیں جو خود عرش آشیان شہنشاہ کے حضور
فیض گنجور میں ہوئے تھے۔ پادری فرابتُون نامے کو شہنشاہ ممدوح
نے صِرف مُباحثہ کے واسطے ہی بُلایا تھا۔ اُن مُباحثوں کی نسبت کہ
کیا تھے اور کیسے تھے راے دینے کے لیئے یاں ہمکو فرصت نہیں
الغرض عرش آشیان شہنشاہ سپریچویلزم کی ماہیّت سے ماہر تھے اور
ڈیونٹی کے دقائق سے واقف اور ہیمنٹی کی ذات کو بھی خوب ہی جانتے
اور پہچانتے تھے۔ اِس صُورت میں تدبّر کا الزام ایسے بیدار مغز اور
عالی دماغ اور رُوشن دل کی نسبت واقع میں بکواس ہے۔ مُردہ کانشنس
والوں کا یہہ اُصول ہوا کرتا ہے کہ وُہ ناحق اور بے مُوجب اَوروں کو

مذہبی نکات میں بدنام کیا کرتے ہیں۔ اُن کے پاس خود آلہی لین ٹرن نہیں ہوتی جس سے **ٹڑوڈھ** پہچانا جایا کرتا ہے۔

باب اَب ہم اپنے **ھیرو** راجہ راجایان مہاراجہ نارائن پرشاد نراندر بہادر کے مورث اعلیٰ راجہ* ٹوڈرمل کے نہایت مختصر حالات کے لکھنے سے فارغ ہوئے ہیں۔ ابھی ہم اُن کے خاص حالات کے لکھنے کی طرف اِس وجہ سے توجہ نہیں کرتے کہ اِس عالی خاندان اور والا دودمان میں ایک اَور تاریخی شخص ہیں جو بلحاظ تغیر حالات کے بھی ایک نامی گرامی سلطنت میں (جس سلطنت کا مختصر حال اور نیز اس **کنگ** کا مجمل ماجرا بھی ہم اپنے موقع پر لکھیں گے) راجہ ٹوڈرمل کے ہم پلہ اور ہم رتبہ تھے۔ پس جب تک کہ اِن تاریخی شخص کا حال نہ لکھیں ہمارے ہیرو کا ماجرا ادھورا رہیگا اور یہہ ہم کو ہرگز منظور نہیں کہ اپنے ہیرو کے حال کو ادھورا تحریر کریں۔

یہ وُہ تاریخی شخص راجہ* چندولال ہیں جو اُسی فیملی میں سے جس کی ایک شاخ راجہ ٹوڈرمل* تھے اُسی دودمان میں سے یہہ ایک اَور شاخ ہیں جو مورخوں کے نزدیک تاریخی شخص کے معزز لقب سے ملقب ہوئے۔ عرش آشیاں اکبر کے عہد میں جس کا خاتمہ ۱۰۱۴ھ ہجری

---

* دیکھو کتاب عشرت کدۂ آفاق تصنیف خود مہاراجہ چندولال۔ مولف

میں ہوا محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں جو ۱۱۵۱ھ میں تھا ایک سو
سینتیس برس کا فاصلہ ہے - کیوں کہ مندرجہ حاشیہ حکمرانوں نے
یکے بعد دیگرے سلطنت کی - اکبر نے اکیاون برس دو یوم سریر آرائی

(۱) نور الدین محمد جہانگیر نے اکیس برس آٹھ ماہ سلطنت کی اور محمد شاہ بادشاہ
(۲) سلطان مراد بخش نے ایک سال ″ نے اٹھارہ برس تین
(۳) محمد شاہجہان بادشاہ نے اکتیس برس چار ماہ ″ یوم - راجہ چندو لال
(۴) اورنگ زیب عالمگیر نے پچاس سال ″ کے والد کا نام راجہ
(۵) محمد معظم شاہ عالم نے چار برس ایک ماہ ″ نارائن داس تھا - اور
(۶) بہادر شاہ معز الدین نے ایک ماہ ″ راجہ نارائن داس کے
(۷) جہاں شاہ خجستہ اختر نے ۱۴ یوم ″ پتا کا نام رائے لچھمی رام
(۸) رفیع الشان نے ۸ یوم ″ تھا اور لچھمی رام کے
(۹) جہاندار شاہ معز الدین نے ۹ ماہ ۲۲ یوم ″ والد کا نام رائے
(۱۰) فرخ سیر نے چھ سال ۳ یوم ″ مول چند تھا -
(۱۱) سلطان رفیع الدرجات نے ۳ یوم ″ یہی صاحب برکت
(۱۲) شمس الدین نے ۳ یوم ″ شخص محمد شاہ بادشاہ
(۱۳) سلطان محمد ابراہیم نے ۱۵ یوم ″ کے عہد دولت میں

آصف جاہ قمر الدین خاں بہادر کے ہمرکاب فرخندہ بنیاد حیدرآباد دکن

میں آئے۔ اور غفراں مآب آصف جاہ کے عہد دولت میں کروڑگیری
کے ناظم ہوئے جو ایک بڑی محال تھی۔

یج ہم راجہ چندولال کے بزرگوں کا تذکرہ کم کرینگے بلکہ کرینگے
کیوں کہ اول تو اُن کے متعلق واقعات کم ہیں اور دوم ہمارا مقصود بھی یہ
نہیں۔ اگرچہ اُن کے بزرگ بھی برابر بڑے ممتاز عہدوں کے ذمہ دار
رہے۔ راجہ چندولال سمت ۱۸۱۴ اٹھارہ سو چودہ بکرماجیتی میں پیدا ہوئے
جو مطابق ۱۱۷۵ھ گیارہ سو پچھتر ہجری کے ہے۔ سمت ۱۹۰۰ ایک ہزار نوسو میں
بیکنٹھ براجمان ہوئے جو ۱۲۶۱ھ ایک ہزار دو سو اکسٹھ ہجری کے مطابق ہے
ایک کم پچاس ۴۹ برس اپنے عہدہ پر قائم رہے اور ہشتاد و شش ۸۶ سال عمر پاکر
اس سنسار میں جو آنے والے سنسار کی کھیتی ہے اور یہہ کہ یہہ دُنیا آنے
والی دُنیا کی مُورت اور فوٹو ہے واد وہش اور سچے پرمیشور کی اُستت میں
مگن اور محو رہے۔

ید راجہ صاحب ممدوح کی عمر ہنوز دس ایک برس کی تھی کہ
نارائن کی پرالبدھ سے اُن کے پتا نے سُرگ کی راہ لی راجہ نانک رام
اُن کے حقیقی چچا نے اُن کی پرورش اور تعلیم کا بارگراں اُٹھانا اپنے ذمہ لیا۔
راجہ نانک رام محبت پدری کی وجہ سے جو کچھ اُن کو جیب خرچ کے طور پر
دیتے یہہ مخیر اور بھاگوان یعنی راجہ چندولال اُس کو بیکسوں محتاجوں کو بانٹ

دیتے۔ اُن کے چچا راجہ نانک رام نے جب سُنا کہ دس برس کی عمر میں
ان کو عام لوگوں کے ساتھ سمپتھی کا فیلنگ ہے تو اپنی نیک ذاتی کے
تقاضا سے بہت خوش ہوئے۔ بلکہ اِس امر کو اُن کی اقبالمندی اور بھاگوان
ہونے کی نیک فال سمجھکر اُن کے جیب خرچ میں ترقّی کردی۔ ہونہار بھاگوان
کے لچھن اُن کے کرموں سے ٹھیک معلوم ہو جایا کرتے ہیں۔ جنم پترّی
سے بدھ لگانی بھی شاید سچ ہو مگر گن پترّی سے بدھ کا لگانا ایسا ٹھیک ہے
کہ جس میں کبھی سندیہہ نہیں ہوا کرتا۔

پنجاب کے صُوبہ کی راج دھانی شہر لاہور سے اُتّر کی
اَور بیس ۲۰ میل پر ایک گانو ہے جس کو تلونڈی کہتے ہیں۔ سمت ۱۵۲۶ پندرہ سو
چھبّیس مُطابق ۱۴۶۹ء چودہ سو اُنہتّر عیسوی کے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا
نام اُس کے پتا کالو نے جو ذات کا کھتری تھا **نانک** رکھا۔ اِس نانک
نے ستّر برس کی عمر پاکر اور **پرافٹ** لوگوں کے سے کام کرکے
سمت ۱۵۹۶ پندرہ سو چھیانوے مطابق ۱۵۳۹ء پندرہ سو اُنتالیس میں **وصال**
پایا یا یُوں سہی کہ سُرگ واس ہوئے۔ دُنیا میں رہکر بے لاگ رہنا پوتر
آتما والے مَنش ہی کا کام ہے۔ نانک بھی اَور دُنیا داروں کی مانند اِس
پرتھوی پر رہا اور بیوپار کیا نوکری بھی کی اور شادی بھی کی جس سے سِری چند
اور لکھمی داس دو لعل پیدا ہوئے مگر پھر بھی دُنیوی آلودگیوں سے پاک اور صاف

رہے - ایک بڑے رکھیشر اور پورے بھگت نے جس کو گیان وان کہنا کوئی اشچرج نہیں دُنیوی تعلقات کو دُنیا نہیں کہا - بلکہ اپنے پتا پرمیشور سے دور رہنے کو دُنیا اور ایسوں کو دُنیا دار کہا ہے - دھن دولت - دودھ پوت کو دُنیا نہیں کہا - ذرا بھی سندیہہ نہیں کہ سچ کہا ہے - چیست دُنیا از خدا غافل بدن نے قماش و نقرہ و فرزند و زن وہ جو کہتا ہے اہلِ دُنیا کافرانِ مطلق اند روز و شب در زق زق و در بق بق اند حاشیہ میں اہلِ دُنیا چہ کہین و چہ مہین لعنتُ اللهِ علیہم اجمعین درج ہے - جب نانک جوان ہوا تو اُن کے والد نے اُن کو بنج بیوپار کے لیئے کہا اور اپنے پاس سے کچھ روپیہ دیکر کہا کہ "اِس روپیہ سے ایسا بیوپار کرو جس سے بہت زیادہ لابھ ہو" نانک نے وہ روپیہ محتاج سادھوؤں سنتوں کو کھلا پلا دیا - اُن کے پتا جو بڑے دُنیوی مزاج تھے یہہ سُنکر اپنے ہیرے پتر سے جو سات کلوں کو تار دینے والے تھے بہت خفا ہوئے - نانک نے اپنے پتا سے جس کو وہ پرمیشور کا روپ جانتے تھے بڑی ادھین تائی کے ساتھ جو بھاگوانوں کے لچھنوں میں سے یہہ بھی ایک لچھن ہے جواب دیا - کہ آپ نے کسی خاص بیوپار کی قید نہیں لگائی تھی بلکہ یہہ آگیا دی گئی تھی کہ جس بنج بیوپار میں بہت لابھ ہو وہی کرو - سو میری دانست میں سادہ سنتوں اور پرمیشور کے گیان وان

اور رکھیشروں کو کھلا پلا دینے سے اس سنسار میں کوئی کام کاج
اور کوئی بنج بیوپار زیادہ نفع والا نہیں۔ کیونکہ یہی نفع ہے جو ناشوان نہیں
خیر رشت گزشت مجبوراً باپ اور کیا کرتا۔

ناتک نے گرہست پن کی وجہ سے سلطان پور صوبہ پنجاب
کے نواب دولت خاں کی نوکری کرلی (اب سلطان پور مہاراجہ
آہلو والیہ کے راج کپورتھلہ نام میں شامل ہے) کچھ حاسدوں نے نواب
کے پاس ناتک کی نسبت خورد برد کا الزام لگایا۔ مگر حساب ہونے پر
وہ ایسے ثابت ہوئے جیسے سونا آگ سے نکلتا ہے۔ نواب نے
ایسے متدین کو اور بھی بلکہ کل اختیارات دیدیئے۔ مگر انہوں نے گرہست
کے فرائض ادا کرنیکے بعد اس تعلق کو بھی چھوڑ دیا۔ عیسائیوں کے
ست گرو اس سنسار میں سی و سہ سال رہے تینتیس برس تو دنیوی
دھندے میں رہے اور تین سال تک اپدیش کا مہا پوتر کام کرتے
رہے۔ دیکھو لائف آف کرسٹ بائی دی ریورینڈ بابا پدمن جی۔
جس سال میں ناتک سیاحت کرتے پھرتے تھے یا یوں کہیں تو بھی
کچھ زیادہ گوئی نہیں کہ ایکو برھم دوتیو ناستی کا جگہ بہ جگہ اپدیش دیتے
پھرتے تھے۔ تو ایک متعصب شخص سگے خاں نام نے جو ایمن آباد
کا حاکم تھا اپنے دیوان ملک بھاگو کی صلاح سے جو وہ بھی ایک متعصب

آدمی تھا جس کی نسبت نانک نے کچھ پر جوش الفاظ کہے تھے اُن کو گرفتار کرلیا۔ ہنوز کچھ بات چیت نہ ہوئی تھی کہ سمت پندرہ سو باسٹھ ۱۵۶۲ مطابق نو سو تیئیس ہجری میں ظہیر الدین بابر شاہ مغل کی چڑھائی کی شہرت پھیل گئی۔ اُس وقت دہلی کے پادشاہ سلطان ابراہیم لودھی پٹھان تھے اور ایمن آباد کا حاکم دہلی کے تخت کی طرف سے تھا۔ یاد رہے یہ ایمن آباد وُہی مقام ہے جو اب ضلع گوجرانوالہ پنجاب کے متعلق ہے اور جو ریاست جموں کشمیر کے دیوان فیملی کا مسکن ہے ملا قاسم فرشتہ اپنی مشہور معروف تاریخ میں بابر کی چڑھائی کی وجہ یوں لکھتا ہے کہ۔ در ہر منزل تفحصِ افغاناں سیکرد و بہ تادیب میرسانید تا بہ سیال کوٹ رسید و مردمِ آنجا بعجز امان خواستہ بہ جان و مال و ناموس محفوظ گشتند اما وقتیکہ رائتِ اژدہا پیکرِ او سایۂ وصول بر پرگنہ سید پور افگند مردمِ آنجا از عدمِ مساعدتِ وقت نحست علمِ مخالفت برافراشتند و تیغِ اہلِ چغتائی بسر افشانی درآمدہ اثرے از آدم و معموری آنجا نگذاشت و سی ہزار کنیز و غلام در اردوے ہمرسانیدہ دیگر غنائم از شمار بیروں بود و مقدم کفار سید پور کہ بہ امراے افغان متفق شدہ مائل نمے شد بدست آوردہ معروض تیغ سیاست گردانید۔ انتہیٰ آخر کار بابر نے سلطان ابراہیم کو بھی شکست دی۔ پھر ایسی حالت میں سنگے خان اور ملک بھاگو کا نام

و نشان تک بھی نہ تھا - مگر ایسے ملکی ہنگاموں میں جو سلوک بابر سے
نانک کے ساتھ ہوا لا کلام حیرت میں ڈالنے والا ہے - ایسے ہی
واقعات کو عام لوگ معجزہ اور آشچرج کرم سے تشبیہ دیا کرتے ہیں -
ایمن آباد کے نالائق حاکم اور ناقدر دان بلکہ دل کی آنکھوں کے
اندھے حاکم سگے خاں کو تو اپنی پڑ گئی - اسلیئے اُس وقت تو نانک
رہا ہو گئے - مگر پھر ایک کھتری کی اس شکایت کے سبب سے
جس نے سلطان ابراہیم لودھی تخت نشین دہلی سے کی - کہ ایک فقیر
وید اور قرآن سے منکر ہے - نانک دوبارہ بندی خانے میں
محبوس کیئے گئے - لیکن جب بابر کو خبر پہنچی کہ ایک ایسا فقیر قید ہے
جو انوکھی باتیں بیان کرتا ہے - اور یہہ خبر اُس کو اُس وقت پہنچی جب کہ
وُہ سلطان ابراہیم کو بے تاج و تخت کر کے دہلی کے تخت پر خود بیٹھا
تو اُس نے محبس کے داروغہ کو حکم دیا کہ مقید فقیر کو عزت کے ساتھ
دربار میں حاضر کرو - چنانچہ جب وُہ فقیر نانک نام جو باطن میں گویا شہنشاہ
تھا بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ دربار میں حاضر کیا گیا - تو بادشاہ نے اُنکی سادی
اور سیدھی مگر پُر اثر اور پتے کی باتوں سے اعلیٰ درجہ کی دلچسپی ظاہر کی -
یُوں وُہ عزت اور حُرمت کے ساتھ قید سے رہا ہو کر بدستور اپدیش
میں مستغرق اور مشغول رہے - اِس امر کو ہم ناظرین پر چھوڑتے ہیں کہ

ایک بظاہر حقیر صورت نانک میں **جوہر** کیا تھا جس کو بابر جوہری نے پہچان لیا اور اُس کی قدر کی۔ یا اُس غریب صورت میں جادُو اور سحر تھا کہ بابر اُولوالعزم شہنشاہ نے ہند بھر میں تو تہلکہ ڈال دیا اور یہاں کے تخت نشینوں کو تخت سے گرا دیا اور نانک کی تعظیم و تکریم کی۔ نانک کُش ہیرس میں وہ کون سی **الکٹرسٹی** تھی جو بابر جیسے عالمگیر اور جہانگیر شہنشاہ میں کام کر گئی۔

یہ جس کو ست گرو کہتے ہیں وہ نہ تو بنائے سے بنتے ہیں اور نہ اپنی چترائی سے بن سکتے ہیں بلکہ پرمیشور کی اُور سے بنے بنائے اس سنسار میں براجتے ہیں۔ دوکاندار گروؤں میں اور ست گروؤں میں اُن کے پھل یا یُوں کہیں کہ اُن کے فعل اور کردار آپ ہی پہچان کا باعث ہو جایا کرتے ہیں۔ تُلسی داس جی کہتے ہیں جو حاشیہ میں درج ہے

دیا دھرم کا مُول ھے اور نرک مُول ابھمان یہہ بات بالکل ست ہے
تُلسی دیا نہ چھوڑیئے جبتک گھٹ میں پران اور یُوں ہی عقلی دلیلوں اور

فلسفی بُرہانوں اور منطقی وجہوں ہی سے سچ نہیں بلکہ **تجربہ** کی رُو سے بھی سچ ہے۔ اور تجربہ وہ چیز ہے جو عقلی دلیلوں اور فلسفی بُرہانوں اور منطقی وجہوں کا اُستاد ہے۔ پھر ایک اور مہارکھی سمپورن گیان وان کہتا ہے کہ "دیا میا دھرم کا پہلا پھل ہے۔" اگر کسی دھرمی

میں جو دھرم کا دعویٰ کرتا ہے یہہ پھل نہیں تو وہ اُدھرمی ہے دھرمی نہیں - یہہ دونوں مہارکھی جن کا تذکرہ ابھی کیا گیا ہے اور جن کے آبِ زر سے لکھنے کے قابل شبد نذرِ ناظرین کئے گئے ہیں آریا کھنڈ کے رہنے والے تھے - اَب ہم ایک اَور بھوش وقتا کا شبد پیش کرتے ہیں جو فلسطین دیس کا راجہ بھی تھا - اُس کا نام **داؤد** تھا - وہ کہتا ہے کہ "مَیں گبرو تھا اَب پراتمی ہوں پر مینے کسی ایسے دیاونت کو کبھی نہیں دیکھا کہ جس کو دینا ناتھ پرمیشور نے تیاگ دیا ہو اور نہ کسی دیاوان کے انش میں سے کسی کو بھکیاری دیکھا وہ دیاونت نِت نِت ہی کرپا کرتا رہتا ہے اور اُدھار دیتا رہتا ہے اُس کی انش بھی بھاگوان ہے" اِس ضمنی پوائینٹ یعنی نانک کے تذکرہ کو ہم تمام کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ جس کو بار بار نانک کہا ہے اُن کا مبارک نام **گرونانک صاحب** ہے اُنہوں نے اپنی پاک زندگی کے دِنوں میں اپنے کو پنجاب کا پرفیٹ اَوتار اور ریفارمر ثابت کر دیا - اگرچہ خود اُنہوں نے ایسا دعویٰ کبھی نہیں کیا بلکہ ہمیشہ اپنے نارائن کو مخاطب کر کے یہی کہا کہ ہے نرانکار نانک بندہ تیرا گر اُن کے گنوں نے خود بخود اِس امر کو ثابت کر دیا کہ وُہ وقت کی ضرورت کے لیئے پرمیشور کی اَور سے بھیجے گئے

تھے - علاوہ اِس کے اُن کے **نو** چیلے مندرجہ حاشیہ ایسے

دوسرے ٢ گرو انگد صاحب — نکلے کہ ٹھیک اُنہیں کے نقشِ قدم

تیسرے ٣ گرو امرداس صاحب — پر چلے - اور جمع گرو نانک صاحب

چوتھے ٤ گرو رامداس صاحب — مہاآتما کے ونش گرو کہلاتے

پانچویں ٥ گرو ارجن صاحب — ہیں اور یہہ کہ سب کے سب

چھٹویں ٦ گرو ہرگوبند صاحب — **تواریخی** گرو کہلائے - طرفہ

ساتویں ٧ گرو ہررائے صاحب — ماجرا ہے کہ گرو صاحب نے

آٹھویں ٨ گرو ہرکشن صاحب — ہرگز ہرگز اپنی اولاد کو اپنا جانشین

نویں ٩ گرو تیغ بہادر صاحب — نہ کیا پر نہ کیا - اِس میں شک نہیں

دسویں ١٠ گرو گوبند سنگھ صاحب — کہ اُن کی اولاد جو بیدی کہلاتی

ہے وہ بھی بڑے درجہ کی مُمتاز مُعزز اور واجب الاحترام سمجھی جاتی
ہے - مگر عجیب بھید کی بات ہے کہ اپنی جانشینی کا حق اُس کو دینا ہی
مصلحت نہ خیال کی - ساری دُنیا میں پنجاب کی **سِکھ قوم** جو مشہور
ہے وہ گرو نانک صاحب مہارکھی کی داس یا یوں کہیں کہ مُرید ہے -
سِکھ کے معنی بھی یہی ہیں کہ داس یا مُرید - پھر اِس قوم میں محض گرو نانک
صاحب کی بدولت امارت وایالت بھی آگئی یا یوں کہیں کہ ایک قوم
تیار ہوگئی جس کو انگریزی میں **نیشن** کہتے ہیں - اَب ہم ناظرین کو

اِس خاص امر کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ گرُو نانک صاحب کا اوائل حال کیا تھا اور وُہ کیا تھے اور کیا ہو گئے اور اپنے پیروان کو کیا کر دیا - دیا میا سے اُنہوں نے اِس سنسار کی اور آنے والے سنسار کی سب برکتیں خُود پائیں - اور یہہ کہ وہی برکتیں اپنی قوم سکھ کو بھی دے گئے - جب تک کہ یہہ برکتیں اُن کی قوم میں رہیں گی ناممکن ہے کہ وُہ نیست و نابُود ہو - چند روز اُسمین پادشاہت بھی آگئی تھی مہاراجہ رنجیت سنگھ اُسی میں سے ایک تھے - مگر رنجیت سنگھ کے بعد جب اُس میں اِن اُصولوں میں کمی ہوگئی تھی تو اپنی پادشاہت کو بھی کھو بیٹھے تھے - غرض کہ جس خاندان میں گرُو نانک صاحب کا متذکرہ بالا اُصول نہ ہوگا وُہ بھاگوان اور اقبالمند نہ رہیگی -

یط اَب ہم پھر راجہ چندو لال کے ذِکرِ خیر کی طرف رجوع ہوتے ہیں - جب آپ سنِ بلُوغ کو پُہنچے تو اپنے بزرگوں کی مانند ملازمت اور ناخن بندی کا فکر کیا - چنانچہ پہلے پہل نوّاب شمشیر جنگ بہادر نے اُن کی لیاقت اور خاص کر اہلیت سے واقف ہو کر ملازمت سے عزّت بخشی - جس قدر راجہ صاحب کا اوج اور عرُوج ہوتا گیا اُسی قدر خیرات اور فیّاضی میں ترقّی کرتے گئے - چُوں کہ راجہ صاحب کی کاردانی اور اُس پر نیک ذاتی کی شہُرت ہوگئی تھی - اِس وجہ سے جناب

بخشی بیگم صاحبہ نے اپنے ہاں کا جزو کل معاملہ اُن کے سپرد کیا جس پر راجہ صاحب کو اپنے جوہر ذاتی کے اظہار کا بہت زیادہ موقع ملا۔ جس زمانہ میں ٹیپو سلطان کا معرکہ درپیش تھا اور حیدرآباد خاص کی نظامت اور محال کروڑگیری نوّاب شمشیر جنگ بہادر کے سپرد تھی۔ اُس عہد میں نوّاب صاحب ممدوح کے موروثی تعلّقہ کی کارپردازی اور اہتمام والیٔ حیدرآباد دکن کی اجازت سے راجہ صاحب کی سپرد ہوا۔ وُہ زمانہ حیدرآباد دکن کے خاص اور اُس کے گرد نواح کے واقعات کی وجہ سے بڑی ہڑبڑی کا زمانہ تھا۔ مگر راجہ صاحب نے اپنی ذاتی لیاقت اور نیک نیّتی سے اُس تعلّقہ کا ایسا احسن اور مستحسن انتظام کیا کہ **دولتِ آصفیہ** کے رُکن رکین اور وزیرِ اعظم جناب نوّاب غلام سیّد خاں سُہراب جنگ مُعین الدّولہ مشیرُ المُلک اعظمُ الاُمرا ارسطو جاہ بہادر نے اُن کی لیاقت انتظامی کو تسلیم کر لیا۔ اُس عہد میں قحط کی آفت بھی پرلے درجہ کی تھی اور راجہ صاحب نے اپنی دُوربینی اور عقلِ سلیم سے غلہ کی فراہمی میں گویا مُلک بھر کو کمال درجہ کی مدد دی تھی۔ جس کا نتیجہ یہہ ہوا کہ قدردان مشیر المُلک بہادر نے اپنی سرکارِ ذوالاقتدار آصف جاہی سے منظوری لیکر راجہ صاحب کو علاقہ کھتل کو پل کُنڈہ

مُغل گڈھ اور امیر آباد کے انتظام اور کامل اختیار کی سند عطا فرمادی۔ دولتِ آصفیہ اور اُن کے مدار المہام مشیر الملک ارسطو جاہ بہادر نے جب راجہ صاحب کا انتظام بے عیب اور ہر طرح سے عُمدہ پایا۔ اور پھر معلُوم ہوا کہ راجہ صاحب میں بڑے اعلیٰ درجہ اور رُتبہ کی لیاقت اور صلاحیت ہے حتّیٰ کہ وُہ اپنے مُورثِ اعلیٰ راجہ ٹوڈر مل کی مانند جنگی خدمت کے سر انجام کے لیئے بھی موزوں طبیعت اور قابل دماغ رکھتے ہیں۔ تو سنہ ۹۲ سترہ سو بانوے عیسوی مطابق سنہ ۱۲۱۲ بارہ سو بارہ ہجری میں عماری اور خطابِ راجگی اور بہادری کا پیشگاہِ دولتِ آصف جاہی سے دِلوا کر چار ہزار ۴۰۰۰ سوار اور چار ہزار ۴۰۰۰ پیادہ فوج اُن کے ماتحت کر کے قلعہ سدوٹ اور کنجی کوٹہ اور نیز کڑپہ کے ہر قسم کے انتظام کے لیئے روانہ کیا۔

ک راجہ صاحب نے واں پہنچکر اُن مُفسدوں کو جو دس ہزار سوار اور پیدل سے معرکہ آرا ہوئے مغلُوب کر دیا۔ اِس کامیابی کے بعد اُن پر حساب فہمی کی شکائت ہوئی۔ تحقیقات کے بعد وُہ جب بے لوث ثابت ہوئے تو نوابّ شمس الاُمرا بہادُر* کے ہاں جو سلطنتِ خُداداد آصف جاہی کے

---

*ریمارک چُوں کہ حیدر آبادِ دکن نوابز اینڈ راجاز کتاب بھی ایک ہی نمبر اوّل جلدمیں ہمارے زیرِ تجویز ہے - اِس لیئے اگر ہماری مُستعار زندگی نے کچھ دن اَور وفا کیا اور یاں رہنے کا بھی اتفاق ہوا تو ہم اُس کو بھی شایع

رُکن رکین اور دست و بازو تھے باختیار پیشکار ہوئے۔ یہہ امر ۱۷۹۴ء
مُطابق ۱۲۱۴ہ ہجری میں ظہور پذیر ہوا۔ چنانچہ ۱۸۰۳ء مُطابق ۱۲۲۱ ہجری

بقیہ ریمارک نمبر اوّل

کرینگے۔ وُہ جب تیار ہو تب دیکھا جائیگا۔ لیکن اِس وقت بھی ہم اس النسب موقع پر اِس ضروری امر سے درگزر نہیں کرسکتے۔ کہ فرخندہ بُنیاد حیدر آباد دکن میں ایسے ایسے عالی خاندان والا دُودمان ہیں۔ کہ جِن کو تاریخی وقعت حاصل ہے۔ اور یہہ کہ وہ بکثرت ہیں۔ اُن میں سے چند کی صحیح تاریخ جو ہم تک پُہنچی ہے۔ اور ہم نے خُود بھی اُن کو تاریخی اصُولوں کے مُطابق پایا ہے۔ تو ہم پر ثابت ہوا کہ وُہ خاندان واقع میں بڑے مُمتاز مشہُور اور گویا فلک رفعت ہیں۔ رائل فیملی حیدر آبادِ دکن کے ساتھ اُن میں سے بعض کو لاریب نمکخواری اور خانہ زادی کا تعلّق ہے۔ الّا بعض کو تاجدار حیدر آبادِ دکن کے ساتھ رشتہ داری کا تعلّق بھی ہے۔ چنانچہ جِن خاندانوں کا مُختصر تذکرہ ہم اِس ریمارک میں کرنے والے ہیں وُہ

(پہلا) ۱ امیر کبیر شمسُ الاُمرا
(دوسرا) مختار المُلک سالار جنگ
(تیسرا) مہاراجہ چندُو لال
(چوتھا) راجہ شیو راج اور راجہ مُرلی منوہر

مُندرجہ حاشیہ ہیں۔ اگر ہم اپنی اس تصنیف میں بھی اِن عالیجاہ خاندانوں کا تاریخی حال نہ لکھیں گو وُہ مُجمل اور مُختصر ہی کیوں نہ ہو۔ تو ہماری اِس کتاب میں علمِ تاریخ کی عینک سے نقص رہ جائیگا۔ جو ہم کو اپنے علم اور تجربہ کی رُو سے دیدہ و دانستہ منظور نہیں۔ اور چُوں کہ مُندرجہ حاشیہ خاندانوں میں سے تیسرے خاندان کے تاریخی حالات اِس تصنیف میں شرح اور بسط کے ساتھ موجُود ہیں

میں اُسی مُعزز عہدے پر مامُور اور مُعزّز رہے - واقعات ہر سالہ سے
ثابت ہوتا ہے کہ جس قدر راجہ صاحب کا اقبال ترقّی پکڑتا گیا اُس سے

ریمارک بقیہ نمبر اوّل

اِس لیئے اُن کا اِعادہ یاں کچھ ضرور نہیں - باقی عالیجاہ اور رفیع پایگاہ
خاندانوں کے حالاتِ تاریخی یکے بعد دیگرے ذیل میں نذرِ ناظرینِ کتاب
کیئے جاتے ہیں -

(پہلا) امیرِ کبیرِ شمسُ الاُمرا دولتِ آصفیہ حیدرآبادِ دکن
کے اِس رُکنِ رکین اور عالی خاندان والا دودمان کا سلسلہ پنجاب کے
ایک مشہور و معروف بُزرگ [دیکھو آئینِ اکبری جلد سوم اور مفتاح التواریخ
اور منتخب التواریخ وغیرہ وغیرہ وغیرہ] شیخ فریدُ الدّین شکر گنج تک
پہنچتا ہے - اور مزید تحقیقات سے یہہ امر بھی پایۂ اثبات تک پہنچ گیا ہے
کہ ایک اَور واجب الاحترام بزرگ یعنی ابراہیم ادھم تک بھی یہی سلسلہ
جاملتا ہے - حتّٰی کہ خلیفہ دوم حضرتِ عمرؓ فارُوق تک منتہی ہوتا ہے -
جلالُ الدّین محمّد اکبر کا فلاسفر مؤرخ علّامی فہامی ابوالفضل مبارک
شیخ فریدالدّین ممدوح کی روحانی حالت کی نسبت بڑے زور سے لکھتا ہے

کہ " اور اسخت آویزش ہا بانفس رفت وفیروز مند آمد " انتھٰی [اگر انسان
حریف نہ ہو - اور اپنے نفسانی اَغراض کو حرفت اور چالاکی کے پیچ پر نہ چڑھاوے
تو اُس کی کلام اور اُس کا فعل اُس کے لیئے گویا باطنی آئینہ ہے - یہہ بزرگ
شخص درحقیقت اپنے عہد میں جس قدر عرفان کی روشنی اُس عہد میں جلوہ گر
تھی اُس کے مُطابق عارف باللہ تھے - جناب باری تعالیٰ عزاسمہ کے

بہت زیادہ دیا گیا خیرات اور فیاضی میں بڑھتے گئے ۱۸۰۶ء ایک ہزار آٹھ سو چھ عیسوی مطابق ۱۲۲۶ھ ایک ہزار دو سو چھبیس ہجری میں خلد آرامگاہ

ریمارک بقیہ نمبر اوّل

شوقِ تجسّس میں یوں کہتے ہیں اگرچہ ظاہری آنکھوں کو باطنی شے کے دیکھنے سے کچھ تعلّق نہیں مگر

کاگا سب تن کھائیو اور چن چن کھائیو ماس
یہ دو نیناں مت کھائیو مجھی پیا ملن کی آس

اس میں شک نہیں کہ شوق اور محوّیتِ ذاتِ احدیت اس کلام سے ظاہر ہوتا ہے۔ ابراہیم ادہم بھی ایک ایسے بزرگ تھے کہ اُن کی زندگی کے پاک اور مبارک حالات ہمارے بیان کے مُحتاج نہیں۔ وُہ کبھی بلخ کے پادشاہ تھے اور پھر عمداً اور ارادتاً پاک اور واجب الوجود ہستی کی تلاش اور تلاش پر تحقیق اور تحقیق پر تدقیق کے جوش اور ولولے میں فقر اختیار کیا جس کی نسبت اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ وَاَلْفَقْرُ مِنِّیْ ثابت ہے۔

چُوں کہ یہہ ہماری تحریر ایک ریمارک ہے۔ اس لیئے ہم اس عالی خاندان کے خاندانی سلسلہ کو ذرا قریب سے لیتے ہیں۔ حضرت اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں اس خاندان کے ایک بزرگ کو جنکا نام نامی و اسم گرامی شیخ بہاؤُالدّین خاں تھا شکوہ آباد (حال متعلق ضلع اگرہ) میں منصب و تعلقہ صدارت و احتساب کی خدمت تھی۔ عرصہ سے آپ کے بزرگوں کا وطن ہند ہو رہا تھا۔ اِس لیئے پہلے میر پور میں جائے سکونت تھی جو خیر آباد علاقہ صوبہ آودھ میں ہے۔ اور پھر زمانہ کے ایر پھیر سے شکوہ آباد اور بعد اِس کے برہان پور علاقہ مالوہ وطن ٹھہرا گیا۔

سکندر جاہ بہادر کے عہد دولت میں جب کہ نواب ابوالقاسم میر عالم بہادر وزیر اعظم اور دستور معظم تھے۔ راجہ صاحب

ریمارک بقیہ بار اوّل

شیخ بہاؤالدین خاں کے فرزند بہت لائق فائق ہوئے۔ یا یوں سمجھو کہ تواریخی آدمی ہوئے [دیکھو ماثر الامرا] اُن کا نام ابوالخیر خاں بہادر امام جنگ تھا۔ محمد شاہی اور نادر شاہی زمانہ کے واقعات سے ثابت ہے۔ کہ اس صاحب اقبال آدمی کو محمد شاہ بادشاہ کے ہاں خدمت تھی جس کی وجہ سے صوبہ مالوہ کے ایک علاقہ شادی آباد مانڈو میں آپ متعین تھے نظام الملک آصف جاہ اوّل میر قمر الدین خاں بہادر فردوس منزل جن ایام میں فرخندہ بنیاد حیدر آباد دکن میں تشریف لائے۔ ابوالخیر خاں بہادر کی رفاقت کو آصف جاہ اوّل نے اس وجہ سے پسند کیا۔ کہ آپ جری بھی تھے اور آپ کی رائے بھی صائب تھی۔ علاوہ اِن دونوں جوہروں کے سب سے زیادہ جوہر یہ تھا۔ کہ آپ کو معاملات سلطنت میں جو نازک اور مشکل ہوتے ہیں **تجربہ** بھی تھا۔ چنانچہ دو ہزار پانصدی منصب پر معزز ہو کر مشورت میں شریک رہا کئے۔ اور خانی کا خطاب بھی ملا اور جاگیر بھی مرحمت ہوئی۔ خاص ضرورت کے لیئے آپ نے بھی نگر کی فوجداری کے عہدہ کو بھی خوب نبھایا جو اُن دنوں نازک تھے۔ اور مرہٹوں کی مدافعت میں بھی جو اُس عہد میں بڑے زوروں میں تھے بڑے بڑے کام کیئے۔ اِن واقعات کے بعد چار ہزاری منصب اضافہ ہوا اور دو ہزار سوار اور بہادر کا خطاب اور علم اور نقارہ بھی مرحمت ہوا۔ ناصر جنگ کے عہد

کو پیشکاری کُل دولتِ نظام کا خلعت مرحمت ہوا جس کو آج ترا سیئواں ۸۳ سال ہونے میں آتا ہے۔ میر عالم بہادر نے ۱۸۰۸ء مطابق ۱۲۲۸ ہجری میں

ریمارک بقیہ نمبر اوّل

میں شمشیر بہادر کا خطاب زیادہ ہوا۔ اور فرخندہ بُنیاد حیدرآباد میں نائب بھی مقرر ہوئے مُظفّر جنگ کے زمانہ میں آپ کو خاندیس کی نظامت بھی سپرد ہوئی صلابت جنگ کی پیش گاہ سے پانچ ہزاری منصب عطا ہوا اور چار ہزار سوار اور پالکی جھالردار اور خطاب امام جنگ بھی مرحمت ہوا۔ ہمارے متن میں دیکھو کہ ناصر جنگ مُظفّر جنگ اور صلابت جنگ کون تھے۔ آخر ابوالخیر خان بہادر ۱۱۶۶ گیارہ سو چھیاسٹھ ہجری میں رہگرای عالم باقی ہوئے مرحوم ممدوح کا سلسلہ اُن کے لائق فرزند مُحمّد ابوالفتح خان شمس الدولہ شمس المُلک شمس الاُمرا بہادر تیغ جنگ سے چلا۔ چنانچہ نظام المُلک آصف جاہ ثانی میر نظام علی خان بہادر اِرم آرام گاہ کے عہدِ دولت میں آپ کو وہی رسوخ رہا جو آپ کے والد ماجد کو حاصل تھا۔ سارے مراتب اور منصب اور خطاب مذکور عطا ہوئے باون ۵۲ لاکھ روپیہ کی جاگیر بھی مرحمت ہوئی۔ آصف جاہِ ثانی کو آپ سے کامل الفت اور محبّت تھی۔ اور آپ نے بھی اپنے آقا نعمت کی اطاعت اور فرماں پذیری میں کوئی عُقدہ اُٹھا نہ رکھا تھا۔ آصف جاہ ثانی اپنی سلطنت کے رُکنِ اعظم کی عزّت افزائی کے لیئے اکثر آپ کے مکان میں آمد و رفت رکھتے تھے۔

محمد ابوالفتح خان شمس الدولہ شمس الملک شمس الاُمرا بہادر تیغ جنگ ممدوح میں بڑے بڑے جوہر تھے۔ خاص کر **وفاداری** سلطنت

جنت کی راہ لی اُن کی جگہہ نواب منیرُالملک بہادر مدارالمہام ہوئے
مگر جملہ کاروبار سلطنتِ آصفی راجہ صاحب ہی سرانجام دیتے تھے بندگان

ریمارک بقیہ نمبر اوّل

کا جوہر ایک ایسا جوہر تھا کہ سارے اور جوہر جس کی ضمن میں موجود تھے
کتاب خورشید جاہی اور رشید الدین خانی پر زمانہ حال کے مورخوں کو
چوں کہ یہہ گمان ہے - کہ وہ اِس خاندان کی حد سے زیادہ طرفداری
میں ہیں - اور تاریخ دکن یادگار مکھن لال نام پر یہہ الزام ہے کہ وہ مناسب
حد سے بھی اِس عالی خاندان کی حالت گھٹ کر بیان کرتی ہے - اِس لیئے
ہم نے تینوں کتابوں سے قطع نظر کر کے حیدرآباد خصوصًا اس خاندان
کی گویا زندہ تاریخ مسٹر گٹو بلیا صاحب ستارہ شناس سے مدد لی ہے
کیوں کہ محمد ابو الفتح خاں بہادر بالقابہ و مدارجہ کے قابل فرزند کے واقعات
سے جن کا تذکرہ ابھی کیا جاتا ہے آپ کو ذاتی تجربہ ہے - اور یہہ کہ اِس
خاندان کے ساتھ آپ کو اور آپ کے بزرگوں کو ملازمت اور نمکخواری کا
قدیم سے تعلق رہا کیا - اور خصوصًا یہہ کہ دو برس کے عرصہ سے محمد
ابو الفتح خاں بالقابہ و مدارجہ کے پڑوتوں اور پڑپوتوں سے ہم کو خود بھی
بہ خوبی واقفیت اور **تجربہ** ہے - اِس لیئے ہم کسی تاریخ کے
محتاج نہ ہوں گے - چنانچہ اُن کے پڑوتوں اور پڑپوتوں کا تذکرہ بھی
یکے بعد دیگرے مسلسل کیا جاتا ہے - اِس میں ذرا بھی شک نہیں کہ
اِس صاحب نصیب شخص یعنی محمد ابو الفتح خاں بہادر بالقابہ و مدارجہ کو اپنی
اولاد کی وجہ سے گویا بہت ہی پھل پھول لگے - حتیٰ کہ عزت النسا بیگم

حضور سکندر جاہ بہادر نے بارہا راجہ صاحب کی دولتسرا سے پر تشریف فرما ہو کر اُن کی عزّت افزائی فرمائی سنہ ۱۸۱۲ء مطابق سنہ ۱۲۲۵ ہجری میں

ریمارک بقیّہ نمبر اوّل

اور اقبال مندی میں روز بروز ترقی پاتے گئے۔ چنانچہ اُن کی موجودہ نسل سے ناظرین کو ثابت ہو جائیگا۔ کہ یہہ خاندان کیسا عالیجاہ اور رفیع پایگاہ اور یہہ کہ **مخیّر مزاج** ہے۔ سب سے زیادہ بات یہہ ہے۔ کہ کنگڈم آف دی حیدرآباد دکن کے موجودہ کنگ خلداللہ سلطنتہم اور اُن کے باپ داداؤں کے ساتھ سلسلہ وار رشتہ داری چلی آتی ہے۔ اور یہہ رشتہ داری بہ وجوہ النسب اور سوزوں بھی ہے۔

محمّد ابوالفتح خان شمس الدّولہ شمس الملک شمس الامرا بہادر تیغ جنگ ممدوحِ مبرور کا خاندانی سلسلہ اُن کی رحلت کے بعد اُن کے لائق اور صاحب نصیب وحید فرزند ابوالفخر شیخ محمّد فخرالدّین خان شمس الدّولہ شمس الملک شمس الامرا بہادر امیر کبیر ثانی سے جاری ہوا۔ اعلیٰ حضرت حضور پُر نور نظام الملک آصف جاہ ثانی میر نظام علی خان بہادر نے ابوالفخر شیخ محمّد فخرالدّین خان بہادر بالقابہ و مدارجہ کو قابل اور لائق سمجھ کر اپنی صاحبزادی بشیر النسا بیگم صاحبہ سے شادی کر دی۔ اِس رشتہ سے اِس قدر اتّحاد اور یکتائی پیدا ہوئی کہ آسدالدّولہ آصف الملک سکندر جاہ میر اکبر علی خان بہادر آصف جاہ ثالث اور ناصرالدّولہ مظفرالممالک نظام الملک میر فرخندہ علی خان بہادر آصف جاہ رابع

بندگانِ حضور ممدوح الاوصاف نے راجہ صاحب کو اعلیٰ خطاب مہاراجگی
اور نوبت اور جھالردار پالکی سے ممتاز فرمایا اور ایک کروڑ روپیہ قرض کے

ریمارک
بقیہ
جلد اول

اور نیز افضل الدولہ نظام الملک میر تہنیت علی خاں
بہادر آصف جاہِ خامس اپنے اپنے زمانہ اور عہدہ میں

ابو الفخر شیخ محمد فخر الدین خاں بہادر بہ القاب و مدارجہ کے مکان پر آمد و رفت
برابر جاری رکھتے تھے۔ آپ علم دوست امیر تھے۔ چنانچہ علم ہندسہ
میں آپ کی تالیف شمس الہندسہ نام کتاب موجود ہے۔ اس کے علاوہ
علم جرثقیل ہیئات آب ہوا انظار برق میں بھی انہیں کے تالیف
رسالے موجود ہیں۔ آخر انہوں نے ۱۲۷۹ھ بارہ سو اناسی ہجری میں
انتقال فرمایا۔ ان مرحوم کا سلسلۂ خاندان محمد سلطان الدین خاں
سبقت جنگ محتشم الدولہ بشیر الملک بہادر اپنے تیسرے
فرزند اور محمد رشید الدین خاں جنگ اقتدار الدولہ اقتدار
الملک بہادر چوتھے فرزند سے جاری ہوا اور موجود ہے۔ چنانچہ ہم
ابھی بیان کرتے ہیں۔

محمد سلطان الدین خاں سبقت جنگ محتشم الدولہ بشیر الملک بہادر
کے فرزند ہز اکسلنسی محمد مظہر الدین خاں رفعت جنگ
بشیر الدولہ عمدۃ الملک اعظم الامرا امیر اکبر سر آسمان جاہ
بہادر کے سی آیس آئی موجود ہیں۔ اور بہ فضل خدا دولت آصفیہ
حیدرآباد دکن کے آج وزیر اعظم اور دستور معظم ہیں (دیکھو ہماری کتاب کا

کے طور پر بھی مرحمت فرمایا۔ چوں کہ سنہ ۱۸۲۱ء مطابق سنہ ۱۲۳۷ ہجری میں
مہاراجہ چندولال نے ایسی تدابیرِ شائستہ کی تھیں کہ صاحبزادہ مبارز الدولہ

بقیہ حاشیہ بمبر اوّل

خاتمہ بھی) اور یہ کہ افضل الدولہ نظام الملک میر تہنیت علی خاں بہادر
آصف جاہ خامس کی صاحبزادی یا یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ

ہز ہائینس آصف جاہ مظفر الممالک نظام الملک نظام الدولہ جناب میر محبوب علی خاں بہادر فتح جنگ جی سی ایس آئی آصف جاہِ سادس

خلّد اللہ ملکہم پادشاہ حیدرآبادِ دکن کی ہمشیرہ پرورش النسا بیگم صاحبہ کی انہیں کے ساتھ شادی بھی ہے۔ آپ کی پیدائش کا سنہ ۱۲۶۵ بارہ سو پینسٹھ ہجری نبوی ہے۔ اس حساب سے آپ اب بیالیسویں ۴۲ برس میں ہیں۔ ہمارے ہز اکسلنسی کی تعلیم اور پرورش سنہ مذکورہ کے کورس اور رواج کے مطابق ایشیائی پرنس یا یوں سہی کہ ڈیوک کے موافق ہوئی۔ سلطنت کے اصولوں کی تعلیم کے ساتھ سپاہ گری کا فن بھی سکھایا گیا۔ چوں کہ آپ کا ذہن قدرتی طور پر اچھا ہے۔ اس لیئے تحصیل سے فارغ ہو کر ملکی کاموں میں حصہ لینے کے لیئے قابلیت ظاہر کی۔

بہادر قلعہ سے حیدرآباد فرخندہ بنیاد میں خود بہ خود داخل ہو گئے تھے۔
اس لیئے مہاراجہ صاحب کو جواہر بیش قیمت اور علم اور نقارہ اور ہفت

ریمارک بقیہ نمبر اوّل

تقریباً اکیس ۲۱ سال کی عمر میں آپ سلطنت آصفی کی وزارت اعظم کے مشیر باتدبیر ہو گئے۔ پولیٹکل اُمور میں آپ بہ خوبی انٹرسٹ لیتے رہے۔ اور یہ کہ وزارتِ عدالت کے جلیلہ عہدہ کو بھی ہزاکسلنسی ممدوح الاوصاف نے بہت خوبی کے ساتھ نبھایا۔ اور اکیسویں ۲۱ سال کی عمر ہی میں آپ کو باوجود اعلیٰ درجہ کی امارت اور ایالت اور سرکاری کاموں کے سرانجام کے انگریزی زباں دانی کے حاصل کرنے کا بھی شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ آپ انگریزی زبان بول لیتے ہیں اور بقدر ضرورت لکھ پڑھ بھی سکتے ہیں۔ چوں کہ اِس سلطنت کی رعایا برایا کی زبان اُردو و تلنگی مرہٹی اور کنڑی ہے۔ اِس لیئے آپ کو اِن سب زبانوں میں علاوہ فارسی اور انگریزی کے خوب دخل اور مہارت ہے۔

وزارتِ عدالت کے معزز عہدے کی تنخواہ آپ کو چھ ہزار روپیہ ماہوار ملتی تھی مگر ہمارے ہزاکسلنسی کو اِس کی چنداں پروا نہ تھی کیوں کہ انتیس ۲۹ لاکھ روپیہ سالانہ آمدنی کی آپ کی جاگیر ہے۔ البتہ یورپ کے اعلیٰ خاندانوں کے ممبروں کی مانند آپ کو اس خداداد سلطنت کی خدمت گزاری اور خیرخواہی بہ وجوہ فرض تھی۔ اَب اگر وزارتِ اعظم کے عالیشان عہدے کی ماہانہ تنخواہ پندرہ ہزار ۱۵۰۰۰ دیا یوں سہی کہ کچھ کم ۲

ہزاری منصب اور چھ ہزار سوار بندگان اعلیٰ حضرت سے مرحمت ہوئے
۱۸۳۲ء مطابق ۱۲۴۴ ہجری میں حضورِ سکندر جاہ بہادر خلد بریں کو سدھارے

بیان بقیہ نمبر اوّل

دو لاکھ سالانہ) ہے۔ ہمارے ہز اکسلنسی کو اب بھی کچھ پروا نہیں کیوں کہ جاگیر کے علاوہ جس کا تذکرہ ہم پچھلی ہی سطروں میں کر آئے ہیں کروڑوں روپیہ آپ کے پرائیویٹ خزانہ میں موجود ہے۔ اس عہدہ کی قبولیت کی وجہ تنخواہ اور اُس جاگیر پر مُحوّل کرنا جو وزارتِ اعظم کے مُتعلق ہے جس جاگیر کی آمدنی کی تعداد پندرہ لاکھ روپیہ ہے بہت ہی کم ظرفی اور پست ہمتی کا خیال ہے۔ بلکہ اس عہدے کی قبولیت کی وجہ کنگ آف دی حیدر آبادِ دکن حضورِ پرنور آصف جاہِ سادس کا ارشاد ہے۔ چنانچہ ہمارے ہز اکسلنسی جیوبلی کے جشن کی تقریب پر سلطنتِ آصفیہ کی طرف سے ہنوز انگلینڈ ہی میں تشریف رکھتے تھے۔ کہ ہز ہائینس تاجدارِ حیدر آباد دکن کی جانب سے وزارتِ اعظم تار برقی کے ذریعے سے سپرد کی گئی۔ اس جاہ و ثروت کے علاوہ آپ کی ذاتی فوج بھی ہے اور ذاتی ہی توپخانہ بھی ہے۔ بس آپ حیدر آبادِ دکن کی بادشاہت کے حقیقت میں دست و بازو ہیں۔ جن سے یہ عُہدہ آپ پر منتقل ہوا یعنی خود خلد آرامگاہ ہز اکسلنسی سر میر لائق علیخاں بہادر [مستعفی وزیرِ اعظم اور دستورِ مُنظّم جن کی اپنے پُشتینی آقا ولی نعمت سے نہ بنی] خلف ارشد مختار الملک سر سالار جنگ بہادر فردوس منزل ایک جگہ لکھتے ہیں کہ امیر اکبر سر آسمان جاہ بہادر بالقابہ و مدارجہ کے لیے ہر طرح سے

اور ہز ہائینس ناصر الدولہ بہادر تخت نشین ہوئے۔

جنابِ ممدوح الاوصاف نے مہاراجہ صاحب کی مدبرانہ کارروائیاں

ریمارک بقیہ نمبر اوّل

وزارتِ اعظم کا معزز عہدہ موزوں بھی ہے اور حق بجانب بھی ہے۔
ہز اکسلنسی زیربحث کے پبلک پولیٹکل اور پرائیویٹ کیرکٹر کی نسبت
ہم ایک سچے مورخ کی مانند کہہ سکتے ہیں۔ کہ آپ ایک بارعب امیر ہیں جو
ایسی بڑی سلطنت کے لیئے جس کی رعایا کا شمار کروڑوں تک پہنچا ہوا ہے
اور یہہ کہ دن بہ دن ترقی پر ہے موزوں اور انسب ہیں۔ باوجود ذاتی رعب
کے تمکنت کا نام ونشان تک بھی نہیں۔ یا یُوں کہیں کہ آپ پرلے درجہ کے
بُردبار اور متحمل ہیں اور یہہ کہ غائت درجہ کے خوش اخلاق اور متواضع ہیں۔
یورپ کے رہنے والوں میں اس قدر لبرٹی کا فیلنگ ہے کہ اگر
اُن کا کنگ ہو یا امپیرر متواضع اور وسیع اخلاق نہ ہو۔ تو اُس سے دوبدو
گستاخانہ پیش آتے ہیں۔ چہ جائے کہ کسی اَور ملک کا باشندہ کج اخلاق ہو
اور مودّب نہ ہو۔ کیوں کہ ایسے کو وہ چٹکیوں پر اڑاتے ہیں۔ لیکن ہمارے
ہز اکسلنسی کے سنجیدہ اور شائستہ اخلاق نے اُن پر ایسی جادو کی پڑیا ڈالی کہ پہلے
انگلستان کی جہانگیر سلطنت کے رکنِ رکین لوگوں کی مجارٹی نے آپ کو شہنشاہی
دعوت میں شریک کیا۔ اور پھر اٹلی روم کا کنگ بھی شاہانہ مدارات اور تواضع
سے پیش آیا۔ اگر خدانخواستہ آپ مجسّمِ اخلاقِ حسنہ نہ ہوتے تو گو گورنمنٹ آف دی
حیدر آبادِ دکن کے ایجنٹ ہی کیوں نہ ہوتے۔ مگر ناممکن تھا کہ کامیاب ہوکر
آتے۔ حالانکہ واں سے آپ پوری پوری کامیابی کے ساتھ واپس تشریف
لائے۔ ایک اَور بات بھی ہے۔ کہ اگر آپ کو پولیٹکل نازک اور مشکل

اور ملکی خوش انتظامیاں ملاحظہ فرما کر اپنی سریر آرائی کے ایک ہی سال بعد
مہاراجہ صاحب کو علاوہ اور خطابوں کے جو ان کے بزرگ عطا کر چکے

ریمارک بقیہ نمبر اوّل

امروں میں تجربہ نہ ہوتا۔ تو کیسے ممکن تھا کہ آپ کی پاپلیریٹی یورپ کے
شاہانہ اہلِ دربار اور واں کے صاحب شوکت و حشم لوگوں میں سچے
سحر کا سا اثر کرتی **غرض** کہ ہز اکسلنسی ممدوح الاوصاف کے
پبلک پولیٹیکل اور پرائیویٹ کیرکٹر باہم ایسے پیوستہ اور ان میں اسقدر
اتحاد ہے کہ ان کا علیحدہ علیحدہ کرنا ازبس مشکل کام ہے۔ لارڈ کانیمرا
گورنر مدراس اور ڈیوک آف کناٹ بلکہ پرنس البرٹ وکٹر
خصوصاً سلطنت حیدر آباد دکن کے نئے امباسیڈر یا رزیڈنٹ
سر ڈی فٹز پیٹرک کے سی ایس آئی صاحبان اور سوا
اسکے اور اعلیٰ درجہ کے انگریزوں کی ہز اکسلنسی کے بارہ میں یہی
رائے ہے جو ہم نے بیان کی ہے۔ پولیٹکل مینک اور دوربینی
سے آپ کے کیرکٹر اس سے زیادہ قابل تعریف اور کیا ہوں گے۔

کہ باوجود اس عظمت اور شان اور اس درجہ کی اہمیت اور شوکت کے
اور باآنکہ حضرت اعلیٰ بندگانِ حضور انور بادشاہ حیدر آباد دکن سے
اس قدر قربت قریبہ اور رشتہ داری ہے۔ تو بھی ہمارے ہز اکسلنسی
حیدر آباد دکن کے کنگ کو اپنے خداوند اور آقا سے نعمت سمجھتے ہیں
اور اپنے کو حضور ممدوح الوصف کا نمکخوار اور خانہ زاد جانتے ہیں۔ آقائے نعمت
اور نمکخوار میں اس قسم کا اتحاد اور یکتائی اور اس پر اس درجہ کی فرماں پذیری
اور وفاداری اس سلطنت خداداد کی سرسبزی اور رعایا کی آبادی کی فرخ

تھے راجۂ راجایان کا خطاب اضافہ فرمایا - اور وہ کروڑ روپیہ کی رقم اگرچہ یوں ہی قرض کے نام سے تھی تاہم اپنے مراحم خسروانہ سے

ریمارک بقیہ نمبر اوّل

دلیل ہے - ایسی ہی سلطنتیں مبارک اور صاحب اقبال ہوا کرتی ہیں جن کے تاجدار اور مدار المہام میں کلّی اتفاق ہو - جیساکہ اوپر تذکرہ ہوا

محمد رشید الدین خاں جنگ اقتدار الدولہ اقتدار الملک بہادر کی شادی سکندر جاہ آصف جاہ ثالث کی صاحبزادی عصمت النسا بیگم صاحبہ سے ہوئی جو ناصر الدولہ آصف جاہ رابع کی ہمشیرہ محترمہ ہوئیں - معتمدی حفاظت ثبت مہر سلطنت اور نگرانی مضامین خریطہ ہائے دولتین (دولت برٹش اور دولت آصفیہ) کی خدمت بھی ان کو تھی آپ بھی علم دوست امیر تھے - حیدرآباد دکن کی تاریخ رشید الدین خانی نام آپ ہی کے عہد میں تالیف ہوئی - محمد رشید الدین خاں سے العاد و مدارجہ مغفور کا سلسلۂ خاندان - سر محمد محی الدین خاں خورشید الدولہ خورشید الملک خورشید الامرا خورشید جاہ تیغ جنگ بہادر کے سی آئی ای ان کے فرزند اول اور محمد فضل الدین خاں سکندر جنگ اقبال الدولہ اقتدار الملک وقار الامرا بہادر ان کے فرزند دوم سے چلتا ہے

محمد محی الدین خاں خورشید الدولہ خورشید الملک خورشید الامرا خورشید جاہ تیغ جنگ بہادر کی شادی آصف جاہ خامس یعنی افضل الدولہ بہادر کی بڑی صاحبزادی حسین النسا بیگم صاحبہ سے ہے - یا یوں سہی کہ ہمارے اعلی حضرت بندگان حضور پرنور آصف جاہ سادس کنگ آف دی حیدرآباد

معاف فرما دی - اور علاوہ اس کے عزت افزائی کی راہ سے کئی بار مہاراجہ صاحب کے دولت خانہ پر تشریف فرما ہوئے۔ ۱۸۲۵ء

ریمارک بقیہ نمبر اول

دکن کنگڈم کی جناب بیگم صاحبہ ممدوحہ ہمشیرہ معززہ معظمہ اور محترمہ ہیں آپ بھی ماشاء اللہ اپنے باپ اور دادے کی مانند علم دوست امیر ہیں چنانچہ حیدرآباد دکن کی ایک اور تاریخ جس کا نام خورشید جاہی ہے آپ ہی کے عہد امارت میں تالیف ہوئی ہے۔ - اور محمد فضل الدین خاں سکندر جنگ اقبال الدولہ اقتدار الملک وقار الامرا بہادر کی شادی بھی افضل الدولہ آصف جاہ خامس کی صاحبزادی جہاندار النسا بیگم صاحبہ کے ساتھ ہے جو ہمارے حضور پُرنور آصف جاہ سادس کی ہمشیرہ عزیزہ ہیں اور یہہ صاحب بہ فضل خدا سلطنت حیدرآباد دکن کے وزیر مال ہیں - محمد محی الدین خاں بہادر بہ القابہ و مدارجہ کے دو فرزند ہیں محمد فیض الدین خاں اِمامِ جنگ بہادر اور محمد حفیظ الدین خاں ظفر جنگ بہادر - اور یہہ کہ محمد فضل الدین خاں بہادر بہ القابہ و مدارجہ کے بھی دو فرزند ہیں - اول محمد مختار الدین خاں بہادر سلطان الملک یہہ خوش رو اور ہونہار نوجوان ہمارے اعلیٰ حضرت ہز ہائنس میر محبوب علی خاں بہادر آصف جاہ سادس سریر آرائے دولت آصفیہ حیدرآباد دکن خلد اللہ سلطنتہم کے ہمشیرہ زادہ ہیں - اور دوم محمد ولی الدین خاں بہادر ہیں - چونکہ ہم کو سکندر جنگ اقبال الدولہ اقتدار الملک وقار الامرا بہادر اور ظفر جنگ بہادر کے حالات سے ذاتی واقفیت بھی حاصل ہے - اس لیئے ہم اُن کی نسبت کسی اور کی محتاجی

مطابق سنہ ۱۲۴۸ ہجری میں جب نواب منیر الملک بہادر مدار المہام راہئی جنت ہوئے تو چند سے تامل کے بعد مرحوم دیوان کے خلف الصدق

ریمارک کے بغیر اپنی ہی رائے ظاہر کرتے ہیں۔ اور وہ یہہ کہ سکندر جنگ

بقیہ اقبال الدولہ اقتدار الملک وقار الامرا بہادر واقع میں ایک

نمبراول

اقبال مجسم اور دربار آصفیہ کے موجودہ امیروں کی آبرو ہیں۔ علم تاریخ

کی رو سے جو اقبال اور ادبار کی علامات کی شناخت کے لیئے سب سے

اعلیٰ سچی اور مسلمہ **معیار** ہے ثابت ہے۔ کہ اقبال الدولہ بہادر

کے وجود باجود میں صاف اور صریحا اقبال کی علامتیں اور آثار ہیں

نہائت درجہ کے حسین ہیں۔ گویا اس مشہور اور صحیح حدیث نبوی کے

مصداق ہیں کہ اُطلُبُ الخَیرَ عِندَ حِسَانِ الوُجُوہِ اُن کے

مزاج میں عام انسانی ہمدردی پائی جاتی ہے۔ اور اپنے خداوند نعمت

دولت آصفیہ کے چشم وچراغ کی فرماں پذیری اور وفاداری تو اُن میں

گویا مرکوز ہے۔ چوں کہ وہ سلطنت آصفیہ کے وزیر مال ہیں اس لیئے

اُن کی کارروائیوں سے یہہ امر ثابت ہے۔ کہ وہ رعایا نظام کی آبادی

اور مرفہ الحالی چاہتے ہیں۔ جو عین سلطنت کی خیرخواہی ہے۔ وہ اگرچہ امیر

ابن امیر ہیں مگر ایک تمکنت جو غرور کے ساتھ گویا لازمی ہوتی ہے

اُن کے وجود میں مفقود ہے۔ وہ اپنے مسلمہ عقائد میں پکے ہیں لیکن

اس پر بھی پورے وسیع خیال اور ہر دل عزیز ہیں۔ الغرض سلطنت آصفیہ

کو ہم مبارکباد دیتے ہیں۔ کہ جن کے رکن رکین مسٹر سکندر جنگ اقبال الدولہ

اقتدار الملک وقار الامرا بہادر جیسے ہوں۔ اور یہہ آپ صاحب اولاد

نواب سراج الملک بہادر مدارالمہام کے اعلیٰ عہدہ پر سرافراز کیے گئے یہہ زمانہ جو مذکورہ بالا سنہ کے بعد شروع ہوتا ہے کئی ایک کا

ریمارک بقیہ حصہ اوّل

بھی ہیں جیسا کہ بیان کیا گیا ہے - ہمارے ہز اکسلنسی ظفر جنگ بہادر بھی جو حسین اور صالح نوجوان ہیں - آصف جاہ سادس یعنی کنگ آف حیدرآباد دکن کے ہمشیرہ زادہ ہیں - انگریزی عربی فارسی اور اُردو میں بہت خوب مہارت رکھتے ہیں - عمدہ اور مناسب اُمور میں اس عالم شباب میں اُن کو مذاق ہے - اور نامناسب اور غیر واجب باتوں میں توجہ کا نہ ہونا تو ایک طرف رہا بلکہ اُن سے کُلّی نفرت ہے خاص کر باوجود امیر ابن امیر اور اعلیٰ درجہ کے عالی جاہ ہونے کے اس نوجوانی میں سچے منکسر مزاج اور وسیع اخلاق ہیں - ولائت یورپ کی سیاحت نے اُن کی آنکھوں اور دماغ کو اور بھی روشن کر دیا ہے - بندگان حضور پُرنور پادشاہ حیدرآباد دکن اپنے لائق اور مہذب ہمشیرہ زادہ کو بہت عزیز اور محترم رکھتے ہیں حضور ممدوح الاوصاف کے ساتھ اُن کو سچی محبّت ہے بلکہ دل و جان سے فرماں پذیر اور وفادار ہیں -

فی الجملہ اَب ہم اس ریمارک کے پہلے حصّہ کو جو اَمیرِ کبیر شمس الاُمرا فیملی کے متعلق ہے تمام کرتے ہیں - او یہ کہ اس عالی خاندان والا دُودمان کا شجرۂ* نسب بھی پیش کرتے ہیں جس سے ناظرین گویا اس رائل فیملی کو براالعین ملاحظہ فرمالیں گے - ناظرین کو معلوم رہے کہ اس خاندان کے ساتھ نوّاب اور ہز اکسلنسی کا خطاب گویا مسلسل جاری ہے - ہم نے اختصار کی پابندی سے ایسی لازمی

(متعلق صفحہ ۱۲۶)

مختصر شجرۂ نسب امیر کبیر شمس الامرا بہادر حیدر آباد دکن

شیخ بہاء الدین خان مرحوم

محمد ابو الخیر خان شمشیر بہادر امام جنگ بہادر مغفور

محمد ابو الفتح خان شمس الدولہ شمس الملک شمس الامرا بہادر تیغ جنگ مبرور

محمد ابو البرکات خان مغفور
لاولد

ابو الفخر شیخ محمد فخر الدین خان شمس الدولہ شمس الملک شمس الامرا امیر کبیر ثانی مرحوم

محمد بدر الدین خان مبرور
لاولد

محمد رفیع الدین خان مرحوم
لاولد

محمد سلطان الدین خان سیف جنگ محتشم الدولہ بشیر الملک بہادر مغفور

محمد رشید الدین خان جنگ اقتدار الدولہ اقتدار الملک بہادر مبرور

محمد ظہیر الدین خان مرحوم
لاولد

ہز اکسلنسی محمد مظہر الدین خان رفعت جنگ بشیر الدولہ عمدۃ الملک مظفر الامرا امیر کبیر سر آسمان جاہ بہادر کے سی ایس آئی

محمد محی الدین خان خورشید الدولہ خورشید الملک خورشید الامرا خورشید جاہ تیغ جنگ بہادر

محمد افضل الدین خان سکندر جنگ اقبال الدولہ اقتدار الملک وقار الامرا بہادر

وجہوں اور واقعات کی وجہ سے بڑا ہی پُر آشوب رہا - ہم نے پُر آشوب اس سبب سے کہا کہ ۱۸۲۵ء مطابق ۱۲۴۸ ہجری سے ۱۸۴۳ء مطابق

ریمارک بقیہ نمبر اوّل

باتوں سے قطع نظر کی ہے - اگر اس ریمارک اور اس شجرہ نسب میں ہم سے کمی بیشی ہوئی ہے تو ناظرین ہم کو معاف رکھکر خود اسکا تکملہ کرینگے -

اس میں شک نہیں کہ یہہ صرف ایک ریمارک ہے - جس میں زیادت سے اختصار پر نظر ہوتی ہے - اگر ہم اس مُحتشم اور صاحبِ شوکت خاندان کے ممبروں کے مُتعلق واقعات لکھنے پر آتے تو ایسی ہی ایک دُوسری کتاب مُدوّن ہوتی -

اب ہم ریمارک کے دُوسرے حصّہ کی طرف مُتوجہ ہوتے ہیں یعنی فردوس منزل میر تُراب علی خاں سر سالار جنگ مختار الملک بہادر بالقابہ و مدارجہ کی خاندانی ہسٹری کو نذرِ ناظرین کرتے ہیں - اور اس میں بھی اختصار ہی کی پابندی کریں گے -

(دُوسرا) مُختار المُلک ۱۰۴۸ھ ایک ہزار اڑتالیس ہجری نبوی میں والئے ایران شاہ صفی تھے اور تخت نشین ہندوستان جنّت نشان شاہ جہاں بادشاہ - ایک تُرکمان جو مشہد مقدّس کی نواح کے رہنے والے تھے سالار جنگ محمّد درگاہ قلی خاں نام ہند میں وارد ہوئے - یہہ سالار جنگ محمّد درگاہ قلی خاں بڑے مُمتاز اور اولُوالعزم رئیس خاندان قُلی خان کے خلفِ ارشد تھے سالار جنگ مُحمّد درگاہ قُلی خاں نے اپنی لیاقت اور رسائی اور اقبالِ خُداداد کے تصدّق سے شاہ جہاں بادشاہ کے حضُور سے نواح ٹھٹھہ میں جاگیر

۱۲۶۶ھ ہجری تک کے واقعات جو اٹھارہ ۱۸ برس کی مدت ہوتی ہے خود ہمارے ادّعا کے شاہد ناطق ہیں۔ حتیٰ کہ انھوں نے ہمکو تاریخی ثبوت پائوں

ریمارک بقیہ نمبر اوّل

پائی اور منصب بھی پایا۔ علاوہ اس کے شاہ موصوف کی سرکار میں سپہ سالار بھی رہے جو اس عہد میں ایک اعلیٰ رتبہ اور معزز درجہ کی خدمت تھی جس پر آج دولتِ انگلینڈ میں بڑے بڑے لارڈ مقرر ہوتے ہیں۔ ان کی فطرتی لیاقت اور لیاقت پر جرأت اگر از بھی سچ کہیں تو خوش نصیبی نے ان کو بادشاہ ممدوح الاوصاف کے قابل ہونہار پرنس محی الدین کی جو تخت اور تاج نصیب ہونے پر حضرت اورنگ زیب عالمگیر کے خطاب سے مخاطب اور مشہورِ عالم ہوئے مصاحبت کے اعلیٰ اور نازک عہدے کی معراج پر پہنچایا۔ جب پرنس موصوف الوصف اپنی شاہزادگی کے ایام میں دکن ہوتے ہوئے (دیکھو کتاب مآثر الامرا وغیرہ) اپنے والدِ ماجد کے دار الخلافہ میں رونق افزا ہوئے۔ تو سالار جنگ محمد درگاقلی خاں کو جنّت کا سفر پیش آیا۔ اس با اقبال اور عاقبت بخیر پائوں سہی کہ انجام بخیر کے فرزندِ ارشد نوروز علی خاں بیجاپور کی قلعداری پر بادشاہ سلامت کے ارشاد سے متعیّن ہوئے۔ اُن دنوں بہ وجوہ یہ قلعداری کا عہدہ بڑی ذمہ داری کی خدمت تھی۔ نوروز علی خاں بھی اپنے مقرری وقت پر ارم کی جانب بسدھارے۔ ان کے صاحبزادے خاندان قلی خاں منصب اور جاگیر کے علاوہ خجستہ بنیاد اورنگ آباد کی صوبہ داری پر جو مغل بادشاہوں کے عہد میں بڑا معزز اور محترم عہدہ سمجھا جاتا تھا مقرر رہے۔

جب اپنی معمولی عادت سے شاہجہانی زمانہ خواب و خیال اور ایک

کہیں کہ ہسٹاریکل پروف کا محتاج نہیں ہونے دیا۔ منجملہ اُن کے
ہم چند پیش کرتے ہیں جن میں چنداں پیچیدگیاں نہیں۔

ریمارک بقیہ نمبر اوّل

افسانہ سا ہو گیا۔ اور یہہ کہ اورنگ زیبی وغیرہ عہد کا بھی صرف نام ہی رہ گیا
تو محمد شاہی مشہور عالم زمانہ نازل ہوا۔ مورخوں نے سلطان ابو الحسن
تاناشاہ کے مزاج اور عہد کو محمد شاہی زمانے اور اُن کے مزاج سے
تشبیہہ دی ہے۔ مگر ہم محمد واجد علی شاہ بادشاہ اودھ کو بھی اسی
زمرہ میں داخل کرتے ہیں۔ اور اس کے باور کرا دینے والی وجہیں ہمارے
پاس ہیں گو تاریخ کے ماہروں کو ان کی حاجت نہ ہو گی۔ خیر محمد شاہ بادشاہ
کے عہد دولت میں نادر شاہ بادشاہ ایران کا ہند میں نازل ہونا اور پھر چلے جانا
اُس دور دورہ کا ایک ضمیمہ ہے۔ مندرجہ حاشیہ اشعار محمد شاہ بادشاہ
کی طرف منسوب کیے گئے ہیں
مگر ہم کو معلوم نہیں عجب
نہیں کہ بادشاہ سلامت
ہی کے ہوں۔ لیکن اس میں
شک نہیں کہ بادشاہ موصوف
کے عہد کا ان اشعار میں ٹھیک

چمن کے تخت پر جس دن شہ گل کا تجمل تھا
ہزاروں بلبلوں کی فوج تھی اور شور تھا غل تھا
خزاں کے دن جو دیکھا کچھ نہ تھا جز خار گلشن میں
بتاتا باغباں رو رو یہاں غنچہ یہاں گل تھا
بجائے آب دریاؤں میں گویا خاک اڑتی تھی
نہ کشتی کوئی چلتی تھی نہ باقی واں کوئی پل تھا

خاکہ کھینچ کر دکھایا ہے۔ اُن کے عہد میں ہند کا یہی حال تھا۔ خاندان
قلی خاں سے آصف جاہ اوّل میر قمر الدین خاں بہادر کا
جو فرخندہ بنیاد حیدرآباد دکن کی فرماں فرمائی کے علاوہ محمد شاہی دربار
دربار کے بھی ایک رکن رکین اور وکیل مطلق تھے مصاحبت کا تعلق

(۱) جس طریقہ سے سلطنتِ آصف جاہی کی آمدنی بڑھائی جاتی تھی وہ ایک عمدہ سلطنت کے اصول کے مقابل نامطبوع اور برٹش گورنمنٹ

ریمارک بقیہ نمبر اوّل

پیدا ہو چکا تھا۔ خاندان قلی خاں کے خلف ارشد درگاہ قلی خانِ ثانی منصب اور جاگیر کے حاصل کرنے کے علاوہ بڑی بڑی اعلیٰ خدمتوں کی سرانجام کی وجہ سے ایک اعلیٰ رتبہ کے صاحب رسوخ ہوئے۔ حتیٰ کہ اِس بہادر اور مدبر کو اُس وقت کی ملکی مصلحتوں کے لحاظ سے کچھ عرصہ خاص نادر شاہ بادشاہ کے ہمراہِ رکاب بھی رہنے کا اتفاق ہوا۔ اِس نازک خدمت کے سرانجام میں جو بادشاہِ ہند کے ارشاد سے تھی درگاہ قلی خاں کے حق میں بڑے بڑے عمدہ نتیجے نکلے۔ سچ بھی ہے نادر شاہ کے مزاج کی کیفیت اِس مختصر ریمارک میں بیان نہیں ہو سکتی اُس کے لیئے ایک دفتر بکار ہے۔ (اگر کسی کو شوق ہو تو جنرل سر جان ملکم کی تاریخ ایران اور الفنسٹن ہسٹری آف انڈیا یا شمس العلما مولوی محمد ذکاء اللہ دہلوی کی تاریخ ہند کو دیکھے کہ نادر ایک بلا مجسم آدمی تھا یا کس آفت کا پرکالہ تھا) پس اُس کے دربار میں سرخ رُوئی حاصل کرنا درگاہ قلی خاں کے حق میں اکسیرِ اعظم ہو گئی۔ اِس میں شک بھی نہیں کہ بہت ہی اعلیٰ درجہ کی لیاقت اور جرأت کا کام تھا جو درگاہ قلی خاں سے ظہور پذیر ہوا۔ ناصر جنگ شہید اور پھر صلابت جنگ کے زمانوں میں بھی وہ مدارجِ عالی پر روز افزوں ترقی کرتے گئے۔ حتیٰ کہ پنج ہزاری منصب اور نیز سالار جنگ مؤتمن الدولہ کے خطاب سے مخاطب ہوئے اورنگ آباد کی صوبہ داری کو بھی عزت بخشی۔ آصف جاہِ ثانی کے حضور سے

کے اِنڈپنڈنٹ کارکنوں کی نظر میں اعتراضوں کے لیئے ایک آماجگاہ تھا۔

ریمارک بقیہ

ہفت ہزاری منصب اور سالار جنگ موتمن الدولہ کے خطاب پر موتمن الملک بڑھایا گیا۔ اور اِن سب کے علاوہ فیل سواری اور خانِ دوراں بہادر اوّل کے معزز لقب سے بھی ملقب کیئے گئے۔

یاں تک ہم نے مختار الملک سر سالار جنگ میر تراب علی خاں جنت آرامگاہ کے ننیال کی خاندانی تاریخ لکھی ہے۔ اب ہم اُس ارم نشین کے ودیال کی ہسٹری بھی نذرِ ناظرین کرتے ہیں۔ مگر یاد رہے کہ اِس میں بھی ہم کو اختصار ہی کی پابندی لازمی ہے۔

سنہ ۱۱۵۲ھ ایک سو باون ہجریہ نبویہ میں جس کو آج ساڑھے گیارہ سو برس ہونے میں آتے ہیں۔ عرب کے مردم خیز خطہ سے ایک عالیجاہ خاندان آکر فرخندہ بنیاد حیدرآباد دکن کے متعلق اورنگ آباد خجستہ بنیاد میں سکونت پذیر ہوا۔ اُن دنوں اُس بستی کا نام یہہ نہ تھا بلکہ کھڑکی تھا۔ اورنگ آباد حضرت محی الدین اورنگ زیب عالمگیر نے نام رکھا تھا۔ اُس خاندان کی **یادگار** ایک اولوالعزم **شمس الدین حیدر** نام ہوئے۔ جنہوں نے فرماں روایانِ حال دکن کے مورثِ اعلیٰ آصف جاہ اوّل میر قمر الدین خاں بہادر فردوس مکان کے حضور سے اپنی خوش لیاقتوں کی وجہ سے **حیدر یار خاں شیر جنگ منیر الدولہ منیر الملک بہادر** کا خطاب حاصل کیا۔ اور نادر شاہی ہڑ دنگے میں جو اُسی عہد میں تھا بڑے بڑے نمایاں کام کیئے

(۲) کنٹنجنٹ فوج کے خرچ یا اور سرکار نظام کے قرضہ ادا کرنے کی ضرورت پر عربوں اور پٹھانوں سے بے انتہا سود پر روپیہ کا

ریمارک بقیہ نمبر اوّل

اِن کے خلفِ ارشد محمد صفدر خان بہادر ہوئے جو چھ ہزاری منصب پانے کے علاوہ چھ ہزار سوار ہمرکاب رہنے کا رُتبہ حاصل کیا۔ اور یہہ کہ مدار المہام صوبجاتِ دکن بھی رہے۔ اَب یہہ بات **یاد** رہے کہ محمد صفدر خاں بہادر کو غیور جنگ اشجع الدولہ اشجع الملک خانِ خاناں کا لقب بھی ملا۔ اِن کی شادی سالار جنگ درگاہ قلی خان کی دختر نیک اختر کے ساتھ ہوئی منیر الملک ثانی اُس سے پیدا ہوئے منیر الملک ثانی کے صاحبزادوں میں سے اشجع الملک اور شجاع الدولہ سالار جنگ ثانی تواریخی ہوئے۔ چنانچہ اشجع الملک کے فرزند رشید نوّاب منیر جنگ اشجع الدولہ ثانی اَب حی اور قائم موجود ہیں شجاع الدولہ سالار جنگ ثانی کے خلف الصدق ہز اکسلنسی سر میر تراب علی خان مختار الملک سالار جنگ ثالث جی سی ایس آئی وغیرہ ہوئے۔ یہی وہ فردوس آرامگاہ مشہور و معروف شخص ہیں جن کو قوم نے بسمارکِ ہند لقب دیا تھا جو سی ۳۰ برس یک سال تک سلطنتِ حیدر آباد دکن کے وزیر اعظم اور دستورِ معظم رہے۔ اِن کی زندگی کے کارنامے اِن کی حیات سے معلوم ہو سکتے ہیں جس کو مولوی سید حسین بلگرامی بی۔ اے عماد الدولہ سکرٹری بندگانِ اعلیٰ حضرت آصف جاہ سادس نے تصنیف کیا ہے۔ اِن کو خدا نے دو فرزند بخشے تھے پہلے سر میر لائق علی خان

قرض لینا اور کفالت کے طور پر تعلقے کے تعلقے اُن کے
سپرد کر دینا سلطنت آصفیہ کے حق میں سخت مُضر تھا۔

ریمارک بقیہ نمبر اوّل

بہادر سالارجنگ رابع مُنیر الدولہ مختار الملک عماد السلطنۃ
کے سی ایس آئی اور دُوسرے میر سعادت علی خان بہادر
غیور جنگ شجاع الدولہ مُنیر المُلک۔ پہلے فرزند سنہ ۱۲۸۱ بارہ سو
اکیاسی ہجری میں پیدا ہوئے۔ اور سنہ ۱۳۰۱ تیرہ سو ایک ہجری میں کنگ
آف دی حیدر آباد دکن آصف جاہِ سادس کی محض نیک نیّتی سے وزیر اعظم
اور دستورِ معظّم ہوئے۔ اور یہہ کہ سنہ ۱۲۹۶ بارہ سو چھیانوے فصلی میں وزارت
سے مستعفی ہوئے۔ اور خدائے پاک کی مرضی کے مطابق تاریخ ہشتم ذیقعدہ سنہ ۱۳۰۶ تیرہ سو
چھ ہجریۂ نبویّہ کو جنّت کو سدھارے۔ دوسرے فرزند جن کی پیدائش کا سنہ ۱۲۸۲
بارہ سو بیاسی ہجری ہے جو سلطنتِ موصُوف کے وزیرِ مال تھے۔ اسی سنہ
ہجریّۂ نبویّہ یعنی تیرہ سو سات ۱۳۰۷ میں راہیِ آرام ہوئے۔ پہلے فرزند کے ہاں
ایک نرینہ فرزند ہے جس کی عمر ایک سال کی ہے۔ بندگانِ اعلیٰ حضرت
آصف جاہِ سادس کی کمال درجہ کی قدر افزائی کی وجہ سے ساڑھے سات ہزار
روپیہ ماہوار کی پنشن جو اس یتیم بچّہ کے جنّت آرام گاہ والد سر میر لائق علی خان بہادر
کی مقرّر تھی اس بچّہ کو ملتی ہے۔ اور جو کچھ خاندانی جاگیر ہے وہ بھی بدستور
اس بچّہ ہی کے نام مُسلّم ہے۔ اِس بچّہ کا نام نوّاب میر ابو القاسم یوسف علی
خاں بہادر ہے۔ دُوسرے فرزند کے ہاں نرینہ اولاد نہیں۔ ناظرین
ذرا اس قدر خود بھی معلوم کر لیں کہ اِن دونوں نامی گرامی بھائیوں کی عمر کیا تھی
اور پہلا فرزند کتنی عمر میں وزیر اعظم اور دستورِ معظّم کے اعلیٰ عہدہ پر پہنچا۔

(۳) سلطنت پر بے انتہا قرضہ تھا اور خزانۂ سلطنت بالکل خالی بندگانِ حضور فرماں روائے دولتِ آصفیہ کا ذاتی روپیہ قرض خواہوں کو جاتا تھا

ریمارک بقیہ نمبر اوّل

اور خاص کر اس امر کو بھی معلوم کر لیں کہ دونوں بھائی کتنے برس تک اس دنیا میں **تعینات** کے ایر پھیر میں رہے۔

الحاصل اب ہم نہ صرف ریمارک کے دوسرے حصہ ہی کو تمام کرتے ہیں بلکہ چوتھے خاندان کی ہسٹری لکھکر اس ریمارک ہی کو خاتمہ تک پہنچاتے ہیں۔ لیکن دو چار لفظ ان دونوں جوانان مرگ بھائیوں کی نسبت عرض کر لیں۔ کیونکہ ہم ارادہ کر رہے ہیں کہ ان دونوں بھائیوں میں سے بڑے بھائی یعنی سر میر لائق علی خاں بہادر کی **لائف** لکھیں چنانچہ ہم نے اُن کا نوحہ تو معزز اخبار آصفی حیدرآباد دکن جلد پنجم کے نمبر بست و ششم مشتہرہ چہاردہم جولائی ۱۸۸۹ء اٹھارہ سو نواسی عیسوی اور نمبر بست و ہفتم مطبوعہ بست و یکم ماہ صدر سنہ مذکور میں لکھا ہے۔ اور یہہ کہ لائف کا **انٹروڈکشن** (رف کاپی کے طور پر) رسالہ حسن حیدرآباد دکن بابت ماہ ستمبر سنہ مذکور میں مشتہر بھی ہو چکا ہے۔ جس کو رسالہ مذکور کے کارپردازوں نے بہت ہی غلط چھاپا ہے۔

پس اس موزوں موقع پر بھی انسب ہے کہ اُن کی موت کی بابت مختصر سا کچھ لکھیں تاکہ اہل بصیرت کو ذرا عبرت حاصل ہو۔ اور شائد کہ اپنی عزیز زندگی کی قدر کریں۔ کیونکہ حیدرآباد دکن کی اُمرا پارٹی میں ایسے لوگ کم ہیں جو اپنی پیاری زندگی کی قدر کرتے ہوں۔

ہم اپنے اُن لکچروں کی طرف بھی جو مندرجہ حاشیہ عنوان سے

حتیٰ کہ حضور پرنور کے زیورات تک ایسے کاموں کے لیئے گرو پڑے رہتے تھے۔

ریمارک بقیہ نمبر اول

ممنون ہیں اپنی اِس تالیف کے غور پسند اور صاحب فکر مطالعہ کرنے والوں کو ذرا متوجہ کرتے ہیں۔ جو بارہا وکیل ہند اور سفیر ہند کی جلدوں میں چھپے۔ خاص کر پچھلے دِنوں اخبار کوہِ نور لاہور پنجاب میں بھی مشتہر ہوا۔ (دیکھو کوہِ نور ۱۸۸۸ء اٹھارہ سو اٹھاسی عیسوی)

اب ہم ہسٹوریل میکٹرز سے قطع نظر کرکے فلسفی پوائینٹز کی جانب مائل ہوتے ہیں۔ تاکہ جہاں تک کہ اس خاک کے پُتلے کا بھید ہم پر کھولا گیا ہے ماقل و دل کی قسم سے بیان کریں۔

اعلیٰ اور سچا فلسفہ ہم کو بتاتا ہے۔ کہ اِس دُنیا کے سوا جو متغیر اور ناشون ہے۔ ایک اور دُنیا بھی ہے جو نہ تو متغیر ہی ہے اور نہ ناشوان ہی ہے بلکہ وہ غیر متغیر اور اب ناشی ہے۔ اعلیٰ درجہ کے نکتہ رس اور دقیقہ سنج فلاسفروں نے موجودہ سنسار کو آنے والے جہان کا فوٹو بھی کہا ہے اور بے شک و شبہ سچ کہا ہے یہہ دُنیا اُس دُنیا کی جو قدیم ہے صحیح تصویر اور یہہ کہ ٹھیک سیلیچو ہے۔

جس کو انسان یا منش کہا جاتا ہے اصل میں اُس ربانی لطیفہ کا نام ہے۔ جس کو رُوح آتما اور نفس ناطقہ وغیرہ ناموں سے بھی پکارا گیا ہے سچے فلسفہ ہی نے جیسا کہ چاہیئے ہم پر ثابت کردیا ہے۔ کہ وہ چیز کہ

(۴) چوں کہ مالگزاری ٹھیکہ پر دی جاتی تھی۔ اِس وجہ سے اُن ٹھیکہ داروں نے اس سلطنت کو جو **مخیرؔ** ہے نہ صرف کمزور کر دیا تھا بلکہ

ریمارک بقیہ نمبر اوّل

جس کو خود حضرتِ انسان ہی نے متعدد نام دیئے ہیں یعنی انسان مُنش ربانی لطیفہ رُوح آتما اور نفسِ ناطقہ وغیرہ وغیرہ۔ وُہ بھی خالقِ کائنات کی مانند (ابد الآباد ہے جس کی حمد اور ستائش ہو) غیر متغیر (اپنی ذات کے لحاظ سے) اب ناشی اور غیر فانی ہے۔ بہر حقیقی فلسفہ ہی کی بدولت ہم پر یہ بھید کھلا۔ کہ ہر طرح کے اخلاق اور عُلوم اور ہر قسم کے دقائق غوامض اور اشیا کی ماہئتیں وغیرہ اُمور جو وُہ حاصل کرتا ہے۔ اِس دُنیا سے رخصت ہونے کے بعد وُہ اُس میں قائم رہتے ہیں۔ اور آنے والے جہان میں پہنچکر اگر اُس کو اسی قسم کے اخلاق اور عُلوم اور دقائق اور غوامض اور اشیا کی ماہیتوں سے ماہر سوسائٹی مل جائے تو وُہ **آزاد** رہتا ہے۔ نہیں تو غیر آزاد یا اَور لفظوں میں اسی مطلب کو یُوں بھی ادا کیا جا سکتا ہے کہ مُقید۔

قوموں کے سچے اور واجب الاحترام مُحسن ریفارمروں نے آزادی اور غیر آزادی کی جو آئینۂ رحمٰن یعنی (الانسان مرآۃ الرحمٰن) یعنی رُوح کی ایک **خاص حالت کا نام ہے** بہت ہی تشریح کی ہے۔ اور اُس حالت کو بھی بہت سے نام دیئے ہیں۔ مگر آریہ فلاسفروں میں سے ایک خُدا رس اور پہنچے ہوئے فرقہ نے جن کو ویدانت مت والے کہا جاتا ہے سب سے موزُوں نام دیئے ہیں۔ منجملہ اُن ناموں کے ایک **شانتی** ہے۔ مُحقق مزاج ہی اِس بات کو

تباہی تک نوبت پہنچادی تھی۔ جس کا ایک اور نتیجہ سوا ے متذکرہ نتیجوں کے یہہ ہوا۔ کہ سلطنت کی آمدنی کی نسبت خرچ زیادہ ہوگیا۔

ریمارک بقیہ نمبر اوّل بہ خوبی جانتا ہے کہ شانتی کا ترجمہ اگر ایک لفظ تسلّی سے کریں۔ تو جو مقصود یا مفہوم شانتی کے لفظ سے حاصل ہوسکتا ہے وہ تسلّی کے لفظ سے پورا نہیں ہوسکتا۔ لاریب ہمارے اُن فلاسفروں نے جو حقًا اور حقیقتًا ہمارے واجب الادب والتکریم محسن تھے۔ آزادی کو اس درجہ کے دلپذیر اور دلاویز اور یہہ کہ حقیقت اور ماہیت کے مناسب اور موزوں نام دیئے ہیں۔ کہ جن پر مرحبا احسنت اور صلّی علیٰ کہنا پڑتا ہے۔ جو لوگ ہم کو اپنے ہی لفظوں کے محدود دائرہ میں رکھنا چاہتے ہیں وہ ہم پر گویا روحانی ظلم کرنا چاہتے ہیں۔ اور ہم اس چکا چوند دینے والی روشنی کے مبارک زمانے میں جو محض خدا، مہربان اور رحیم کے تصدّق سے ہمارے نصیب ہوئی اب اُس ظلم گوارا نہیں کرسکتی۔

اسی طرح سے اُنہیں واجب الاحترام بزرگوں نے جو آدم صفی اللہ کی اولاد کی فادر اور معلّم اور سچ مچ محسن تھے غیر آزادی کو بھی ایسے صحیح اور عمدہ حسن طرز اور ڈھنگ سے نام دیئے ہیں۔ کہ ہر انسان کو بشرطیکہ صاحب فکر اور خوگر تامّل ہو قائل ہا اور معترف ہونا پڑتا ہے۔ **یاد رہے** کہ نام ہی نہیں دیئے بلکہ اُن ناموں سے گویا حقیقتیں اور ماہیتیں بتادی ہیں جو سچ اور واقعہ کے عین مطابق اور موافق ہیں۔ یہہ بات بھی سچ ہے اور ہم سو جان سے اِس کے قبول کرنے والوں میں سے ہیں۔ کہ ہر ایک قوم کی عزت اور حرمت کے مستحق بزرگوں نے جن کو اعلیٰ فلسفہ کے اعلیٰ درجہ

(۵) آخر برار کا مُلک جس کی آمدنی اُس عہد میں تینتالیس ۴۳ لاکھ سینتالیس ۴۷ ہزار نو ۹ سو تینتیس ۳۳ تھی (اور ابتک جو واپس نہیں

ریمارک کی اصطلاح میں ریفارمر بھی کہتے ہیں بیربل تشبیہات اور استعاروں سے

بقیہ بہت کام لیا ہے۔ ہم کو نہ صرف ہم کو ہی بلکہ ہر اہل بصیرت اور بینا آنکھیں رکھنے

نمبر اوّل والے کو اُن میں کسی طرح کا کلام نہیں۔ اور یہہ کہ وُہ بالکل سچ ہیں اور اصلی سچی ماہیت کے عین مُطابق ہیں۔ ظاہر پرست اور ظاہر بین لوگ جن کو عام یا بازاری کہا جاتا ہے۔ اور جو صرف ظاہری آنکھیں رکھتے ہیں دل یا باطنی آنکھوں سے اندھے یا نابینا ہیں۔ وہ بیربل کو اصلی حقیقت اگر سمجھیں تو اُن پر کچھ افسوس بھی نہیں۔ کیونکہ نابینا ہیں۔ الا اہل بصیرت کو ایسا نہ چاہیئے۔ کیونکہ جناب باری تعالیٰ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ نے اپنے بے انتہا فضل اور کرم سے پہلے خود شناسی اور پھر خدا شناسی کے اسباب اور سامان بخش ہیں اس لیئے وُہ بے عذر ہیں۔

ہمارے مُطالعہ کرنے والے بہ خوبی جانتے اور پہچانتے ہیں کہ **تصوّر** میں اور **تصدیق** میں کوسوں کا فرق ہے۔ یا یُوں کہیں کہ زمین اور آسمان کے فرق سے بھی زیادہ فرق ہے۔ تاہم ہم انصاف سے درگزر نہ کرینگے۔ کہ ہر چیز کی ماہیت کی تحقیق میں پہلے تصوّر بیچارہ ہی خضر راہ ہوتا ہے۔ اور یہہ کہ وہی تحقیق اور تدقیق کے بعد اگر صحیح نکلے یا یُوں بھی کہ منزلِ مقصود تک پہنچا دے تو تصدیق کا خلعتِ فاخرہ پہن لیتا ہے۔ اسی مفہوم کو اسی زبان کے اور الفاظ میں ہم یُوں بھی کر سکتے ہیں۔ کہ وہی تصوّر جو ابتدا میں حقیر سا نظر آتا ہے فلسفی اُصولوں کی معیار اور کسوٹی پر کس جانے

ہوا اور جس کی اب آمدنی ایک کروڑ سے کچھ زیادہ ہے) برٹش گورنمنٹ کو فوج کے خرچ میں جو سلطنتِ آصفی پر چڑھا ہوا تھا دے جانے

ریمارک بقیہ نمبر اوّل

اور کامل عیار نکلنے کے بعد حقیقی ماہیت بن جاتا ہے۔ لاریب دُنیا میں جس قدر نقصان مجرّد تصوّر نے جس کو اکثر لوگ خیال کے نام سے ہر وقت اور ہر لحظہ اور ہر جگہہ اور ہر موقع پر استعمال کرتے ہیں کیا ہے۔ کسی اور چیز نے کم کیا ہے۔ جو لوگ تصوّرِ محض کی بھاری مگر بے زنجیر قید سے رہائی پاکر تصدیق کے عالی رُتبہ پر ترقی کر گئے ہیں۔ اور پھر اُن اُولوالعزموں نے وہیں تک حد نہیں کردی بلکہ برابر اس سے بھی زیادہ اعلیٰ درجہ کی طرف بڑھے چلے گئے ہیں۔ حتیٰ کہ حقیقی ماہیت کی معراج تک پہنچ گئے ہیں۔ وُہی صرف وُہی ہر طرح کے عذاب اور عقاب اور ہر قسم کے دُکھوں سے مبّرا اور منزّا ہو کر چھوٹ گئے ہیں۔ ہمارے مطالعہ کرنے والے سمجھ گئے ہوں گے کہ آزادی اور غیر آزادی میں کیا فرق ہے۔ عذاب عقاب اور دُکھ ہی غیر آزادی اور عذاب عقاب اور دُکھوں سے بریت کا نام ہی آزادی ہے۔

ہمارے اکثر واجب العزت بزرگوں نے اپنے سامعین کے مذاق اور ٹیسٹ کے مطابق آزادی کو بہشت اور سُرگ اور آسمانی یروسلم نام سے تعبیر کیا ہے۔ اور غیر آزادی کو جہنّم اور نرک کُنڈ اور باہر کے اندھیرے سے گو لفظوں کا ایر پھیر ہے۔ مگر بات ایک ہی ہے جس کو ایک ہی مفہوم اور مآل واحد بھی کہہ سکتے ہیں۔

پس یہہ بات ہرگز ہرگز فراموش کردینے کے قابل نہیں۔ کہ جنہوں نے

تصدیق کے عالی رُتبہ سے ترقی کر کے حقیقی ماہیت کے متعالی درجہ تک رسائی

سے سلطنت نظام پر بہت برا اثر ہوا۔

(۶) عربوں کا زور اور اُن کی خود مختاری بلکہ خود حاکمی مذکورۂ بالا حالتوں

ہماری بقیہ نمبر اوّل

پیدا نہیں کی۔ اُن کی نسبت یہہ کہنا کہ وہ اعلیٰ علییّن کے
ساکنوں کے شریک ہیں حقیقت کے مطابق نہیں۔ ہم اِس امر کے
اظہار سے بھی رُک نہیں سکتے۔ کہ سب سے نازک چیز اور عزیز شے
مذہب ہے۔ تو اچھا کوئی مردِ میدان تو کہے کہ وہ حقیقی فلسفہ کا محتاج نہیں
متکلمین حکما لاریب بڑے ہی ادب اور تعظیم کے لائق ہیں۔ اور صوفیاء
کرام اُن سے بھی زیادہ احترام کے قابل ہیں۔ مگر طرفہ یہہ کہ یہہ دونوں
مقدس اور مجسّم لیاقت گروہ سچے فلسفہ کے زیادہ محتاج ہیں۔ یاں موقع
نہیں ورنہ ہم کامل مکمل ثبوت پیش کرتے۔ البتہ یہہ ترقی اُن سے طلب کیجائیگی
جن کو قدرتِ قادرِ مطلق نے سوجھ بوجھ دی ہے۔ اور جن کو قدرت ہی نے یہہ
مادہ نہیں دیا۔ الٰہی انصاف سے بعید ہے کہ اُن سے مطالبہ ہو۔ یہہ قول
ہر طرح سے صحیح ہے کہ جو کچھ رُوحانی اور باطنی آرام ہو یا رُوحانی اور باطنی
تکلیف اور دُکھ۔ وہ سب عارف اور گیان وان کے لیئے ہی ہے غیر عارف
اور اگیانی کے لیئے جو کُندۂ ناتراشیدہ کی مانند ہے کچھ بھی نہیں نہ تو باطنی
راحت اور نہ باطنی تکلیف۔ اِسی کے ساتھ ایک اور اشد ضروری امر بھی
یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ اِس نازک اور دقیق مسئلہ میں جس قدر اُمور ہم نے بیان
کیئے ہیں۔ وہ ظاہر بینوں کی نظر میں محض دعویٰ ہی دعویٰ معلوم ہوں گے۔
مگر عمیق نگاہ والے جانتے ہیں کہ یاں یہہ مسئلہ مسلّمات میں سے ہے۔
اِس کا فلسفی ثبوت اپنے موقع پر سچے اور اعلےٰ فلسفہ میں کمال درجہ کی

مہاراجہ چندو لال

کے علاوہ تھی۔ وارداتوں کا متواتر و متوالی ظہور میں آنا اور پھر پتہ ندارد کا
مصداق ہونا۔ ملک کی ایسی حالت ہوگئی تھی کہ کسی ریاست میں ایسا

ریمارک بقیہ نمبر اوّل

تنقیح اور چھان بین اور تحقیق بلکہ تدقیق کے ساتھ ایک حسن بلکہ مستحسن
ڈھنگ اور طرز کو لیے ہوئے آفتاب نیم روز کی مانند موجود ہے۔
یاں ایک مختصر ریمارک اس کے اظہار کی گنجائش نہیں رکھتی۔ علاوہ
اس کے ہم کو یہ بھی اندیشہ ہے۔ کہ کہیں اس قسم کا بیان گو مجمل ہی کیوں
نہ ہو ہمارے اصلی بیان سے بے لگاؤ نہ ہو جائے۔
مرحوم سر میر لائق علی خان سالار جنگ رابع اپنے
فردوس منزل والد ماجد کی مانند کچھ کم پایہ پر فیاض اور ہمدرد نہ تھے
بلکہ اعلیٰ درجے کے انگریزوں کی ان کی نسبت یہ رائے ہے۔ کہ وہ قدرتی
دماغ اور علم میں باپ سے زیادہ تھے اور ملکی معاملات کے ایچ پیچ
اور نشیب و فراز اور تجربوں میں البتہ کم تھے۔ انگریزوں کی یہ رائے
ان کے بارہ میں صحیح ہے۔ ان کی پاپولیرٹی کا یہ حال تھا کہ کنگڈم آف دی
حیدر آباد دکن کی ایک کروڑ پچیس لاکھ رعایا میں سے فی صد پانچ
کس ناراض ہوں تو ہوں۔ وہ بھی اگر ہوں تو اپنی ناسمجھی سے۔ ورنہ مغفور
کی نیت اپنے آقائے نعمت کی رعایا میں سے کسی متنفس کے ناخوش
کرنے کی نہ تھی۔ مگر سخت افسوس کی بات یہ ہے۔ کہ وہ اوروں پر فیاض تھے
اور اپنی ذات پر رحم کرنے والے نہ تھے۔ حالانکہ اپنی ذات پر رحم نہ کرنے
سے آصفی سلطنت کی رعایا اور سالار جنگ فیملی پر گویا ظلم کرتے تھے۔
یا کھلے اور فاش لفظوں سے یوں سمجھ لیجیے کہ اپنی عزیز زندگی کو عزیز نہ رکھتے تھے

حال نہ تھا - چہ جائے کہ برٹش گورنمنٹ کے مقبوضہ صوبوں میں یہہ نوبت ہے
لُب دولتِ آصفیہ میں اُس عہد کی متذکرہ بالا بے انتظامیوں

ریمارک بقیہ نمبر اوّل یہہ سچ ہے کہ تقدیری معاملات میں ارسطوؔ اور فلاطوں کی بھی پیش رفت نہیں جاسکی - مگر تقدیری معاملات کے لیئے بھی قانونِ قدرت کے مطابق اسباب ہوا کرتے ہیں - ہم اُس وقت جس وقت کہ اُس ہیرو نے جنّت کی راہ لی تھی سمجھتے تھے کہ اُن کے چھوٹے بھائی خاص کر (جن کا نام میر سعادت علی خاں منیر الملک تھا) عبرت حاصل کرینگے - جو اسی مرض میں دانستہ اپنے کو مبتلا رکھتے تھے جس مرض میں دیدہ و دانستہ بڑے بھائی نے اپنے کو مبتلا رکھا ہوا تھا - مگر منیر الملک نے بھی عبرت حاصل نہ کی - یا یُوں سہی کہ نہ تو سالار جنگ ثانی پر رحم کیا اور نہ اپنی جان ہی پر ترس کھایا - اِسی مطلب کو ہم اسی زبان کے اور الفاظ میں یُوں بھی ادا کرسکتے ہیں - کہ اِن چھوٹے نواب نے بھی اپنے اخ مکرم کی مانند اپنی عزیز زندگی کو عزیز نہ رکھا - بلکہ اپنے بڑے بھائی کے تقریباً ایک سال بعد خود بھی آرام کو سدھارے - سالار جنگ کے معزز اور عالیجاہ خاندان کو بالکل ہی لاوارث سا چھوڑ دیا - عبرت ! عبرت !! عبرت !!! حیدر آبادِ دکن کا یہہ فلک رفعت اور آسمان شوکت خاندان ہو اور یُوں لاوارث رہ جاسے - یہہ دونوں بھائیوں کی سراسر غفلت کا کیا سرّی نتیجہ ہے !!!

کل ختم تھی جن پہ جامہ زیبی ! مشہور تھی جن کی دل فریبی !
جا کرکے جو آج اُن کو دیکھو ! دیکھو بھی تو آنکھ بند کرلو !
عالم کے تغیّرات دیکھو ! ہوتے ہوئے دن کو رات دیکھو !

کی وجہ راجہ راجایان مہاراجہ چندولال کی پارٹی والے جو ناممکن ہے کہ ریاستوں میں نہ ہوں تو نواب سراج الملک بہادر جنت نصیب

ریمارک (چوتھا) راجہ شیوراج اور راجہ مرلی منوہر۔

بقیہ نمبر اوّل

اَب ہم راجہ شیوراج بہادر اور راجہ مرلی منوہر بہادر آصف جاہیوں کی مختصر خاندانی ہسٹری کی طرف توجّہ کرتے ہیں۔ جو حیدرآباد دکن کنگڈم کی ہندو رعایا اور ہندو اعلیٰ عہدہ داروں میں سے رئیسانِ اعظم اور رُکن رکین ہیں۔

یہہ مُمتاز خاندان سری باستم کائستہ ہے۔ اِن کے مُورث اعلےٰ کا نام (جیساکہ صاحب مآثر الاُمرا کہتے ہیں) راجہ رُگناتھہ ہے شاہِ جہاں پادشاہ کے مشہور و معروف وزیر اعظم اور دستورِ معظّم علّامی سعد اللہ خاں (پنجابی) کے آوردوں میں سے ایک راجہ صاحب موصُوف بھی ہیں۔ عہد مذکور میں ہندوستان بھر کا دفترِ مال راجہ صاحب کے سپرد رہا۔ وزیرِ اعظم ممدُوح کے انتقال کے بعد راجہ صاحب امُور کُلّی اور جُزوی کے دیوانِ اعلیٰ رہے۔ بادشاہِ ممدوح الصّفات کی پیشگاہ سے پہلے خطاب رائے کا مرحمت ہوا اور پھر رائے رایان کا خطاب بھی عطا ہوا۔ جب حضرت عالمگیر اورنگ زیب کو تاج نصیب ہوا۔ تو راجہ صاحب کو دو ہزار پانصدی اور پانچ سو سوار کا منصب اور راجہ کا خطاب مرحمت ہوا۔ آخر کار راجہ صاحب نے کمال درجہ کی عزّت اور حُرمت اور کامل درجہ کے مالی اختیارات کے ساتھ ۱۰۷۳ھ ایک ہزار تہتّر ہجری میں بیکنٹھ کی راہ لی۔ ۱۰۷۳ھ ایکہزار تہتّر سے ۱۱۵۰ھ گیارہ سو پچاس ہجری تک جو

کی طرف منسوب کرتے ہیں - کیونکہ وہی ریاست کے مدار المہام تھے۔
جن کو وزیر اعظم بھی کہا جاتا ہے اور دیوان بھی - اور ارم آرام گاہ کی پارٹی

ریمارک بقیہ نمبر اوّل

ششتر برس کا عرصہ ہوتا ہے - اس سلطنت پر عجیب و غریب انقلاب گزرے
یعنی کوئی باہر کا حملہ آور نازل نہیں ہوا - بلکہ تخت نشین اور اُن کے حقیقی
بھائیوں کے باہم ناچاقیوں کی وجہ سے عالمگیر اور جہانگیر سلطنت ایسی
کمزور اور بے رُعب ہوگئی - کہ پھر اندرون مُلک کے شورہ پُشتوں نے
بھی شور مچایا - اور باہر کے حملہ آور بھی صف آرا ہوئے - چنانچہ محمد شاہ
بادشاہ کے عہد میں ایران سے آکر نادر شاہ بادشاہ نے وہ ہُردنگا مچایا
کہ تاریخوں کے دفتر اُس سے بھر گئے - اُسی سنہ یعنی گیارہ سو پچاس ۱۱۵۰
ہجری میں جب مُلکِ دکن کی سلطنت نوّاب میر قمر الدین خاں آصف
جاہ نظام المُلک بہادر پر جو آصفیہ سٹیٹ کے فونڈر ہونے کی وجہ
سے لاریب اپنے عہد میں وحید الدہر اور لاثانی تھے (جو تاریخوں میں آصف جاہ
اوّل کے نام سے پکارے جاتے ہیں) مُسلّم ہوئی - تو راجہ صاحب
ممدوح کے خاندان میں سے راجہ ساگر مل اپنے مُورث کے
اعلیٰ اور قدیمی خدمت پر سرافراز ہوکر آصف جاہِ اوّل کے ہمرکاب دکن
میں آئے - ابتک جو آصفی گنگڈم حیدر آباد دکن کا دفتر مال ہے -
اس کی بُنیادیں راجہ ساگر مل ہی کے ہاتھ کی ڈالی ہوئی ہیں۔
جب راجہ ساگر مل سُرگ براجمان ہوئے - تو اُن کے فرزند ارجمند
راجہ بھوانی داس مُلقّب بہ دھرم ونت بہادر نواب ناصر جنگ
بہادر شہید اور نوّاب صلابت جنگ بہادر کے عہد میں اسی معزز

والے اِن بے انتظامیوں کا وجود راجۂ راجایان مہاراجہ چندو لال پر منحصر سمجھتے ہیں۔ کیوں کہ اُن ایّام میں ہر چند کہ مدار المہام نوّاب صاحب مرحوم

ریمارک بقیہ نمبر اوّل

عہدے پر ممتاز ہوئے۔ چوں کہ اِس قدیم اور مُعزّز خاندان کے شجرہ نسب کی شاخیں بکثرت ہیں۔ اور یہہ کہ ہماری تحریر ایک **ریمارک** ہے۔ اِس لیے اُن سب کی سوانح عُمری کی اِس میں گنجائش نہیں۔ البتّہ جب ہم کتاب حیدرآبادِ دکن نوّابز اینڈ راجاز جو ہماری زیر تجویز ہے شائع کرینگے۔ تو اُسمیں ہر ایک شاخ کی لائف فرداً فرداً بیان کرینگے۔ اِس میں صرف بڑی بڑی شاخوں کا حال لکھکر اِس ریمارک کو جو بجائے ایک کتاب کے ہوگئی ہے تمام کرینگے۔

راجہ بھوانی داس دھرم ونت بہادر کثیر الاولاد تھے۔ مگر اُن کے فرزندِ سعید راجہ چاتر لال اِس خاندان کے بڑے جہاز کو چلانے والے ہوئے۔ اور جب راجہ چاتر لال بیکنٹھ کو سِدھارے تو راجہ سوبھا چند اُن کے خلف الصّدق کو وہی بارِ گراں اُٹھانا پڑا۔ اور ان کے بعد یعنی جب کہ راجہ سوبھا چند سُرگ میں جا براجے۔ تو اُن کے جانشین اُن کے فرزندِ ارجمند راجہ گنیش راج ہوئے۔ آخر راجہ اندرجیت بہادر نے اپنے مُعزّز والد راجہ گنیش راج کی گدّی کو زیب دی۔ راجہ اندرجیت بہادر کے قابل اور لائق فرزند راجہ شیوراج بہادر دھرم ونت اور راجہ مُرلی منوہر بہادر ہیں جو اِس ریمارک کے آخری حصّہ کے **ہیرو** ہیں۔ غرض کہ میر نظام علیخاں بہادر آصف جاہِ ثانی اور سکندر جاہ بہادر آصف جاہِ ثالث اور میر فرخندہ علیخاں

مغفور ہی تھے۔ مگر یہہ امر جیسا کہ چاہیئے ثابت ہے کہ مہاراجہ صاحب کو کُل اختیار تھا۔ مہاراجہ صاحب والی پارٹی والے کہتے تھے کہ نواب

ریمارک ناصرالدولہ آصف جاہِ رابع اور میر تہنیت علی خاں افضل الدولہ آصف جاہِ خامس جنّتی کہ ہمارے ہز ہائینس آصف جاہِ سادس یا یُوں کہیں کہ تاجدار حال

بقیہ نمبراوّل حیدرآبادِ دکن کنگڈم کے عہد میں دفتر مال کا عُہدہ جس کو حیدرآباد دکن کنگڈم کا رِونیو ممبر یا رِونیو منشیر کہا جاسکتا ہے اسی والا دودمان میں مسلسل چلا آیا۔ راجہ مُرلی منوہر بہادر اپنی خوبی قسمت سے صاحب اولاد نرینہ ہیں چنانچہ اُن کے مجسّم اقبال فرزند راجہ اِندر کرن بہادر جن کی ولادت کا سنہ ۱۲۹۰ بارہ سو نوے ہجری ہے موجود ہیں۔ اور یہاں کے کالج میں جس کا نام محبوب کالج ہے اعلیٰ درجہ میں ہوکر انگریزی وغیرہ زبانوں اور علوم میں تعلیم پاتے ہیں۔

اس خاندان کا تذکرہ اکثر تاریخوں کے دفتروں میں پایا جاتا ہے جیسا کہ ہم نے اُن میں سے ایک مآثرالاُمرا کا حوالہ بھی دیا ہے۔ اور وہ باقی بھی یہہ ہیں۔ تاریخ ماہ نامہ گلزارِ آصفی حدیقۃ العالم اور تزکِ آصفی مآثرالاُمرا جس قدر تحریر ہے ناقل وول کی قسم سے ہے۔ اور البتّہ خوب ہے۔ باقیوں میں ایرانی اور معمولی ایشیائی طرز ہے جو پُرانے زمانہ کی سی شاعری ہے جس کو بادخوانی اور بھاٹ پنا بھی کہہ سکتے ہیں قوموں یا شخصوں کے کیرکٹرز سے طرز استدلال کا جو سچّے اور فلاسفر مزاج مورّخوں کا شیوہ اور اصل اُصول ہے وہ اُن میں نہیں۔ فارسی زبان میں لفّاظی لاریب بہت ہے۔ دُنیوی عروج کے علاوہ جن کا گواہ اِس فیملی کے

صاحب ممدوح کی جانب اعلیٰ حضرت اور اُن کے درباریوں کا یہ گمان تھا کہ برار کا علاقہ انگریزوں کو اُنکی طرفداری کے سبب سے دلوایا جاتا ہے

ریمارک
بقیہ
نمبر اوّل

ممبروں کو راجے اور راجے رایان بلکہ راجہ کا خطاب ملتا ہے۔ اُن کے اپنے ہاں کے اُصول مذہب کے بموجب خداترس ہونا بھی یوں ثابت ہے۔ کہ فرماں روایانِ دولتِ آصفیہ حیدرآباد دکن کی پیشگاہ سے اُن کو دھرم ونت اور دیاونت کا خطاب بھی ملا۔ بادشاہان اسلام کے ہاں خصوصًا شاہجہاں علی الخصوص حضرت اورنگ زیب عالمگیر اور آصف جاہ اوّل سے (جو حیدرآباد دکن کنگڈم کے فونڈر ہیں) لیکر ہمارے آصف جاہ سادس خلد اللہ سلطنتہم تک اِس خاندان کے رُکنِ رکین نے محض اپنی دیانت کے جوہر کی وجہ سے عزت پر عزت حاصل کی۔ اِس خاندان کے مُمتاز ممبروں کی لیاقت اور لیاقت پر دیانت اور دیانت پر دھرم ونت اور دیاونت ہونا بیشک مؤرخ کی نظر میں صحیح ہے۔ لیکن فلاسفر مزاج مؤرخ کی چار آنکھوں میں دولتِ آصفیہ کی قدر شناسی سب سے اوّل درجہ پر سچی تعریف اور توصیف بلکہ مرحبا اور صلّی علی کے قابل ہے۔ اِس خاندان کی نمک خواری اور خانہ زادی کا رشتہ جو اپنے آقا اور خداوند نعمت آصفی رائل فیملی کے ساتھ ہے وہ پُشتینی اور کُرسی بہ کُرسی ہے۔ یہہ رشتہ ایک سو ستاون برس سے ہے۔ کیُوں کہ آصفی فیملی کے پہلے سرتاج یا یُوں کہی کہ آصفی کنگڈم حیدرآباد دکن کے فونڈر میر قمرالدین خاں بہادر بالقابہ ۵ ماہ رجب سنہ گیارہ سو پچاس ہجریہ کو حیدرآباد دکن کے تخت پر جلوس فرما ہوئے تھے۔ ہم اِس امر کے اظہار سے بھی درگزر کو سچے مؤرخوں کے داب سے بعید سمجھتے ہیں

نواب صاحب کی پارٹی والے کہتے ہیں کہ یہہ کام مہاراجہ صاحب کا ہے کیوں کہ اُن کو انگریزوں کے ساتھ بڑا رسوخ تھا - جیسا کہ رسل صاحب

ریمارک بقیہ نمبر اوّل

کہ ہمارے راجہ مُرلی منوہر بہادر ویاونت اور وفاداری کے جوہر کو قائم رکھکر زمانہ کی ہوا کو بھی خُوب پہچانتے ہیں - پرانی اور نئی تہذیب میں اچھی طرح سے امتیاز بھی کرتے ہیں - علاوہ مُلکی زبانوں کے سنسکرت اور فارسی زبان اور علوم سے بھی ماہر ہیں - اور یہہ کہ انگریزی زبان میں بھی اچھا دخل رکھتے ہیں - حتّٰی کہ پُورے جنٹلمین ہیں - بندگانِ حضور آصف جاہ سادس خلد اللہ سلطنتہم سے بہت خوب رسائی ہے - یا یُوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اُن کے مُصاحب خاص الخاص ہیں - راجہ صاحب موصُوف کی نسبت جو کہا جاتا ہے کہ وُہ حضور رس ہیں - تو یہہ بات سچ بھی ہے - وُہ لاریب حضور رس ہیں - اور حضور بھی اُن کی بہت عزت کرتے ہیں - مگر ہمارے راجہ شیوراج بہادر دھرم ونت قطب کی طرح سے اپنے پُرانے فیشن پُرانی تہذیب پر قائم ہیں - ذرا بھی شک نہیں کہ اُن کی پُرانی تہذیب اور اُن کا اولڈ فیشن ہونا بدرجہا نئی تہذیب اور نیو فیشن پر **شرف** رکھتا ہے - کیوں کہ جنٹلمین ہونا اور چیز ہے اور جنٹلمین نما ہونا دُوسری شے ہے - غرض کہ اعمال کا خوب ہونا بہتر ہے نہ کہ صرف لباس کا خوش نما ہونا جس سے بارہا دُھوکا ہوتا ہے - الحاصل یہاں تک ہم اس خاندان کا ماجرا بھی تمام کرتے ہیں -

لو ناظرین !!! اِس ریمارک کو ہم نے یاں ختم کر دیا ہے اگر کوئی امر ہماری اصل تالیف یا اِس ریمارک سے لگاؤ نہ رکھتا ہو - تو مُعاف

نامے رزیڈنٹ گورنمنٹ آف انڈیا کو اُن کی بہت تعریف لکھتے ہیں بلکہ
مہاراجہ صاحب براہِ راست گورنر جنرل سے مراسلت اور خط وکتابت
رکھتے تھے۔ مہاراجہ صاحب کی پارٹی والے آخرکار کہتے ہیں کہ فریزر
صاحب اور مٹکلف صاحب رزیڈنٹ مہاراجہ صاحب کی بارہا شکایت
کرچکے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ۱۸۴۳ء میں مطابق ۱۲۵۶ ہجری مہاراجہ صاحب
اپنے جلیل الشان عہدے سے مستعفی ہو گئے۔ مگر ہماری تحقیق بلکہ تدقیق
کے مطابق جس کے لیئے ہم باور کروا دینے والے **ریزنز** رکھتے
ہیں۔ راجہ راجایان کی پارٹی والے بھی غلطی پر تھے اور نواب صاحب
کی پارٹی والے بھی کج روی پر تھے۔ اور رزیڈنٹ صاحبان بھی سب
کے سب دیدہ و دانستہ اپنی عمیق اور گہری پالیسی کے مطابق کاغذوں
کے گھوڑے **یوں ہی** دوڑا رہے تھے۔ اصل امر انگریزی نیشن
کی قدیم پالیسی خصوصاً لارڈ ڈلہوزی کی بیجا پالیسی تھی۔ جو اپنے عہد
گورنر جنرلی میں دیسی ریاستوں کو ہمیشہ کن انکھیوں سے دیکھتے رہے۔
بلکہ اودھ کو آپ ہی نے غارت کیا اور پنجاب کو بھی آپ ہی نے آخر بے تاج

ریمارک بقیہ نمبر اول فرمائیگا۔ ہم نے اپنی دانست میں ایک ادنیٰ سا امر بھی بے لگاؤ سمجھکر نہیں لکھا۔
ہم نے اس ریمارک کے خاتمہ میں خاص کر جو امور درج کیئے ہیں۔ خالص الٰہی
محبت اور عام انسانی ہمدردی کے فیلنگ میں درج کیئے ہیں۔ اور بس
ہیچمدان مؤلف

وتحنت کیا - جب کہ حال یہہ تھا تو نوّاب سراج الملک بہادر کرتے تو کیا کرتے اور راجہ راجایان مہاراجہ چندولال انتظام کرتے تو کیا کرتے - اچھا ۱۸۵۳ء سے اب تک جو سی و شش برس کا عرصہ گزر گیا ہے اور انتظام موجودہ کی یہہ حالت ہے کہ برٹش گورنمنٹ کے علاقوں سے کسی پہلو اور کسی صورت سے بھی کم نہیں برار واپس کروالیا ؟ بات یہہ ہے کہ برٹش گورنمنٹ نے کرنا ہی یوں تھا - نوّاب صاحب مرحوم کیا کرتے اور مہاراجہ صاحب کیا بناتے اور پھر کیا بنالیا - اگرچہ ۱۸۵۳ء سے اب تک مطلب ہو برار کیا جب اُن کو ! دولتِ آصفیہ میں وہ زمانہ رہا اور ہو موجود ہوئے کرنا ہو یہی ! جو کر گئے وہ ! کہ کسی طرح کا اعتراض نہ تو اندرونی معاملات کی وجہ سے اور نہ بیرونی معاملات کی بنا پر ہوا یا ہو سکتا ہے - مگر بات یہہ نہ تھی بلکہ وہی تھی کہ برار کا علاقہ لے ہی لینا تھا عام اس سے کہ ایسا انتظام ہو یا ویسا ہی رہتا جیسا کہ پُر آشوب زمانہ میں تھا - غور پسند شخص جس کو برٹش گورنمنٹ کی پالیسیوں سے کامل اور صحیح تجربہ ہو وہ کسی قسم کا الزام نہ تو سراج الملک بہادر پر حق سمجھتا ہے اور نہ راجہ راجایان مہاراجہ چندولال پر انصاف کے مطابق جانتا ہے -

کبج

اب ہم اپنے **ہیرو** راجہ راجایان مہاراجہ نارائن پرشاد نراندر بہادر کے جدِّ امجد یعنی راجہ راجایان مہاراجہ چندولال کے مختصر

تذکرہ کو ختم کرتے ہیں اور اپنے اصلی مطلب یعنی خود راجہ راجایان مہاراجہ نارائن پرشاد نراندر بہادر کا اختصار کے ساتھ تذکرہ کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ ہم نے اپنے ہیرو کے بیکنٹھ دہام جد امجد کی پولیٹکل لائف کا حال بیان کیا ہے اُن کی پرائیوٹ لائف کا ماجرا ذرا بھی نہیں لکھا تاکہ بعض لوگوں کو اُس کے مطالعہ سے **عبرت** حاصل ہو اور بعض کو **اخلاقِ حسنہ** کے حاصل کرنے کا موقع ملے اس لیئے ہم سُرگ براجمان کے آخری حصہ کو بیان کرکے اِس مرحلہ کو طے کریں گے۔

کد راجہ راجایان مہاراجہ چندو لال اگرچہ فن شعر کے بڑے قدردان اور صاحبِ مذاق بلکہ خود بھی شاعر تھے اور شاداں تخلص کیا کرتے تھے۔ الا پھر بھی اُن کو مختلف اور نادر نادر علوم کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ عُلما اور فضلا کی مجالس میں بلاناغہ بہت وقت صرف فرمایا کرتے تھے۔ اور سب سے زیادہ قدردانی اور عزت افزائی اہلِ علم کی کیا کرتے تھے۔ ایسی مجلس میں دُنیوی اُمور کو ہرگز ہرگز دخل نہ دیا کرتے تھے۔ اور باوجود علم وفضل کے **صوفی ازم** کی جانب تو گویا دلدادہ بلکہ فریفتہ اور شیفتہ تھے۔ اور بارہا صوفی ازم کے مسئلوں پر رو رو دیا کرتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اپنی پوتر اور پاک زندگی کا مقصد

عُروج اور اَوجِ دُنیا، دنی کو نہ سمجھا کرتے تھے۔ بلکہ قال اللہ اور خُدا کی مقدس ذات اور صفات کی تفتیش کو اپنی پیدائش کا اصل مطلب سمجھتے تھے۔ کیُوں کہ ایسے مسئلوں میں اُن کو محویت کا عالم ہو جایا کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جہاں عُلما اور فضلا کی حد سے زیادہ حُرمت اور تعظیم کرتے تھے۔ واں مجذُوبوں اور فقیروں اور اَوَر واجب الرحم لوگوں پر بہت ہی مہربان بلکہ اُن کے ہمدرد تھے۔ اُن کا یہہ عقیدہ تھا کہ علم اور فضل کے ساتھ فقر ایک نادر الوُجود چیز ہے حتّیٰ کہ علم اور فضل فقر کے بغیر خالی چیز ہے اور فقر علم اور فضل کے بغیر خالی ہے۔ چوُں کہ وُہ اپنی زندگی کو خُدا کی ذات اور صفات کی تفتیش اور تحقیق بلکہ تدقیق کے لیئے جان چُکے تھے۔ یہی سبب ہے کہ پرلے درجہ کے فیّاض تھے۔ فیاضی میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا تھا۔ وہ اِس بات کو جانتے تھے کہ دُنیا میں گرُو نانک صاحب مہارکھی اور مہاآتما کے قول کے بموجب جس کا تذکرہ اسی تحریر کے ۵ پیرے گراف میں کیا گیا ہے سب سے اچّھا کام یہی ہے۔ کہ دھن دولت جو کچُھ ہم اپنے دست بازوؤں سے پیدا کریں سادہ سنتوں واجب التکریم والتعظیم لوگوں اور مسکینوں محتاجوں کس مپرسوں کو کھلا پلا دیں۔ کیُوں کہ داؤد سمپوُرن پوتر آتمار کھنے والے کے ریلیجس ایکسپیریئنس کے مُطابق جس کا ذِکر ۷ پیری گراف میں ہو چکا ہے اُن کو گویا ٹرسٹنگ فیتہ تھا۔ کہ اگر میں اِس وقت کہ

کچھتی میرے پاس ہے دیاونت نہ بنوں اور دیا مجھ میں نہ ہوگی تو دینا ناتھ
پرمیشور میرے انش کو بھگوان کیسے کرے گا۔ اور یہہ کہ وہ تلسی داس جی
مہاراج مہارکھیشر کے ٹھیک نقش قدم پر چلنے والے تھے جو نذکورہ بالا
پیری گراف میں کہتے ہیں۔ کہ اصل دھرم کا مُول دیا ہے جب تک گھٹ
میں پران ہوں دیا سے مُونہہ نہ موڑنا چاہیئے۔

کھ ویراگ اور جوگ یعنی راہب بننا اور تارک الدُنیا ہوجانا بھی
ایک وقت کے لیئے ضروری ہے۔ اور یہہ کہ گرہست پن بھی خُدا کی پاک
مرضی اور نارائن ایشور کی اِچھیا کے موافق ہے۔ پیراگراف **یو** میں
عیسائیوں کے ست گرو کی نسبت یاد دلایا گیا ہے کہ اُنکی کل عُمر سی ۳۳ برس
سال کی ہوئی جس میں سے اُنہوں نے تیس ۳۰ سال دُنیوی مگر جائز ضروری
اور انسب کاموں میں صرف کیئے اور تین برس خاص کر خُدا کے دھیان
اور اُسکی مہما ظاہر کرنے میں خرچ کیئے۔ جس سے گویا یہہ نتیجہ نکلتا ہے کہ
اِنسان کو اپنی عُمر گراں مایہ کا گیارہواں حصّہ خاص الخاص طور پر کاٹنا چاہیئے
عام اِس سے کہ ہم اُس کا نام ویراگ یا جوگ رکھیں اور یا اُپدیش کرتے
پھریں یا پرمیشور کی مہما پر گھٹ کریں یا اُس کی ذات اور صفات میں
تفتیش اور تحقیق بلکہ تدقیق میں **محویت** کا درجہ حاصل کریں یا مسکینوں
محتاجوں کس مپرسوں سادہ منشوں اور واجب الادب والعزت رکھیشروں

اور مہاآتماؤں کی خبرگیری میں رہیں جس کو **فیاضی** بھی کہتے ہیں۔ گرو
نانک صاحب کے ایسے کاموں سے یہہ نتیجہ مترتب ہوا جیسا کہ ہم
پیراگراف **یز** میں درج بھی کر چکے ہیں کہ اُن کی ذرّیت امارت اور ایالت
بلکہ پادشاہت کے درجہ کو پہنچی اور خود راجہ راجایان مہاراجہ چندولال کے ایسے
کرموں کا رزلٹ یہہ ہے کہ اُن کے سپوت راجہ٭ بالاپرشاد کے خلف الصدق
اِس تحریر کے ہیرو یعنی راجہ راجایان مہاراجہ نارائن پرشاد نراندر بہادر
اپنے محترم عالیجاہ اور مخیر دادے کے اعلیٰ رُتبہ کو پہنچے۔ اِسی طرح سے
راجہ راجایان مہاراجہ نارائن پرشاد نراندر بہادر کی دختر نیک اختر کے لال
جو اِس نامور قدیم اور معزز خاندان کے وارث ہیں یعنی راجہ٭ کشن پرشاد
بھی جن کا تذکرہ ہم اسی تحریر میں خاص طور پر بھی کریں گے اپنے
آبا کرام اور اجداد امجاد کے عالی رتبہ اور والا مرتبہ کو پہنچیں گے۔ راجہ راجایان
مہاراجہ چندولال کی لائف کے خاتمہ میں عام اس سے کہ وہ اُن کے
پولیٹیکل لائف سے متعلق ہو یا اُن کی پرائیوٹ لائف سے علاقہ رکھے
ہم یہہ بھی عرض کیا چاہتے ہیں جس کا اشارہ ہم اسی تحریر کے پیراگراف
یل میں کر بھی آئے ہیں۔ کہ بعض سنسکرت علوم کے اچارجی انسان
کی جنم پتری سے اُس کے کرموں کی بدھ لگا دیتے ہوں گے لیکن
اس میں تو ذرا بھی سندیہ نہیں کہ **مؤرخ** بشرطیکہ فلاسفر مزاج

ہو انسان کی **گن پتّری** سے اُس کے بھاگوان یا بدنصیب ہونے کی ضرور ہی سچّی بدھ لگالیتا ہے۔ پس اِسی آخری بِنا پر ابھی سے عرض کیئے دیتے ہیں گویا مورِخانہ یا تاریخی **فراست** سے پیش گوئی کرتے ہیں۔ کہ اِس نوجوان بھاگوان میں ابھی سے وُہ لچھّن موجود ہیں کہ جن سے حُکم لگادیا جاتا ہے۔ کہ وُہ اپنے بزرگوں کی گدّی کو زیب دینگے بلکہ فروتنی اور عین تائی خدا پرستی اور اپنے آقا و لنعمت کی وفاداری میں اُن سے بھی بڑھ جائینگے۔

کو راجہ راجایان مہاراجہ نارائن پرشاد نراندر بہادر سُرکب راجمان کے عالی خاندان والا دُودمان کے بزرگوں میں سے گویا مُورث اعلیٰ راجہ ٹوڈرمل کا تذکرہ ہم پیراگراف الف سے ی تک لکھ آئے ہیں پھر راجہ ٹوڈرمل سے کئی پشتوں کا ذکر بوجوہ چھوڑکر اسی نوبل فیملی کے ممتاز اور مُحتشم ممبر مہاراجہ صاحب موصُوف کے جدّ امجد راجہ راجایان مہاراجہ چندولال کا ذکر خیر بھی پیراگراف یا سے کھہ تک کرآئے ہیں اب ہم اِس تحریر کے ہیرو یعنی خود راجہ راجایان مہاراجہ نارائن پرشاد نراندر بہادر کا (مگر مختصر) تذکرہ کرتے ہیں۔ اور اس تذکرہ کے ضمن میں اکثر ایسے اُمور بھی **یاد** دلائیں گے جو اِس تذکرہ سے تعلّقِ تام رکھتے ہونگے

کز ہمارے راجہ راجایان مہاراجہ نارائن پرشاد نراندر بہادر سمت ۱۹۲۱

اٹھارہ سو چھیاسی میں جو مطابق ۱۸۲۹ء اٹھارہ سو انتیس عیسوی کے تھا پیدا ہوئے تھے - اور سمت ۱۹۴۶ اُنیس سو چھیالیس مطابق ۱۸۸۹ء اٹھارہ سو نواسی عیسوی میں بیکنٹھ کو سدھارے - سمت ۱۹۱۰ اُنیس سو دس مطابق ۱۸۵۳ء اٹھارہ سو ترپن عیسوی میں دولتِ آصفیہ کے مُعزز عہدے **پیشکاری** پر مُمتاز ہوئے یا یوں کہیں کہ اپنی جدّی گدّی پر بیٹھے - اِس حساب سے تیس و شش سال تک اِس اعلیٰ درجہ کے عُہدے پر رہکر اپنے فرائض منصبی کو سرانجام دیتے رہے - اور یہہ کہ آپ کی عُمر ساٹھ سال کی تھی - اِس مقام پر انسب معلُوم ہوتا ہے کہ پہلے مہاراجہ صاحب کی پولیٹکل لائف خصوصاً کا لحاظ رکھ کر لکھی جائے اور پھر پرائیوٹ لائف - ہماری اِس تحریر کا مطلب تو خاص الخاص یہی ہے کہ مہاراجہ صاحب کی سوانحِ عُمری لکھی جائے تاکہ اُن کی اولاد اور اُن کے وارثوں میں اُن کے اُوپر **آثارِ صنادید** کی مانند یہہ بھی ایک یادگار رہ جائے - مگر افسوس ہے کہ بوُجوہ اِس کو ہم بیوگرفی کے طور پر لکھنے سے رہ گئے ہیں اِس میں ہماری کوتہ قلمی نہ سمجھی جائے -

کچ راجہ راجایان مہاراجہ چندو لال کو اپنی پیشکاری کے ایام میں سلطنت آصفیہ کے چار مندرجہ حاشیہ پرائم منسٹروں سے [دیکھو صفحہ آئندہ] ایک کم پچاس برس تک سابقہ رہا - اپنی اعلیٰ درجہ کی دُور اندیشی اور فطرتی

عقل سے انہوں نے ہر ایک کے ساتھ نبھائی- یہہ امر نہایت ہی

اوّل	نوّاب غلام سیّد خاں سُہراب جنگ معین الدولہ شیر الملک اعظم الاُمرا ارسطو جاہ بہادر-	مشکل ہے کیونکہ جرمن بنتھم انگلستان کا متاخر فلاسفر کہتا ہے اور یہہ کہ سچ کہتا ہے کہ "مختلف طبیعتوں کا میلان باہم اختیاری امر نہیں"- لاکھوں تجربے اِس پر شاہد ہیں کہ دو مختلف المذہب اور مختلف الوطن
دُوم	نوّاب ابو القاسم میر عالم بہادر	
سُوم	مُنیر الملک بہادر بالقابہٖ	
چہارم	نوّاب سراج الملک بہادر-	

میں باہم ایسی بنتی ہے اور بنی ہے کہ ایک دُوسرے پر جان قُربان کرنے کو طیار رہتا ہے بلکہ جان قُربان کر دی- اور دو اور متفق المذہب اور متفق الوطن بلکہ متفق البطن میں ہرگز ہرگز نہیں بنتی اور نہ بنی حتّیٰ کہ ایک دُوسرے کے خُون کا پیاسا ہوتا ہے بلکہ ایک نے دُوسرے کا خُون پی ہی لیا ہے- یہہ اختلاف اور اتّفاق نہ تو وحشی لوگوں پر منحصر ہے اور نہ مہذّب آدمیوں پر- اور طُرفہ یہہ کہ کبھی کبھی اِن دونوں امروں کا باعث بھی معلوم نہیں ہوتا- اب ناظرین کی جو مرضی میں آوے کہیں ہم اِس امر کے کہنے سے تامّل نہیں کرتے کہ زیرِ بحث واقعہ کو تقدیری یا نیچرل کہیں تو ناظرین ہی بتائیں کہ اِس کو کیا کہیں- اگر ناظرین بینا آنکھیں رکھتے ہیں تو ہر سوسائٹی اور ہر مُلک اور ہر درجہ اور صنف کے لوگوں میں اِس بھید کو

پائیں گے۔ اور اگر ناظرین مؤرخ مزاج ہیں تو اُنہوں نے گزشتہ تقریباً ساٹھ صدیوں سے کے ہر مُلک کے لوگوں میں اور یہہ کہ ہر درجہ اور ہر صنف میں اِس بلا اور آفت کو ثابت کرلیا ہوگا۔ البتّہ کمی بیشی ضرور ہوگی ورنہ ناممکن ہے کہ اِس کا وُجود ہی نہ ہو۔ اِس پر بھی ریفارمروں اور مُعلّموں اور اَور نیک لوگوں کی ضرورت دیکھتے ہیں تاکہ جس قدر اُن کے وُجود باجُود کی بدولت اِس مرض بلکہ یُوں کیُوں نہ کہیں کہ لاعلاج مرض میں انحطاط اور کمی ظہور پذیر ہو غنیمت ہے۔ کسی نبی کے عہدِ مُبارک میں یہ بلا کالعدم ہوگئی ہو تو اُس نبی کا نام مُبارک بتلایئے؟ اور اگر کسی ریفارمر کے زمانہ میں اِس کا وُجود نہ رہا ہو تو اُس کا نام نامی فرمایئے؟ اور مانا اگر کسی ظلم اور سفّاک حُکمران کے دَور دَورہ میں بھی ناپید ہوگئی ہو تو اُس کا نام لیجئے؟ یُوں ہم جرمی بنتھم کو یُوں اور وُوں کہیں تو یہہ ایک دُوسرا پوائینٹ ہے مگر اُس کا قول بڑوں کی وقعت اور عزت رکھتا ہے۔ بڑا افسوس البتّہ یہہ ہے کہ جو سوسائٹی اپنے کو اعلیٰ سمجھتی ہے اور یہہ کہ فی الحقیقت نہیں ہے اُسی میں یہہ مرض جس کو رذیلت کہنے میں ہم کو ذرا بھی پس و پیش نہیں ہے زیادہ ہے۔

کط غرض کہ ہمارے راجہ راجایان مہاراجہ نارائن پرشاد نراندر بہادر نے بھی دولتِ آصف جاہی کے مندرجہ حاشیہ [دیکھو صفحہ آیندہ] تین پرائم منسٹروں کے ساتھ جو اپنے اپنے عہد میں مُستقل تھے اور ہیں اور

ایک کرنل مارشل نامے **فصل** سکرٹری بندگانِ حضور نظام سے

اوّل- ہز اکسلنسی نوّاب سر میر تراب علی خاں بہادر سالار جنگِ ثالث شجاع الدولہ مختار الملک جی سی ایس آئی- ڈی سی ایل فردوس منزل
۳۶ سی و شش سال تک کی مُدّت نبھادی- اب ناظرین

ثانی- ہز اکسلنسی نوّاب سر میر لائق علیخاں بہادر جنگ رابع مُنیر الدولہ مختار الملک عماد السلطنت کے سی آئی ای آرم آرام گاہ-
ذرا خود بھی غور کریں کہ مہاراجہ صاحب میں کس درجہ کی عقل سلیم اور کس اعلیٰ رُتبہ کا تجربہ

ثالث ہز اکسلنسی نوّاب سر محمّد مظہر الدّین خاں بہادر رفعت جنگ بشیر الدولہ عُمدۃ الملک اعظم الاُمرا امیرِ کبیر آسمان جاہ کے سی ایس آئی-
ہوگا کہ جس کے ذریعہ سے ان ذی اختیار اور عالی جاہ لوگوں کے ساتھ صُلح مدارات سے

۳۶ سی و شش سال کی طویل مُدّت نبھائی- انسان میں یہہ ایک قیمتی جوہر ہے کہ مختلف طبیعتوں کے ساتھ میل جول پیدا کرکے نیچرل مُدنی الطبع ہونے کا سچ مچ مصداق بن جائے حضرت اورنگ زیب عالمگیر نے جب اپنے پرنس محمّد معظم کو بنگالہ کی صُوبہ داری پر بھیجا- تو اور ہدایتوں کے علاوہ ایک یہہ ہدایت بھی کی کہ پُرانے اہلکاروں کی موقوفی ہماری منظوری کے بغیر نہ کرے- واں پہنچکر شاہزادے نے دیکھا کہ پُرانے اہلکاروں کی نظروں میں میرا کُچھ رعب داب نہیں- اس لیئے اُن میں سے بعض سرکردوں کی موقوفی کی رپورٹ کی- خیر عالمگیر شاہنشاہ نے پرنس

کو جواب لکھا کہ جو اہلکار ہمارے جدِّ امجد اکبر کے ہاں تھے وُہ ہمارے جد جہانگیر کو میسّر نہ ہوئے اور جو کارگزار ہمارے جد کو ملے وُہ ہمارے والد شاہجہاں کو نہ ملے اور جو خدمت گزار ہمارے والد کے ہاں تھے وُہ ہمارے عہد میں نہیں۔ پس مَیں تُمہارے واسطے کیا آسمان سے فرشتے منگاؤں؟ باہمیں مردمان بباید ساخت + چہ تو ان کرد مردمان اینند پر عمل کرو (کلماتِ طیباتِ عالمگیری) بعض شخص جو اپنے خاندان کے جہاز کے ناخُدا ہیں اپنی کمزور اور غیر مستقل طبیعت کی وجہ سے مختلف طبائع کے لوگوں سے اِس وجہ سے میل جول نہیں رکھتے کہ وُہ جھوٹے بدکیرکٹر اور بدمذہب ہیں۔ یہہ بات بھی صحیح ہے کہ وُہ ایسے ہیں مگر تُم لڑکے نہیں ہو جن میں کمزور اور غیر مُستقل طبیعت ہوتی ہے۔ تُم تو پُختہ مغز ہو تُم کو تو اپنے جہاز کو ہر مخالف ہوا میں چلانا ہے۔ پس اگر تُم راستباز گُڈ کیرکٹر اور عُمدہ مذہب رکھتے ہو تو اُن کو بھی اپنے زور طبیعت سے جِسے گوا الکٹریسٹی بھی کہہ سکتے ہیں اور اٹریکشن بھی کہہ سکتے ہو اپنی نیکی کی طرف کھینچ لو بچوں کی سی طبیعت نہیں رکھنی چاہیئے کہ ہر بات پر جو خلافِ متانت ہو ناخوش ہو جانا۔ مردانہ طبیعت اِنسان کا یہہ شیوہ ہوا کرتا ہے کہ مخالف سے مخالف جھگڑے میں سے بھی اپنے جہاز کو صحیح سلامت نکال لے جاتا ہے وُہ لوگ جن کو گویا قدرت سے جہاز سُپردہی نہیں ہوئے اُن میں اگر ایسی

طفلانہ اور کم ظرفوں کی سی طبیعت ہو تو ہوا کرے۔ مگر جن کو جہاز سپرد
کیئے گئے ہیں اگر اُن کی طبیعت ایسی ہو تو وہ جہاز ڈوب جائیگا۔
کپتان کرسٹو کلمبس مرحوم جس نے امریکہ کو نکالا ہے سنہ ۱۴۹۶
چودہ سو چھیانوے عیسوی میں ہوا ہے جس کو آج چار[۴] سو سال گزری
ہیں۔ اور امریکہ وہ ملک ہے کہ آج خود ایک جہان ہے یورپ
کی تمام سلطنتیں باہم ایک دوسری کو دھمکاتی ہیں مگر اُن میں سے
کسی کا کیا مقدور کہ امریکہ کی طرف آنکھ بھر کر بھی دیکھے۔ کیوں کہ اُن کے
جنرل واشنگٹن کے بہادرانہ اور مدبرانہ معرکے ایسے نہیں کہ بھول
جائیں۔ غرض کہ اِس بہادر اور مستقل مزاج کا جہاز کئی بار تباہی کے قریب
پہنچ گیا مگر اپنی بردباری اور تحمل سے کامیاب ہو ہی ہوا یعنی امریکہ کو ظاہر
کر کے باز رہا [تاریخ امریکا] شاہ شجاع الملک سدوزئی کابل افغانستان
کا اصلی بادشاہ اپنے نمک حرام اور کور نمک امیروں اور وزیروں سے تیرہ[۱۳]
بار شکست کھا چکا پھر بھی چودھویں[۱۴] بار نہ رہ سکا۔ آخر اُس نے سنہ ۱۸۳۹ء
اٹھارہ سو انتالیس میں فتح حاصل کی [محاربات کابل] المختصر عالی حوصلو
عالی ظرفوں اور عالی پایگاہوں ہی کی طبیعت کا خاصہ ہوتا ہے کہ ہر درجہ
کے لوگوں کے ساتھ اور ہر صنف کے آدمیوں سے موافقت کر لیتے
ہیں۔ اور خاص کر یہہ کہ بُروں کو اچھا بنا لیتے ہیں۔ یاد رہے کہ یہہ مردانہ

طبیعت ہر کسی کے نصیب نہیں ہوا کرتی بلکہ اُنہیں کو عطا ہوا کرتی ہے کہ خدا نے جن کے سپرد جہاز کیا ہے یا یُوں سہی کہ دُنیا میں جو بھاگوان اور اقبالمند ہوتے ہیں۔ دُکھ بھی مردوں کے لیئے ہی ہوتا ہے اور سکھ بھی اُنہیں کے واسطے۔ نامرد کم ظرف اور بد سرشت کو ہرگز ہرگز ایسی طبیعت مرحمت ہی نہیں ہوتی۔

ل کیا ہم ہندوستانیوں بلکہ ایشیائیوں کو اور کیا یوروپین مدبروں کو اس میں ذرا بھی کلام نہیں کہ۔ خُلد نشین سر سالار جنگ ثالث میر تُراب علی خاں بہادر بالقابہ و مدارجہ جیسا دل و دماغ رکھنے والا وزیر اعظم نہ سلطنتِ آصف جاہی میں کبھی ہوا اور نہ انڈیا کی کسی اور دیسی ریاست میں ہوا اور نہ کوئی اب موجود ہی ہے دیکھو لائف آف تھرڈ سالار جنگ بائی دی نواب سید حُسین عماد الدّولہ بلگرامی پرائیویٹ سکریٹری ہزہائینس نظام اور ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن کنگڈم آف حیدرآباد دکن راجہ راجایان مہاراجہ نارائن پرشاد نراندر بہادر گویا سر سالار جنگ کے نائب تھے مگر نہایت ہی فرماں پذیر تھے حتیٰ کہ اُن کی ہر ایک مجوّزہ تجویز کو کمال خوبی سے عمل میں لانے والے تھے۔ اور یہہ کہ اپنی پیشکاری کے دور میں اُن کا یہی حال رہا۔ کیوں کہ پرائم منسٹر کی تجویزوں کے عمل میں لانے میں اپنے خداوند اور

ولی نعمت بندگان حضور **لینگ** آف حیدرآباد دکن کی سلطنت کی آبادانی مرکوز اور مضمر تھی۔

۷ دونوں صاحبوں نے متفق الرّائے والمعنی ہوکر سلطنت نظام میں سے خدانخواستہ مُلک کی برباد کرنے والی اُن چھ قباحتوں کو جن کا تذکرہ ہم نے پیراگراف **۳** میں کیا ہے دُور اور دفع کر دیا۔ اگرچہ قباحت نمبر پنجم نہ تو سرسالار جنگ بہادر ممدوح الاوصاف سے اُن کے مُبارک اور مخیّر دورِ وزارت ہی میں جو سی و یک سال تک رہا دُور ہو سکی اور نہ اُن کے جنّت نشین خلف الصدق سرسالار جنگ رابع ہی سے سرآسمان جاہ بہادر وزیر اعظم حال سے بھی جو برسر حکومت ہیں ابتک تو دُور نہیں ہو سکی۔ آیندہ دیکھئے۔ غرض کہ سرسالار جنگ ثالث کی وزارت اور راجہ راجایان مہاراجہ نارائن پرشاد نرانکر بہادر کی پیشکاری کے ایام میں مُندرجہ ذیل انتظام **ایجاد** ہوئے اور نہ صرف ہاتی کے دکھلانے والے دانتوں کی مانند دکھانے کے واسطے ہی تھے۔ بلکہ سی و یک سال کے عرصہ دراز میں وُہ انتظام جیساکہ چاہیئے **عمل** میں بھی آئے۔ چنانچہ

(۱) جس مُضر اور بربادکُن مُلک طریقہ سے سلطنت آصفیہ کی آمدنی نالایق کارکنوں کے عہد میں بڑھائی جاتی تھی جو حقیقت میں ایک عمدہ

سلطنت کے طریقہ آمدنی کے مقابل پرلے درجہ ناجائز اور نامطبوع تھا۔ اور جس سے برٹش پاور کے انڈپنڈنٹ کارکنوں کی نکتہ چین اور معاملہ رس طبیعتوں اور نظروں میں سلطنت آصفی ہر طرح کے اعتراضوں کی ایک آماج گاہ بنی ہوئی تھی۔ وہ بالکل ہی کالعدم اور نیست و نابود کیا گیا۔ حتیٰ کہ آج اس بدعت کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہا۔ بلکہ اگر اس سلطنت کو صرف اسی ایک امر میں (اور مفید امروں سے اس وقت قطع نظر کرکے) برٹش گورنمنٹ کے کسی آباد ان صوبہ سے مقابلہ کیا جائے تو وزن میں کم نہ اترے گا۔ بلکہ اس کی چوٹ اور ٹکر ثابت ہوگا۔ دیکھو رزیڈنٹوں کی بانکی اور ترچھی طبیعتیں جو ایسے معاملوں میں از حد نازک ہوتی ہیں مدت ہوئی کہ اس قسم کے اعتراضوں سے سبکدوش ہیں دیکھو کتاب حیدرآباد دکن انڈر سر سالار جنگ بائی دی نواب محمد چراغ علی خاں بہادر اعظم یار جنگ ریونیو سکرٹری ہز ہائنس نظام والیوم فرسٹ سکینڈ تھرڈ اینڈ فورتھ۔

(۲) کنٹنجنٹ فوج کے اخراجات یا اور سرکار نظام کے قرضہ کے ادا کرنے کی ضرورت پر جو عربوں اور پٹھانوں سے بے انتہا سود پر روپیہ لیا جاتا تھا۔ اور کفالت کے طور پر تعلقے کے

تعلقے اور علاقے کے علاقے اُن کے سپُرد کر دیئے جاتے تھے جو سلطنتِ آصفیہ کے حق میں سخت مُضر تھا بالکل ہی موقوف کر دیا گیا - یہہ عرب اور پٹھان جس طرح سے چاہتے تھے ! بے زبان اور بے بس رعایا سے روپیہ وصُول کرتے تھے حالانکہ رعایا کی مُفلسی کا اثر سلطنت نظام پر پہنچتا تھا - اِس انتظام کے تبدیلی کے دنوں میں سلطنتِ آصفی کو قرضہ کی ضرُورت تھی - مگر حال یہہ تھا کہ اَور ساہوکار نہ پتیاتے تھے - ساہوکاروں کو اعلیٰ درجہ کی دانشمندی سے اطمینان دلایا گیا - اُن کو تسلی دیکر روپیہ کا لینا اِس لیئے ضرُور تھا کہ عربوں اور پٹھانوں کی نسبت بہت ہی کم سُود پر دیتے تھے خاص کر اُن کے پاس کفالت کی ضرُورت نہ تھی - ساہُوکاروں کے ساتھ بہت شریفانہ اور فیّاضانہ سلُوک کیے گئے - مگر طُرفہ ماجرا یہہ ہے کہ اَب کچھ عرصہ سے سلطنتِ نظام کو قرضہ لینے کی ضُرورت ہی نہیں پڑتی - اِنتظام کی خوبی لاریب اسی کا نام ہے -

(٣) سلطنتِ آصف جاہی پر جو گویا بے انتہا قرضہ تھا کس عُمدگی سے ادا کیا گیا کہ رعایا پر بھی بار نہ پڑا اور نہ ساہُوکاروں کی حق تلفی کی گئی خزانۂ سلطنت کی جو محض خالی تھا ایسی نوبت کبھی نہیں آئی اور نہ اَب

موجود ہے۔ بلکہ بندگانِ حضور فرماں روائے دولتِ آصفیہ کا ذاتی روپیہ جو قرض خواہوں کو دیا جاتا تھا پھر ایسا نہ کیا گیا۔ حتیّٰ کہ حضورِ پُرنور کے زیورات جو ایسے کاموں کے لیئے گرو پڑے رہتے تھے پھر ایسی نوبت کبھی نہیں آئی۔ پنجاب کے سابق بادشاہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی بھی صرف ایک بار یہہ نوبت ہوئی تھی۔ کہ جب فوج کو قلعہ کانگڑہ پر جو اب پنجاب میں خود ایک ضلع ہے چڑھائی کا حکم دیا۔ تو فوج نے کئی مہینوں سے تنخواہ نہ ملنے کی وجہ سے اِس مُہم پر جانے کے لیئے اِنکار کیا۔ آخرکار جب اپنی ایک اہلیہ (موراں) کا مُرصّع زیور رہن رکھ کر فوج کی تنخواہ دی تو قلعہ مذکور پر چڑھائی کی اور اُس کو فتح بھی کر لیا مگر مہاراجہ صاحب موصوف کی پھر تو ایسی ساکھ ہوئی کہ ساہوکار قرض دینا چاہتے تھے اور مہاراجہ صاحب ممدوح ہرگز نہ لیا کرتے تھے کیُوں کہ ایسے ہتک کی ضرورت ہی نہ تھی وُہ قرض کو ہتکی سمجھتے تھے۔

(۴) مالگزاری جو ٹھیکہ پر دی جاتی تھی۔ جس کی وجہ سے اُن ٹھیکہ داروں نے جو اِس فیّاض اور مخیّر سلطنت کو نہ صرف کمزور کر دیا تھا بلکہ تباہی تک نوبت پہنچا دی تھی۔ جس کا ایک اور نتیجہ متذکرہ بالا

نتیجوں کے سوا یہہ ہوا تھا کہ سلطنت کی آمدنی کی نسبت خرچ زیادہ
ہوگیا تھا۔ اِن سب باتوں کا علاج کیا گیا۔ یعنی زمینوں کو حسب قاعدہ
پیمائش کراکر اور زمینداروں ہی سے ساتھ نقدی مُقرر کی گئی جو
سب سے معقول انتظام ہے۔ ٹھیکہ داروں کی زیادہ ستائی
کی آفت سے نہ محض کاشتکار ہی بچ گئے بلکہ ریاست بھی
بچ گئی جس سے مُختلف قوموں اور مذہبوں کو خیر اور فیض پہنچتا ہے۔
اور یہہ کہ خرچ کی نسبت آمدنی زیادہ ہوگئی۔ اگرچہ بہت زیادہ نہ ہوئی
کیوں کہ پس انداز کی نوبت نہ آئی۔ پھر بھی غور پسند اور معاملہ رس طبائع
اِس **مُلکی راز** کو سمجھ سکتی ہیں کہ کس درجہ تک تنزل
کی حالت تھی اور کس رُتبہ تک ترقی کی معراج اور اوج اور عروج
پر پہنچ گئی۔ اور یُوں تو ہم آگے چل کر دکھانے والے ہیں کہ اور
سلطنتیں تو خیر یورپ کی سب کی سب با وزر ایسی مقروض ہیں کہ
ایک ہی نہیں بلکہ **ارب پونڈ** تک نوبت پہنچی ہوئی ہے۔

(۵) ہمارے قلم کو اس موقع پر یہہ فیکٹ افسوس کے ساتھ لکھنا پڑا۔ کہ برار
کا ملک جو برٹش فوج کے اخراجات میں دیا جا چکا تھا جس کی آمدنی
اُس وقت تینتالیس لاکھ سینتالیس ہزار نو سو تینتیس
تھی اور اب تقریبًا **ایک کروڑ** ہے جس سے ملکِ دکن

پر اب تک نامناسب اور بُرا اثر ہے واپس نہ ہو سکا پر نہ ہو سکا۔ یہ مرحلہ ایک بڑا بحر طویل ہے اِس کے متعلقات بھی بکثرت ہیں۔ اِس وجہ سے جب تک کہ کُل ماجرا اور پھر یہ کہ بہ احتیاط نہ لکھ دیا جائے سمجھ میں نہیں آسکتا کہ بات کیا ہے۔ مگر ہم مختصر اور ماقلّ و دلّ لفظوں میں اِس کو یُوں ادا کرتے ہیں۔ کہ فردوس مقام نوّاب سر میر تُراب علی خاں سر سالار جنگ ثالث بالقابہ کی پرائم منسٹری اور راجہ راجایان مہاراجہ نارائن پرشاد نرندر بہادر کی پیشکاری کے عہد سے پہلے سابق منتظموں کی بے انتظامیوں سے برار کو دینا پڑا تھا۔ علاوہ برآں اُس عہد کے گورنر جنرل بھی اپنی قوم کی پرورش کے لیئے اپنی کچھ کارگزاری دکھانا چاہتے تھے خیر اب دیکھتے ہیں کہ سابق مُنتظموں نے تو وہ کیا اور اُن کے جانشینوں نے یہ۔ جدید منسٹری کیا کر کے دکھاتی ہے (دیکھو اس تالیف کا خاتمہ جس میں اِس پوائنٹ پر مُفصّل گفتگو درج ہے)

(۶) عربوں کا زور شور اور اُن کی خود مُختاری بلکہ خُود حاکمی نیست و نابُود کی گئی۔ کیوُں کہ جب اُن کی کفالت سے تعلّقے اور علاقے نکال لیئے گئے تو پھر خُود مختاری اور خود حاکمی کریں تو کس پر کریں وارد ہیں

جو آئے دن اور متواتر و متوالی ظہور میں آیا کرتی تھیں اور طرّہ برطرفہ یہہ کہ پھر پتہ ندارد کا مصداق تھیں۔ موقوف ہوگئیں اب ایک ادنی حرکت کا پتہ معاً لگ جاتا ہے جس سے یہہ آصفی سلطنت برٹش گورنمنٹ کے کسی مقبوضہ صوبہ سے کسی امر میں گھٹ کر نہیں۔ ہمارا یہہ دعوی ہی دعوی نہیں بلکہ ہم نے اس بات کو اثبات کے درجہ پر پہنچا کر لکھا ہے۔ کیونکہ نظام گورنمنٹ کی اینول رپورٹوں کے ساتھ برٹش گورنمنٹ کی اڈمنسٹریشن رپورٹوں کا مقابلہ کیا ہے تب ہم نے یہہ الفاظ لکھے ہیں کہ آصفی سلطنت برٹش گورنمنٹ کی کسی مقبوضہ صوبہ سے کسی امر میں گھٹ کر نہیں۔ یوں ہی اٹکل پچو نہیں لکھ دیئے بیدار مغز ناظرین کو اگر تحقیق کی تدقیق منظور ہو تو مندرجہ بالا رپوٹوں کا باہم ہر ایک ملکی مالی جوڈیشل امروں کا مقابلہ کرکے جو بدیہی الانتاج نتیجہ نکلے نکال لیں **یاد** رہے یاں خیالات کا کام نہیں جو بچے اور لونڈے اڈیٹروں کا آج کل شیوہ ہو رہا ہے یاں خیالات کے پر جلتے ہیں

لب غرض کہ راجہ راجایان مہاراجہ نارائن پرشاد نرائند بہادر بیکنٹھ دہام کی پولیٹکل زندگی جیسا کہ ہم بیان کر چکے اپنے آقائے نعمت

کی عین **وفاداری** اور اپنے سوپیریر کی فرمان پذیری میں گزری مہاراجہ صاحب ممدوح خود بھی افیشنگ پرائم منسٹر رہے تھے۔ چونکہ اب ہم نے مہاراجہ صاحب موصوف کی پولیٹیکل لائف سے فراغت پائی ہے اسلیئے اب ہم اُن کی پرائیویٹ لائف بھی بیان کرتے ہیں۔

مہ عربی فارسی زبانوں میں بیکنٹھ براجمان نے اعلیٰ درجہ کی تعلیم پائی تھی۔ ان زبانوں میں آپ بخوبی لکھ پڑھ اور بول سکتے تھے اخلاق مروت اور فیاضی میں اپنے جدِ امجد کے ٹھیک نقشِ قدم پر چلتے تھے۔ اپنے آقا اور ولی نعمت کی وفاداری میں خاص کر بڑے مستقل مزاج تھے۔ اگر ہم اِن صفات کو جو اُن کے وجود باجود میں تھیں نیچرل کہیں تو زیادہ گوئی سے متہم نہیں ہو سکتے۔ اس میں شک نہیں کہ بلحاظ جسمانی پیدائش کے آپ نے مشہور اور نوبل خاندانِ ہنود سے ظہور پایا۔ مگر حقیقت میں آپ ایک صوفی صافی مشرب تھے جس کو ویدانتی بھی کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ آپ کو کسی مذہب و ملت بلکہ کفر اور شرک سے بھی تعصب نہ تھا اگر آپ کو موحد بھی کہیں تو زیبا اور انسب ہے۔ "الفقر فخری" کے مطلب کو آپ خوب سمجھتے تھے یہی وجہ تھی کہ مہاراجہ صاحب

اس میں گویا محویت بلکہ فنا کا اعلیٰ مرتبہ حاصل کیئے ہوئے تھے۔ مہاراجہ صاحب ممدوح کو اس امر کا بڑا ولولہ تھا کہ یہہ ظاہری اور دُنیوی لباس بھی تبدیل کر دیا جائے۔ الا گرہست پن کو بھی آپ ضروری ثابت کئے ہوئے تھے آخر کار دونوں مرحلوں کو برابر برابر طے کر گئے۔ اگر اُن کے بھاگوان اور اقبال مند جانشین (جن کا تذکرہ ہم اسی تحریر کے انسب موقع پر کریں گے) مہاراجہ صاحب کی زندگی میں مہاراجہ صاحب کے عالی دُنیوی رتبہ کو حاصل کر لیتے۔ تو یقین تھا کہ مہاراجہ صاحب اپنے اس ارادہ میں بھی ضرور کامیاب ہوتے۔ الحاصل مہاراجہ صاحب کی دونوں حالتیں کیا دُنیوی اور کیا دینی اور کیا ظاہری اور کیا باطنی لائق و فائق ندیموں اور پوتر اور گیان وان بھگتوں کی سی تھیں۔ اس امر میں اس روشنی کے زمانہ کے تصدّق سے کوئی شبہہ نہیں رہا۔ کہ انسان کی رُوح جس کو مختلف ناموں سے پکارا جاتا ہے جیسا کہ آتما اور نفس ناطقہ وغیرہ غیر فانی اور ابناشی ہے۔ اور یہہ کہ اس ہٹّی کے انوکھے اور شرح کرم والے پتلے یا سیتھو سے الگ ہو کر بھی وہ ابناشی جیون یعنی ابدی زندگی پاتی ہے۔ اور جن رُوحوں کے ساتھ اُس کو یاں تعلق تھا واں جا کر بھی رہتا ہے بلکہ یُوں سمجھئے کہ آتما ہی کا نام منش آدمی اور انسان ہے۔ جن رُوحوں نے یاں رہکر اکرموں کو تیاگ دیا۔ اور پوتر تائی دیا اور مایا سے

کام رکھا۔ آنے والے سنسار میں اُن کی باس پرلوک اور بیکنٹھ میں ہوگی جس کو بہشت اور جنت بھی کہتے ہیں۔ اور جن رُوحوں نے اس دیہہ کے ساتھ تعلق رکھکر اکرموں کو تیاگ نہیں دیا وہ اُور مقام میں رہکر سزا پائینگے جس کو نرک کُنڈ اور جہنم بھی کہتے ہیں۔ بھاگوان لوگ اس گیان کو اسی سنسار میں رہتے ہوئے سمجھ کر حاصل کر لیتے ہیں اور پھر زندگی بھر تک اپنے چال چلن کو اُسی کے مُطابق سنوار لیتے ہیں۔ اُن کے لچھن اس طرح کے ہوتے ہیں کہ اُن کے دروازے پر جو کوئی پرمیشور دینا ناتھ کرپالو دیالو کا نام لیتا ہے اُس کو بے عزت نہیں کرتے۔ وغیرہ۔ سچے بھگت کے لچھن اسی دُنیا میں معلوم ہوجایا کرتے ہیں کیوں کہ وہ کوئی کام جان بُوجھ کر اپوتر تائی اور اکرمتا کا نہیں کرتا۔ چوں کہ مہاراجہ صاحب زیر بحث کے کیرکٹر پرمیشور کے بھگت لوگوں کے سے تھے اس لیئے اُنکا ابناشی آتما آپ تو سُرگ میں ہوگا۔ مگر جن رُوحوں کو پیچھے چھوڑ گئے ہیں اُن کی طرف اُن کا دھیان لگا ہوا ہوگا

اُن کی انندتا سے اُن کو بھی انندتا

حاصل ہوگی۔

کتاب

مہاراجہ نرانّدر بہادر کی سوانح عمری اور آپ کے خاندانی حالات کا

خاتمہ

گو ہماری یہہ ہیچ میرز تصنیف ہمارے ہیرو مہاراجہ نرانّدر بہادر کی لائف کے بیان میں ہے۔ لیکن ہم اُن کے نامور بزرگوں کے حالات کے انکشاف اور تحریر میں بھی سوانح عمری ہی کے علم کے داب اور طرز کے بہ موجب مجبور تھے جو معرض تحریر میں لائے گئے ہیں۔ اور یہہ کہ اُن کے حالات کے متعلق اور بھی ضروری امور کا بیان ہوا ہے جن کا بیان کرنا مُصنّف کا خاص الخاص فرض تھا

ضروری

ہم خود اقرار کرتے ہیں کہ اس قسم کے بیانات نے جن کو ہم نے کہا ہے بہت سی روشنائی اور بہت سا کاغذ خرچ کروایا ہے۔ اور جو حال دل و دماغ کا ہوا وہ مورّخ مزاجوں پر ظاہر ہے۔

لہ

ہمارے غور پسند ناظرین نے ملاحظہ فرمالیا ہوگا۔ کہ بہت سی روشنائی اور بہت سے کاغذ اور دل و دماغ کی طاقتوں کا صرف کن باتوں میں ہوا۔ کیوں کہ اس تصنیف میں ہر سبجکٹ کے متعلق واقعات اور فیکٹز کا بیان ہے۔ خیالات اور پیپربل سے ہرگز ہرگز کام نہیں لیا گیا۔ بل کہ ان سے سخت نفرت کی گئی ہے۔ مثلاً راجہ سری رام چندر جی کے متعلق جو بیان ہے وہ واقعہ اور تاریخی ہے اور یہہ کہ ہم بڑے دعوے کے ساتھ کہتے ہیں کہ وہ بیان مورخانہ بل کہ اگر اور سچ کہا جائے تو فلاسفرانہ بیان ہے۔ اِس سچے دلپذیر اور یہہ عبرت بخش اور تنبیہ خیز واقعہ کو ناول افسانہ سٹوری کے طور پر بیان کر کے غیر معتبر اور مسخراپن کا سا واقعہ نہیں کر دیا گیا جو اکثروں نے کیا ہے۔ ہم نے راجہ رام چندر کا ماجرا بن باس کے زمانہ سے لیکر تخت نشینی تک لکھا ہے جو اُن پر سخت ترین مصیبتوں کا زمانہ تھا اور ساتھ ہی کامیابی بھی مضمر تھی۔ اور ہمارے معزز ہمعصر ہند خصوصاً دہلی کے افتخار شمس العلما مولوی محمد ذکاء اللہ خاں بہادر پروفیسر اُردو لٹریچر اینڈ سائنس

میور کالج اور فیلو الہ آباد یونیورسٹی نے بھی اپنی کتاب تہذیب الاخلاق آریا ہند میں راجہ ممدوح الاوصاف کا حال لکھا ہے۔ مگر ابتدا سے لیکر صرف بن باس کی طیاری تک لکھا ہے۔ اور اچھا لکھا ہے حتیٰ کہ سٹوری ناول اور افسانہ نہیں کر دیا۔ مولوی صاحب ممدوح آج اعلیٰ درجہ کے عالم شخص ہیں۔

لو غرض کہ ہم نے مہاراجہ نراندر بہادر کی سوانح عمری کے دوران میں ہر ایک امر کو صحیح واقعات اور تواریخی بیان کی بنیاد پر بیان کیا ہے۔ خیال کو کام میں نہیں لایا گیا جس کو نامدار مؤرخوں نے اور نیز مستند فلاسفروں نے خواب پریشان اور مجذوب کی بڑ کہا ہے۔ لاریب ہر ایک ہسٹاریکل پوائنٹ کے ساتھ ابنیں ہیں۔ اور یہہ کہ واقعات کا لب لباب لیکر بڑی تفصیل کے ساتھ رائیں قائم کی ہیں حتیٰ کہ اس تالیف بھر میں خیالی امروں کو کہیں پھٹکنے تک نہیں دیا۔ کیوں کہ جب دلچسپ اور تنبیہ بخش واقعات کے دفتروں کے دفتر دنیا میں موجود ہیں۔ تو ہم پاگلوں اور سڑیوں کی مانند محض بے بنیاد خیالات کے پیچھے کیوں دوڑیں۔ دنیا بھر کے واجب الادب والتکریم ریفارمر حکیم الٰہی ارسطاطالیس نے اسکندر ذوالقرنین کو خیالات کی تعلیم نہیں دی تھی۔ بل کہ واقعات اور صداقتوں کی تعلیم دی تھی۔ چنانچہ اسی ماہیت کو ہمارے ملک ہند کے مشہور عالم

سابق شہنشاہ حضرت محی الدین اورنگ زیب عالمگیر نے ایک موقع پر اپنے اتالیق مُلا صالح نام کو مخاطب کر کے ظاہر کیا تھا - ہماری تالیف کے مطالعہ کرنے والوں کو زیبا ہے - کہ ہمارے فردوس منزل شاہنشاہ کے دلپذیر اور عبرت بخش مکالمے کو جو اپنے اُستاد سے ہوا ملاحظہ فرمائیں - الحاصل ہم نے اِس کتاب میں خیالات کو جو توہمات سے زیادہ قدر و منزلت نہیں رکھتے کہیں راہ نہیں دیا - عام اِس سے کہ ہماری ناچیز تالیف ہر دل عزیزی کا بہت بڑا اعلیٰ رتبہ حاصل کرے - یا اُس کو پڑے پڑے دیمک چاٹ جائے کیوں کہ ہم کو ہرگز پسند نہیں کہ ہمارے اہل وطن حقیقی باتوں کو چھوڑ کر بے پر اُڑنے والی خیالی اور وہمی پریوں کے پیچھے دوڑتے پھریں اور آخر کو اِدبار کے دیو ملیچھ اور دہشت کے آہنی پنجہ میں گرفتار ہوں -

جیسا کہ سلکِ مسلسل میں مختلف اقسام کے بیش بہا جواہر اور آبدار موتی ہوتے ہیں - اور مرصع کار کی باریک بین نظر کی وجہ سے وہ باہم مناسبت کے ساتھ لگے ہوئے نظر آتے ہیں - اور یہ کہ اُن کو عالی نگاہ جوہری ہی پہچان سکتے ہیں - کہ یہ شاہانہ دربار میں پیش ہونے کے قابل ہیں کہ نہیں - اسی طرح سے اِس تصنیف میں

مختلف مگر بڑے بڑے امور درج ہیں - اور یہ کہ باہم مناسبت کے
ساتھ ایک دوسرے کے پہلو میں رکھے گئے ہیں - اب عالی نظر
مؤرخ ہی پہچان سکیں گے کہ وہ اصل سبجکٹ کے ساتھ تعلق تام رکھتے
ہیں کہ نہیں - صدہا صاحب برکت اور صاحب فیض اور عالی جاہ اور
اولی العزم لوگوں کے نام نامی اور اُن کے نادر اقوال اور تصنیفات
زندہ کی گئی ہیں - ہیچمدان مؤلف نے صاحب برکت صاحب
فیض اور عالی جاہ اولی العزم لوگوں کے بزرگ ناموں اور اُن کے
نادر اقوال اور اعلیٰ درجہ کی تصانیف سے اقتباسات کو ایک سلک
میں پرو دیا ہے - یا یوں بھی کہ ایک جگہہ یعنی اس کتاب میں جمع
کردیا ہے - گو ظاہر بینوں کی کوتاہ اور تنگ نظروں میں وہ ایک
اجتماع ضدین یا کم سے کم نقیضین کا سا نقشہ ہی کیوں نہ ہو - الّا در حقیقت
جو اصلی مطلب کے اثبات میں اُن کے بزرگانہ ندیمانہ اور فلاسفرانہ قولو
کو اُن کی قابل عزت تصانیف سے انتخاب اور اقتباس کیا گیا ہے
تو وہ ہر ایک عینک سے اور ہر ایک کسوٹی سے اور ہر ایک میزان
سے کامل اعیار اور وزن میں پوری **صداقتیں** ہیں - پس جب
اصل مطلب اور اُن صداقتوں میں کامل مطابقت پر لحاظ کیا جائیگا - تو نہ
اجتماع ضدین ہی کے نقشہ کا نقشہ جمیگا - اور نہ نقیضین ہی کا وجود پایا جائیگا

ذرا اس تالیف کے **انٹروڈکشن** کی دفعات ۳۵ تا ۳۷ خصوصاً اُس کی دفعہ ۴۰ کا مکرّر اور بہ امعانِ نظر ملاحظہ ہو۔

ح اِس تالیف میں دو طرح کے **انڈکس** شامل کیے گئے ہیں۔ ایک تو مجمل ہے اور دوسرا مفصّل مفصّل انڈکس جو دفعہ وار اور پیراگراف وار ہے۔ گویا ساری کتاب کی جان ہے جس سے تمام کتاب کے مطالب معلوم ہو جاتے ہیں۔ ناظرین کو اختیار ہے کہ جو مضمون اُن کو دل پذیر ہو اور جس مطلب کو مفصّل اور مشرح بلکہ مدلّل اور مبرہن ملاحظہ کرنا منظور ہو اصل کتاب میں کر لیں۔ انڈکس کے علاوہ اِس تصنیف میں ایک **انٹروڈکشن** بھی شامل ہے جو اسّی ۸۰ صفحہ پر ہے جو بجائے خود ایک رسالہ ہے۔ اِس مقدّمہ میں ہم نے کمال درجہ کی تحقیق اور تدقیق سے اِس امر کو ثابت کیا ہے۔ کہ **سوانح عمری** کے علم کی ہمارے ملک میں کس قدر ضرورت ہے اور یہہ کہ یہہ علم چیز کیا ہے اِس اشد ضروری امر کو بھی مسلّم الثبوت کے درجہ پر پہنچایا ہے۔ کہ علمِ تاریخ اور علم لائف میں فرق کیا ہے۔ خاص کر اِس امر پر بڑا ہی زور دیا ہے۔ کہ سوانح عمری کے علم کی بجاے ناولوں افسانوں سٹوریوں اور قصہ کہانیوں سے بھی کام چل سکتا ہے؟ یا اُس فائدہ کی بجاے

جو علم تاریخ اور علم سوانح عمری سے لازمی طور پر حاصل ہوتا ہے۔ ناولوں
افسانوں سٹوریوں اور قصہ کہانی کی کتابوں سے صریحاً اور بداہتاً
نقصان پہنچتا ہے؟ علی الخصوص مقدمہ میں اس ماہیت کو بھی تاریخی
طور پر اور سچے فلسفہ کے پُرزور اور مضبوط ڈھنگ سے ثابت کر کے
دکھا دیا گیا ہے۔ کہ ہمارے مُلک میں ہر صنف اور ہر درجہ کے آدمیوں کو
اقبال کے حصول اور **اِدبار** روسیاہ اور کم بخت سے جو
ہمارے سروں پر جھوم رہا ہے تنفر اور گریز کی کس قدر ضرورت ہے۔
اور یہہ دونوں باتیں صرف علم سوانح عمری اور علم تاریخ ہی سے اور محض
علم سوانح عمری اور علم تاریخ ہی سے حاصل ہوتی ہیں۔ کسی اور علم
سے جو ہزاروں ہیں حاصل نہیں ہو سکتیں گویا علم سوانح عمری اور
علم تاریخ کا اصلی اور سچا **موضوع لہ** ہی یہی امر ہے۔ کہ
اپنے مطالعہ کرنے والوں کو صاحب اقبال کر دے اور ادبار کو
اُن سے دُور رکھے۔ اور اگر علم سوانح عمری اور علم تاریخ سے
ہم کو یہہ فیض اور یہہ برکت نہیں پہنچتی تو ہم ایسے علم سوانح عمری اور
ایسے علم تاریخ کو بھی ہیچ بلکہ بیہودہ ناولوں اور نالائق افسانوں اور
لغو سٹوریوں اور عبث قصہ کہانیوں سے بدترین کہیں گے۔ کیونکہ
اُن علوم نے ہم کو نادر اور عدیم النظیر علوم کے لباس میں دھوکا دیا

علاوہ متذکرہ بالا امور کے مقدمہ میں اس حقیقت کو بھی درجہ اثبات پر پہنچا کر دکھایا ہے۔ کہ علم تاریخ اور علم سوانح عمری کے نام دو ہیں ورنہ واقع میں ایک ہی علم دو مختلف صورتوں میں ہے۔ الغرض اس تالیف کی روح اور نفس ناطقہ (فلسفی نظر سے) انٹروڈکشن میں ہے۔ اور یہہ کہ اس امر پر بہت ہی زور دیا گیا ہے۔ کہ اگر یہہ علم ہمارے ہاں مروج بھی ہو جاوے۔ تو پھر بھی مدلل اور مبرہن **مقدموں** کے بغیر گویا ہیچ ہے۔ کیوں کہ جب کسی چیز کی اصلی ماہیت حقیقت اور فلسفی ہی معلوم نہ ہو۔ تو وہ ایک پر جوش ہمت سے کام میں نہیں لائی جا سکتی۔ زمانہ حال میں ہمارے بعض معزز اور محتشم مصنفوں نے کچھ کچھ سوانح عمریاں تالیف فرمائی ہیں جیسا کہ حالی صاحب نے حیات سعدی اور نعمانی صاحب نے لائف مامون الرشید۔ لیکن مقدور کیا ہے کہ ان میں سے کسی ایک نے بھی بھولے سے اس میں جان دار اور زندہ **انٹروڈکشن** شامل کیا ہو۔ البتہ ناول افسانے سٹوریاں اور قصے کہانیوں کے رسالے آئے دن حشرت الارض کی مانند نکلتے رہتے ہیں اور ملک میں میٹھے ہر کے نسخے شکر لپیٹی گولیوں کے انداز اور ڈھنگ سے پھیلا

رہے ہیں۔ اور طرفہ یہہ ہے کہ اُن کی تعریفوں میں اسقدر مبالغے کئے جارہے ہیں کہ بے پر اُڑانا ایسوں ہی کی نسبت بالکل صادق آتا ہے۔ ہمارے اڈیٹران اخبارات بھی جو ہمارے مُلک کے واجب العزّت والحُرمت ریفارمروں کے مُعزّز اور فاخرہ لباس میں ہیں (ایسی حالتوں میں جن کی نسبت ریفارمروں کا صرف رُوپ دھارنا اور سوآنگ بھرنا صحیح ہے) اُن ہی کی سی کہتے ہیں۔ گویا ایسے کام کے فیور میں ہیں اِس مُحتشم فرقہ میں سے ایک بھی ایسا پیدا نہیں ہوتا۔ کہ مُلک کی نازک بلکہ اِدبار زدہ حالت اور اُس کی ضرورت کو دیکھکر جو اقبال کے ایّام کی پھر معاودت اور رجعۃ القہقری سے مُراد ہے خُدا لگتی کہے۔ اور اُن برباد کُن مُلک کی اخلاقی حالت کے کھُلے بندوں اگینسٹ میں ہو۔ فی الجملہ اِس مُقدمہ کو ہم اشد ضرورت کی وجہ سے اصل کتاب سوانحِ عمری مہاراجہ نراندر بہادر کی نسبت بہت ہی مُفصّل اور مُشرّح لکھا ہے۔ چنانچہ خود اُس کے دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔ اِس سارے مُقدمہ کو اِسی قسم کی بدیہی دلیلوں اور سچّی نظیروں خاص کر تاریخی ثبوتوں سے تمام کیا ہے۔ لغو خیالات اور عقلی ڈھکوسلوں اور بے اصل

رواِتوں سے سخت نفرت کی ہے۔

لط دِل پذیر علمِ لاالف کے بارہ میں ہماری یہہ کتاب کچھ پہلی اور یہی ایک تصنیف نہیں بل کہ متعدد ہیں۔ بعض تو ایسی ہیں کہ جن میں نامور شخصوں اور بزرگوں کی واجب التحریر سوانح عمری مجملًا درج ہے۔ اور بعض ایسی بھی ہیں کہ اُن میں بیوگرفی کے اُصولوں کی پابندی کی گئی ہے۔ اور یہہ کہ بہت مفصّل اور مشرّح ہیں۔ جیساکہ ہماری مشہور کتاب آریا راُنیاں حصہ اوّل ہے اور یہہ کہ کتاب آریا رانیاں کے شروع میں ایک بہت بڑا مقدمہ شامل ہے جو مدلّل اور مبرہن ہے جو اُس کتاب کی جان اور روح ہے۔ وہ معزز اور عالی جاہ اہلِ اسلام اور محتشم اور ممتاز آریا صاحبوں کے خاندانوں میں ہر دل عزیزی کے ساتھ مقبول ہوئی ہے۔ اِس کتاب کو ہم نے مُلکِ پنجاب کے سابق بادشاہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے مشہور و معروف کمانڈران چیف خوشحال سنگھ کے خلف الرّشید سردار بھگوان سنگھ کی بیدار مغز اور خدا ترس رانی جناب کرپا دیئی صاحبہ دام اقبالہا کی فرمایش سے تصنیف کیا تھا۔ اور اسی لیئے اُنہیں کے نامِ نامی کی نذر بھی کی گئی ہے۔ الحاصل علمِ سوانح عمری کے ساتھ ہم کو دلی لگاؤ اور

تجربہ بھی ہے - چنانچہ خاکسار کی تصانیف کی فہرست سے جو
اِس کتاب کے ٹائٹل پیج کی پُشت پر درج ہے یہہ امر بخوبی
ظاہر ہو سکتا ہے -

م اِس میں ذرا بھی کلام نہیں اور ہم کو خود اِس امر کا اقرار ہے
کہ اِس تصنیف میں ہم نے ہندی اور انگریزی الفاظ کو زمانہ کی
موجودہ ہوا کی تاثیر سے عمداً اور اراداتاً وہ بھرمار کی ہے - کہ ہمارے
بعض ناظرین تو بہت ہی چڑیں گے - اور اکثر بہت ہی خوش بھی
ہوں گے - ہمارے چڑنے والوں صاحبوں اور اُنہیں کے
ہم خیالوں نے اس آبدار موتیوں اور جواہر زواہر کی سلک مُسلسل
یعنی اُردو زبان کو پہلے کلکتہ یونیورسٹی اور پھر بمبئی اور
مدراس یونیورسٹیوں سے اور آخرکار الہ آباد یونیورسٹی
سے اِس درجہ تک بے وقعت کروا کر نکلوایا - کہ جس کا کوئی علاج
اَب تک اُردو زبان کے پیار کرنے والوں میں سے جو چار
کروڑ پچاس لاکھ ہیں اور جن کی یہہ زبان مدر ٹنگ ہے ایک
کی بھی سمجھ میں نہیں آیا - بات یہہ ہے کہ ہمارے چڑنے والے
صاحب فردوس مکان حضرت ابو الحسن تانا شاہ سابق
بادشاہِ گولکنڈہ کے مزاج کی مانند نازک مزاجوں نے اُس سلک

مسلسل میں عرب اور فارس ہی کے جواہر زواہر کو پسند کیا۔ ہندی
اور انگریزی کے آب دار موتیوں اور ان مول ہیروں کو ناپسند کیا
ہندی کے موتیوں کے بست وشش کروڑ پچاس لاکھ
طرفداروں کی مجارٹی اور رائے کے مقابل چار کروڑ پچاس لاکھ
عربی اور فارسی کے بیش بہا ہیروں اور جواہر کے طرفداروں
کی منارٹی کی رائے کب پیش جا سکتی ہے۔ اور علاوہ اس کے
جب کہ انگریزی الفاظ کے گران قیمت لعلوں کے جنبہ دار آج
وقت کے اولی العزم شاہنشاہ بھی ہوں اور شمار میں بھی چہل و
دو کروڑ پچاس لاکھ سے بھی زیادہ ہوں عربی فارسی کے
جوہریوں کی پہلی ہی منارٹی ہے کیوں کہ چار کروڑ پچاس لاکھ
ہیں اور اگر ہندی اور انگریزی کے جوہری ایک جگہہ جمع ہوں
تو اُنہتر کروڑ ۶۹۰۰۰۰۰۰۰ ہوتے ہیں جو مجارٹی ہے
اس مجموعی گراں اور وزنی مجارٹی کے متقابل چار کروڑ پچاس لاکھ
والے جوہر فروش بہت ہی سبک پلہ ہیں۔ اور شہنشاہ بھی اس
درجہ کے کہ آج جن کی ثانی موجودہ دنیا میں نہیں۔ اور جن کی شمار کی
بھی یہہ حالت ہو۔ کہ چار کروڑ پچاس لاکھہ۔ اور بست وشش کروڑ
پچاس لاکھہ۔ جملہ سی و یک کروڑ کے متقابل جو پانچ سو پچپن ۵۵۵

برس میں المضاعف ہوتے ہیں صرف پنجاہ و شش سال کی مدت
میں دو چند ہوتے ہیں (دیکھو ہماری کتاب دی ایسٹرن کوالیشن نام
جو انگریزی اور اُردو دونوں زبانوں میں چھپ چکی ہے اور یہہ کہ
ہز ہائینس آصف جاہ سادس کنگ آف دی حیدرآباد دکن
کنگڈم دام سلطنتہم کی نذر ہے) پس ہندی کے
الفاظ کے اندراج کو ہم نے اشد ضروری سمجھا ہے۔ اور انگریزی
کے اُن مول ہیروں کی مُرصع کاری کو ہندی سے بھی بہت ضروری
سمجھا ہے۔ ہم اِس مرحلہ پر ہمیشہ رفتار کرتے رہے ہیں۔ خصوصاً
سنہ ایکہزار آٹھ سو تریسٹھ ۱۸۶۳ عیسوی سے تو کبھی اور کسی موقع پر بھی پہلو تہی
نہیں کیا۔ اب اُسی مرحلہ کو اپنی جدید چال سے جو ہم نے طے
کیا ہے۔ اوّل تو اُس کا ماجرا لاہور پنجاب کے مُعزّز اور مُحتشم اخبار
رفیقِ ہند کی جلد ششم کے مندرجہ حاشیہ نمبروں میں

(۱) نمبر ہفدھم مطبوعہ بست و ہفتم اپریل ۱۸۸۹ء درج کیا ہے۔
(۲) ایضاً نوزدھم مشتہرہ یازدھم مئی ۱۸۸۹ء اِس جدید سفر کی
(۳) " بستم مطبوعہ یکم جون ۱۸۸۹ء سرگزشت اور
(۴) " بست و چہارم مشتہرہ پانزدھم ایضاً ۱۸۸۹ء اِس میدان کا
(۵) " بست و ہفتم مطبوعہ سیزدھم جولائی " نشیب و فراز تقریباً

(۶) نمبر بست و نہم مشتہرہ سوم اگست ۱۸۸۹ء اس کتاب کی تقطیع
(۷) ایضاً سی و یکم مطبوعہ ہفدہم ایضاً ایضاً کے برابر ایک سو
(۸) ایضاً سی و سہ مشتہرہ سی و یکم ایضاً ایضاً صفحوں پر لکھا گیا ہے

اور یہہ کہ وہ اکثر علمی سوسائٹیوں میں پسند کیا گیا ہے۔ علاوہ اس کے
ان نمبروں کی جلدیں اس مشہور معروف اخبار کی سالانہ جلد سے علیحدہ
بھی مرتب ہوئی ہیں۔ اور دوم اسی گھاٹی میں جو مشکلات ہم کو پیش
آئے ہیں اُن کا بیان ہم نے فرخندہ بنیاد حیدر آباد دکن کے باوقعت
اخبار **آصفی** کی جلد پنجم کے مندرجہ حاشیہ نمبروں کی ضمن میں

(الف) نمبر بست و پنجم مطبوعہ ہفتم جولائی ۱۸۸۹ء بھی کیا ہے۔
(ب) ایضاً بست و ہشتم مشتہرہ بست و ہشتم ایضاً ایضاً یا یوں کہیں کہ اسی
(ج) ″ بست و نہم مطبوعہ ہفتم اگست ۱۸۸۹ء ضروری سبجکٹ

کا جدید وجہوں اور صحیح واقعات کی بنا پر اعادہ کیا ہے۔ اس
سوانح عمری کے غور پسند ناظرین کو بخوبی معلوم ہو گیا ہوگا۔ کہ ہم
اکثر کیوں ہندی اور انگریزی الفاظ کو اپنی تحریروں اور سپیچوں میں
بڑے زور کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔ اور یہہ کہ اس جدید تصنیف
میں بھی ایسی شیوہ کو کیوں اختیار کیا ہے۔ اگر اس کتاب کے
مطالعہ کرنے والوں کو زیادہ تر معلوم کرنے کا فیلنگ اور ولولہ ہو

تو مندرجہ بالا معزز اور پبلک کی زبان صحیفوں میں ملاحظہ فرمائیں
غرض کہ اگر ہندی اور انگریزی کے الفاظ اور اُن کی پاکیزہ
علمی اخلاقی اصطلاحات کو استعمال کرنے سے جو حقاً اور حقیقتاً آبدار
موتی اور جواہر زواہر ہیں۔ ہماری مادری زبان اُردو جو ایک بڑے
مقتدر اور بالیٹیشن انگریز کے قول معقول کے مطابق انڈیا کے لیئے
لینگو فرنیکا ہے اور واقعی مختلف اقسام کے اَن مول ہیروں
کی سلک مسلسل بھی ہے۔ بے وقعت نہ ہو جائے تو گناہ ہی کیا ہے
بست و شش کروڑ اور پچاس لاکھ ۲۶۵۰۰۰۰۰۰ والوں سے
جو اپنے ہم وطن ہیں چہل و دو کروڑ پچاس لاکھ ۴۲۵۰۰۰۰۰۰ والوں سے
بھی جو اپنے وقت کے عدیم النظیر شہنشاہ بھی ہیں آؤ اَب بھی صلح
کرلیں۔ اور اس امر کا بھی لحاظ رکھیں کہ اگر ان دونوں مجاریوں کو جمع کریں
تو اُنہتر کروڑ ہوتی ہے جو بہت وزن دار اور گراں ہے۔ اور اس کے
مقابل مناڑی والے نہایت درجہ کے سبک پلہ ہیں ورنہ یاد رکھنا
چاہیئے۔ کہ قدرت کا بندھا ہوا قانون ہے اور جو بیشمار تجربوں میں
بھی آیا ہوا ہے۔ کہ بادشاہوں کی زبان میں اُس کی رعایا کے الفاظ
بھی گھس جایا کرتے ہیں۔ مگر بہ قلت۔ اور رعایا کی زبان میں بادشاہوں
کی زبان کے الفاظ لازمی طور پر دخل پیدا کرلیا کرتے ہیں۔ اور یہہ کہ بکثرت

بہت ہی خوشی کی بات ہے - کہ زمانۂ حال کے اُردو لٹریچر کے فخر
اور حضرت دہلی کے ممتاز لوگوں میں سے کئی ایک نامور مُصنّفوں نے
جن میں سے ایک کا نام نامی شمس العلما مولوی محمد ذکا اللہ خاں بہادر
پروفیسر اُردو لٹریچر اینڈ سائینس میور کالج اور فیلو الہ آباد یونیورسٹی
ہے - اور دوسرے کا نام مولوی خواجہ الطاف حسین صاحب حالی
اور تیسرے کا نام منشی سیّد احمد صاحب دہلوی ہے - ہمارے
اِسی شیوہ کو اختیار کیا ہے - جس سے اُمیدّ ہے کہ اِس میں زیادہ
کامیابی ہوگی - شمس العلما کی تاریخ ہند کے نادر دفتر اور اُن کی اَور عُمدہ
تصنیفات کو دیکھو - تیسرے صاحب کی اَور تصانیف خصوصاً **فرہنگ**
آصفی کو مُلاحظہ کرو - جو ہز ہائینس آصف جاہ سادس بادشاہ حال سلطنت
حیدرآباد دکن کی **نذر** ہوئی ہے -

ما ہم اِس سوانح عُمری کے پیراگراف **کھ** میں وعدہ کر آئے
ہیں - کہ جیندو لال فیملی کے جائز وارث مہاراجہ نراندر بہادر کی دُختر نیک اختر
کے لعل راجہ کشن پرشاد بہادر کا تذکرہ اِسی تصنیف میں خاص الخاص
طور پر بھی کرینگے - چُنانچہ اِس موقع پر ہم اپنے وعدہ کے ایفا میں کوشش
کرتے ہیں - یہہ نوجوان یعنی راجہ کشن پرشاد بہادر سمت ۱۹۱۹ ایکہزار نوسو اُنیس
مُطابق سنہ اٹھارہ سو باسٹھ ۱۸۶۲ عیسوی میں پیدا ہوئے - اِس لئے اُنکی

عُمر کا دورستائیسواں سال میں ہے۔ آپ کی تعلیم کا یہ حال ہے
کہ انگریزی فارسی اُردو اور گرمکھی وغیرہ زبانوں میں زمانۂ حال
کے کورس کے مُطابق لیاقت بہم پہنچا چکے ہیں۔ اور اپنی بہت
بڑی جاگیر میں کام کاج کرنے کی وجہ سے معقُول تجربہ بھی حاصل کیا
ہوا ہے۔ اِس سلطنت کے باشندے جو ایک کروڑ پچیس لاکھ
سے بھی کچھ زیادہ ہیں۔ راجہ صاحب موصُوف کو بھاگوان اور صاحبِ
اقبال جانتے ہیں۔ کیوں کہ باوجود اہلِ ثروت اور عالی جاہ اور اُس پہ
نوجوانی اور نہائیت حسین ہونے کے دُنیوی فانی عیش و عشرت کی
طرف بالطبع مائل نہیں بلکہ علم اور تجربہ کی ترقی کی طرف دل سے
رجوع ہیں۔ باوجود دُنیوی اسباب کے سچّے اخلاق کی وجہ سے
بُڈّھے معلُوم ہوتے ہیں۔ کیوں کہ سچّے مُنکسر مزاج ہیں۔ اور یہ کہ
پرمیشور سرب شکتمان پرم آتما جوتی سُروپ کی کرپا اور دیا سے صاحبِ
اولاد ہیں۔ چُنانچہ آپ کے ٹیکے کا نام راجہ چند اپرشاد
بہادر ہے۔ غرض کہ اِس دُنیا کی سب برکتیں آپ کو حاصل ہیں۔
آنے والی دُنیا کی نعمتوں کا بھی اُن کو دل سے فکر ہے۔ کیوں کہ
انہیں ایّام میں آپ کو خدا پرستی اور بُزرگوں کے فیض صُحبت اور
اہلِ علم اور فضل کی قدردانی اور جوہر شناسی کا جوش اور شوق ہے

خود راجہ صاحب ممدوح کی ایک خاص تحریر سے جو ہمارے پاس سنداً موجود ہے متذکرہ بالا امور کا بہ خوبی ثبوت مل گیا۔ آپ کی ایک اور خاص تحریر سے اور خصوصاً اسپر عمل کرنے سے جیسا کہ چاہیئے ثابت ہے۔ کہ راجہ صاحب اپنے آقا و ولی نعمت ہز ہائینس آصف جاہ سادس کنگ آف دی حیدرآباد دکن کنگڈم خلد اللہ سلطنتہم کی فرماں پذیری اور خصوصاً وفاداری کو انسانی فرائض میں سے سب سے اعلیٰ فرض سمجھکر اُس پر عمل بھی کرتے ہیں۔ علاوہ اس کے ایسے مواقع پر کہ جہاں انسان اپنی حیثیت عزت اور رتبہ کا لحاظ اور خیال رکھتا ہے۔ واں راجہ صاحب اپنے کو اپنے حضرت اعلیٰ آقا کا **خانہ زاد** بیان کرتے ہیں۔ اور خاص کر یہہ کہ موروثی خانہ زاد ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔ اپنی عزت ثروت کو اپنے خداوند نعمت کے استرضا پر منحصر سمجھتے ہیں۔ اس میں ذرا بھی شک و شبہہ نہیں کہ اُن کے بھاگوان اور اقبال بند ہونے کے یہی لچھن ہیں۔ ہم اس پوائینٹ پر ایک حرف بھی زبان قلم پر لانا نہیں چاہتے۔ کہ راجہ صاحب کا کنگڈم آف حیدرآباد دکن پر کس قدر حق ہے۔ بلکہ ہم اس کے علاوہ یہہ سمجھتے ہیں کہ سلطنت آصف جاہی کی بندہ نوازیوں اور خانہ زاد پروریوں کا حق راجہ صاحب ممدوح اور آپ کے باپ دادوں اور پڑدادوں

اور اُن کے اَوْر بزرگوں پر بہت کچھ ہے اور یہہ کہ بے انتہا
ہے - چوں کہ خانہ زاد پروری سلطنتِ آصفی کا پرنسپل اور اُصول
ہے - اور اِسی اُصول کی پابندی ہم اِس خداداد بادشاہت کے
جزو کُل اُمور اور اُس کے رگ و ریشہ میں تجربہ کر چکے ہیں اور کر رہے
ہیں - اِن وجوہ سے اور اَوْر وجوہ سے بھی ہم کو ذرا بھی تامّل نہیں
کہ راجہ صاحب ممدوح **آصف جاہِ سادس** خلّد اللہ مُلکہم
وسلطنتہم کی مخیّر فیاضی اور دردمند طبیعت سے ضرور ہی پوری پوری
کامیابی کا فیض حاصل کریں گے - کیوں کہ بندگان حضور تاجدار حیدرآباد
دکن نے راجہ صاحب موصوف کو مہاراجہ نرائندر بہادر کا جانشین اور
مہاراجہ چندو لال فیملی کا جائز وارث تسلیم کر لیا ہے - حتّیٰ کہ عہدۂ
پیشکاری کے خلعت عطا ہونے کے سواے اُس خاندان کے کُل
حق حقوق اور جاگیر پر جو تقریباً چالیس پچاس لاکھ روپیہ آمدنی رکھتی ہے
آپ قابض اور متصرّف ہیں - جو کارروائیاں اپنوں اور پرائیوں سے
ہو رہی ہیں - ہم کو ذرا ذرا معلوم ہیں جس میں محض سراب اور دھوکا ہی
دھوکا ہے - بل کہ اگر اور بھی پوست کندہ کہا جاے تو یہہ کہہ سکتے اور
کہتے ہیں - کہ اُن کارروائیوں میں نہ صرف عہدۂ پیشکاری کے لیئے یا
اِس خاندان کے متعلّق جاگیر کے حق میں ہی سخت ترازسخت فساد کا مادہ

اور ہیولا ہے۔ اِس کے علاوہ ناحق ناحق حیدرآباد دکن کنگڈم پر بھی بیجا
دھبّے کے پڑجانے کے آثار ہیں۔ لیکن بہرحال اطمینان کی صورت
ہز ہائینس کنگ آف دی حیدرآباد دکن کنگڈم کے منشا سے ہوتی
ہے جو ہم کو بخوبی طور پر معلوم ہوگیا ہے۔ جس پر ہم اعلیٰحضرت بادشاہ
حیدرآباد دکن کی کامل درجہ کی نیک نہادی پر جو خاندانِ آصفی کے
سرتاج اور فخر ہیں ایک بار نہیں بلکہ سو بار **مرحبا** کہتے ہیں
ہم کو خاص الخاص طور پر یہ بات بھی معلوم ہوگئی ہے۔ کہ ہمارے حضور
پُرنور آصف جاہ سادس کو خود راجہ صاحب ممدوح اور اُن کے سچّے
خیرخواہوں سے زیادہ اِس امر کی اطلاع ہے۔ کہ حیدرآباد دکن کی
موجودہ سلطنتِ آصفی کے قیام کے دن ہی سے راجہ کشن پرشاد
بہادر کے عالی اور مشہور خاندان کی بنیاد بھی یہاں قائم ہے جس کو ایک سو
پچاس برس کا زمانہ گذر رہا ہے۔ کیونکہ ۱۷۳۱ء سترہ سو اکتیس عیسوی
کے قریب مہاراجہ چندولال کے بزرگ آصفی نیلی کے پہلے تاجدار اور
اِس سلطنت کے بانی مبانی نظام الملک آصف جاہ میر قمر الدین خان
بہادر فردوس آرامگاہ کے دامنِ دولت کے ساتھ آئے تھے۔
اور اب تک نمک خواروں کی اولاد اپنے خداوند نعمت کی اولاد کے
دامن دولت کے ساتھ ساتھ کرسی بہ کرسی لگی چلی آئی اور لگی ہوئی ہے

چنانچہ ہم اِس کتاب سوانح عمری میں اس امر کو متواترانہ ثابت بھی کر آئے ہیں۔ علاوہ اِس کے بندگان حضور پر نور ممدوح الاوصاف کو یہہ بھی معلوم ہے۔ کہ سلطنت آصفی کے سرتاج حال کے جنت نشین بزرگوں سے راجہ صاحب کے داداوں پڑداداوں اور اُن کے اَور بزرگوں کے حق میں وقتاً فوقتاً یا یوں سہی کہ نسلاً بعد نسلاً کیا کیا سلوک مسلوک ہوئے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے اِس امر کو بھی اِس سوانح عمری میں اپنے موقع پر ثابت کر دیا ہے۔ ہمارے کنگ آف دی حیدرآباد دکن کنگڈم کچھ اِس امر سے ناواقف نہیں۔ کہ اِس سلطنت کے ادنی سے ادنی جاں نثار اہلکاروں کی قدامت کا لحاظ اِس باخیر سلطنت کے فرماں رواؤں کے وجود باجود میں جزو لاینفک کی طرح سے چلا آتا ہے۔ چہ جا سے کہ اعلی اہلکاروں کی قدامت کا لحاظ ملحوظ خاطر سلطنت نہ ہو۔ اِس پوائینٹ کو ہم نے کتاب مندرجہ حاشیہ کے چوتھے **مقالہ** میں جہاں ہز ہائینس آصفجاہ سادس کے مزاج اقدس اور آپ کی کارروائیوں پر بحث ہے صحیح واقعات کی بنا پر ثابت کر دیا ہے۔ ہمارے بندگان

تاریخ سلطنت آصفی

حیدرآباد دکن

اعلیٰحضرت اِس امر سے جیسا کہ چاہیئے خوب ہی واقف ہیں۔ کہ آپ کی مُخیرِ اور خداداد سلطنت کو جناب باری تعالےٰ عزاسمہٗ نے اپنے ایک کروڑ پچیس لاکھ اٹھارہ ہزار دو سو سرسٹھ بندوں پر حکومت اور فرماں روائی بخشی ہے۔ اس تعداد میں سے ہمارے اعلیٰحضرت کے ہم مذہب صرف بارہ لاکھ پچاس ہزار چار سو پینسٹھ ۱۲۵۰۴۶۵ جانیں ہیں۔ باقی تعداد مذکور میں سے تیرہ ہزار چھ سو چودہ ۱۳۶۱۴ کے سوائے جو دیسی عیسائی رعایا حضور ہے ایک کروڑ بارہ لاکھ سرسٹھ ہزار آٹھ سو دو ۱۱۲۶۷۸۰۲ ہندو مت کی رعایا بندگان عالی متعالی جو راجہ صاحب کی ہم مذہب و ہم ملت ہے۔ علاوہ اس کے ہمارے ہز ہائینس **پاپلیرٹی** (ہر دل عزیزی) کے اکسیر صفت اثروں کششوں اور جادو پردازیوں سے (جس کا تذکرہ **تاریخ سلطنت آصفی** حیدر آبادِ دکن کے چوتھے مقالہ میں ہم نے بڑی شرح اور بسط کے ساتھ کیا ہے جو ہز ہائینس کے مزاج اقدس اور آپ کی اُور کارروائیوں کے بارہ میں متضمن ہے اور خاص کر جس میں خود بندگان عالی کی پاپلیرٹی کا بھی صحیح واقعات اور کارروائیوں سے ثبوت درج ہے) ہم سب سے بدرجہا زیادہ تر واقف اور ماہر ہیں بل کہ اِس پسندیدہ شیوہ پر ہمارے اعلیٰحضرت کا بخوبی عمل ہے

الحاصل کل آبادی مذکورہ میں سے تقریباً دسویں جزو اور باقی نو جزو تو
خاص کر چشم براہ ہیں کہ پیشکاری کے عہدہ کے اجلاس پر
اپنے راجہ صاحب ممدوح کو اپنے حق بین اور حق شناس اعلیٰ حضرت
کی پیشگاہ سے کب اجازت اور عزت مرحمت ہوتی ہے - بعض
کوتہ اندیشوں کے سوال پر راجہ صاحب موصوف کا یہہ جواب ہے
کہ برٹش گورنمنٹ کو اس معاملہ میں جو آقا، قدیم اور خداوند نعمت کا آبائی
پشتینی نمکخوار اور دُعاگو ہے دولت آصفی کے ساتھ معاملہ ہے کچھ بھی
تعلق نہیں الخ راجہ صاحب کی نیت اور ارادے اور عقل پر مرحبا
کہنا پڑتا ہے - کیونکہ یہہ معاملہ ایک ایسا معاملہ ہے کہ جو اندرونی
ہے اور جس کا انحصار قطعاً ہز ہائینس آصف جاہ سادس کی فیاضی
اور رحمدلی اور خانہ زاد پروری پر ہے - ہم تجربہ سے کہتے ہیں
جس میں ذرا بھی شک وشبہ کا مقام نہیں - کہ اس معاملہ کے
نشیب و فراز اور اس کی اونچ نیچ کو ہر پہلو سے ہمارے روشن ضمیر
بندگان اعلیٰ حضرت خوب سوچے ہوئے ہیں - یہی خاص الخاص
وجہ ہے کہ یہہ عہدہ ہنوز خالی رکھا گیا ہے جتنی کہ بڑے
امرا رنامدار میں سے کسی کو نہیں دیا گیا - بلکہ کسی امیر کو اس کی اُمید بھی
نہیں دلائی گئی - کیونکہ یہہ معزز عہدہ امیروں کے لیئے ہی ہے

البتہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ پھر اس قدر دیر اور تامل کی آخر کوئی وجہ ہونی چاہیئے۔ اس سوال کے جواب میں جہاں تک کہ ایک سٹیٹسمین کی دقیق تحقیقات کو وسعت ہے۔ واں تک ثابت ہو گیا ہے کہ کوئی بھاری وجہ (اس کارروائی کے بغیر جس کا اشارہ ہم نے کر دیا ہے) تو اس رکاوٹ کی نہیں۔ وہ وجہ بھی حائل نہیں جو بعض لوگ جانتے تھے۔ کہ مہاراجہ چندولال کی فیملی میں سے اُن کا جانشین یا یوں کہیں کہ مہاراجہ نراندر بہادر کے جائز وارث راجہ صاحب موصوف کی ہمشیرہ کا بیٹا بنایا جائے۔ کیوں کہ ہز ہائینس آصف جاہ سادس بادشاہِ حیدرآبادِ دکن نے راجہ کشن پرشاد بہادر ہی کو مہاراجہ چندولال کی فیملی میں سے اُن کا جانشین مان لیا ہے۔ یا یوں ہی کہ ہمارے حضورِ پُرنور نے راجہ صاحب ممدوح کو مہاراجہ نراندر بہادر کا جائز وارث تسلیم کر لیا ہے۔ ہمارے ہز ہائینس کے صاف اور فیض منزل دل اور زبان سے اپنے برابر زبئی (فرماں روائی کے لحاظ سے) کئی ملاقات کے موقع پر پیشکاری کے عہدہ کے اصلی مستحق کے باب میں تذکرہ بل کہ خاص کر اُن کا نام نکل ہی جاتا ہے جس سے دولتِ آصفی کی رعایا میں سے ہجارٹی کو ایک طرح کا اطمینان تو ہو جاتا ہے کہ حق بہ حق دار پہنچنے ہی والا ہے۔ ہمارے بندگان حضور کا ایسا

ارشاد کسی سوال کے جواب میں صادر نہیں ہوتا۔ کیونکہ اعلیٰ حضرت
اپنے شاہانہ مزاج کی وجہ سے ایسے کوہ تمکین ہیں اور اس درجہ کے
بھاری بھرکم ہیں۔ کہ مناسب فکر اور واجب تامل کے بعد بادشاہت کے
معاملات کو ظاہر فرماتے ہیں۔ کوئی امر جو سلطنت کے رازوں اور
بھیدوں کے متعلق ہوتا ہے۔ اور یہہ کہ جو قابل غور ہوتا ہے حضوری
باریابوں میں سے جو خاص الخاص ہیں۔ کسی کو بھی معلوم نہیں ہوتا۔ اور
نہ اُن اعلیٰ درجہ کے معززین میں سے کسی کی جرات ہی ہے۔ کہ
سلطنت کے کسی معاملہ میں دخل دے سکیں۔ اور یا اشارتاً بھی جتا ئیں
متذکرہ بالا جیسا خاص معاملہ اُن اعلیٰ درجہ کے فرمان فرماؤں سے البتہ
اُن کے خاصوں کو معلوم ہو جاتا ہے کہ جو بندگان حضور سے شرف
ملاقات حاصل کرنے آتے ہیں **المختصر** ہمارے ہز ہائینس کی
رعایا برایا کو نہ محض اسی وجہ سے اس معاملہ میں تسکین خاطر ہے۔ کہ راجہ
صاحب بہ نشتینی نمکخواری اور خانہ زادی کی وجہ سے اپنے حق کو ضرور ہی
پہنچیں گے۔ بل کہ خود ہمارے اعلیٰ حضرت کی معاملہ رسی فیاضی اور
حق شناسی پر اُس کو کامل تیقن ہے۔ کہ جن کی بدولت راجہ کشن پرشاد
بہادر اپنے حق کو پہنچیں گے۔

اب اب ہم دو چار لفظ ہی اور عرض کر کے نہ صرف اس کتاب ہی

کو ختم کرتے ہیں۔ بل کہ اس خاتمہ کا بھی خاتمہ کرتے ہیں۔ اس سوانح عمری
میں مملکتِ حیدرآبادِ دکن کے علاوہ اس خاندان کے جس کے لیئے
یہہ کتاب ہی موضوع ہے تین ایسے عالی جاہ اور رفیع پایہ یگانہ خاندانوں
کا بھی خاص الخاص طور پر تذکرہ ہے جو ایک ہی مفصّل اور مشرح ریمارک
میں درج ہے۔ کہ (۱) ایک خاندان کو اُن خاندانوں میں سے بوجوہ
رائل فیملی کہنا بجا ہے۔ اور (۲) دوسرا خاندان یہاں کے اہلِ اسلام
میں ایسا ممتاز اور عالی جاہ ہے۔ کہ عزّت اور وقعت کے لحاظ سے
بھی اور خاندانی اور قدیم ہونے کی وجہ سے بھی رائل فیملی کی نسبت دوسرے
درجہ پر ہے۔ (۳) تیسرے خاندان کا حال اظہر ہے۔ کہ وہ اس
سلطنت کی ہندو رعایا میں سے ایسا معزز اور مفتخر ہے کہ اُس نے تیسرے
درجہ کا امتیاز پایا ہوا ہے۔ چنانچہ اِس کتاب سے خود ظاہر ہے۔
(۴) چوتھا دودمان بھی ہندو رعایا سلطنتِ آصفی میں باوقر شمار کیا گیا ہے
اور یہہ کہ قدیم بھی ہے۔ وہ خاندان جس کو ہم نے رائل فیملی کہا ہے
اور ہمارے پاس اِس کہنے کی باورکرا دینے والی وجہیں بھی ہیں امیرِ
کبیر شمس الامرا کا خاندانِ عالی ہے۔ اور دوسرا مختار الملک
سرسالار جنگ کا دودمان ہے۔ اور تیسرا مہاراجہ چندولال
کا خانوادہ ہے۔ اور چوتھا راجہ شیوراج دھرم ونت اور راجہ

مُرلی منوہر کا خاندان ہے۔ چُوں کہ یہہ کتاب مہاراجہ نرائندر بہادر
کی سوانح عمُری میں ہے۔ جو چندولال فیملی کے گرینڈ ممبر تھے۔ پس اِس
کتاب میں بظاہر متذکرہ بالا تین خاندانوں کی خاندانی ہسٹریاں اور اُن کے
ممبروں کی لائف کے لکھے جانے کی کچھ مناسبت نہ تھی۔ مگر جن کو اِس
نادر علمِ تاریخ میں مذاق ہے اور اِس فن کی جادو پردازیوں اور سحر کاریوں
سے واقفیت ہے وہ جان سکتے ہیں۔ کہ اِس سوانح عمری میں موقع
ایسا ہی آپڑا کہ پہلے عالی جاہ دودمان کی خاندانی ہسٹری اور اُس کے
والا پایگاہ رُکن رکینوں کی لائف درج کرنی ہی انسب تھی۔ اور یہہ کہ جب
پہلے خاندان کی خاندانی ہسٹری لکھنی پڑی تو دوسرے ممتاز خاندان
کی تاریخ سے قطع نظر کرنا بھی ہرگز ہرگز انسب نہ تھا۔ اور جب کہ اِس ما بعث دو شاہی
کی ہندو رعایا میں سے تیسرے دُودمان کا تاریخی حال بیان کیا گیا۔
تو کوئی وجہ نہ تھی۔ کہ ہندو رعایا میں سے ہی جو تھے خاندان کا تاریخی
ماجرا نہ لکھیں اگرچہ **تاریخ سلطنت آصفی** حیدرآباد دکن کے
نویں **مقالہ** میں ہم نے یاں کے اُمرا پایگاہ کی خاندانی
ہسٹریاں اور اُن کی لائف مؤرخانہ لکھی ہیں۔ اور یہہ کہ اسی تاریخ کے دسویں
مقالہ میں نظام کنگڈم کے اعلیٰ عہدہ داروں کی خاندانی تاریخیں
اور اُن کی سوانح عمریاں بھی تحریر کی ہیں۔ لیکن اِس کتاب سوانحِ عمری

مہاراجہ نامدر بہادر میں متذکرہ بالا تینوں خاندانوں کا خاندانی حال لکھنا
بھی پُرضرور تھا جو بہ احسن بل کہ مُستحسن طور سے معرضِ تحریر میں لایا گیا ہے
چنانچہ اِن محتشم خاندانوں کے تاریخی حالات کے بیان کے دوران میں
سب سے پہلے امیرِ کبیر شمس الاُمرائی فیملی کے خاندانی
حالات اور اُس کے ہر ایک فلکِ رفعت ممبر کی حیات اِس ترتیب
سے لکھی گئی ہے۔ کہ اُن کے مُورث اعلیٰ سے شروع کرکے اُن کی
موجُودہ صاحبِ اقبال اولاد تک تحریر کئے گئے ہیں۔ اور یہہ کہ ہر ایک
کے حالات مُورخوں کے اُصول کے مُطابق اور بیوگرفی کے پرنسپلز کے
موافق سنہ وار ارقام کئے گئے ہیں۔ حتیٰ کہ زمانہ حال تک یہہ سلسلہ
ہیچ میرزِ مُصنّف کی پرسنل رائیوں اور ذاتی **تجربوں** کے ساتھ
پہنچایا گیا ہے۔ یعنی ہز اِکسلنسی نوّاب سر محمّد محی الدّین خاں
خورشید الدّولہ خورشید المُلک خورشید الاُمرا خورشید جاہ
تیغ جنگ بہادر کے سی ایس آئی تک پہنچا کر ساتھ ہی اُن کے
دونوں صاحبزادوں پہلے ہز اِکسلنسی نوّاب محمّد فیض الدّین خاں
امام جنگ بہادر اور دوسرے ہز اکسلنسی نوّاب محمّد حفیظ الدّین
خاں ظفر جنگ شمس الدّولہ شمس المُلک بہادر تک پہنچایا ہے
اور اسی سلسلہ میں ہز اِکسلنسی نوّاب سر محمّد مظہر الدّین خاں کی

رفعت جنگ بشیر الدولہ عمدۃ الملک اعظم الامرا امیر اکبر آسمان جاہ بہادر کے سی ایس آئی تک نوبت پہنچی ہے۔ بہت مفصلاً اور مشروحاً اس امیر ابن امیر کی نسبت لکھنا مناسب تھا جو لکھا گیا۔ کیونکہ بہ فضل خدا اور اقبال خداداد کے تصدق سے یہی امیر الامرا سلطنت آصفی حیدرآباد دکن کے وزیر اعظم اور دستور معظم ہیں۔ غرض کہ اسی مسلسل سلسلہ میں ہز اکسلنسی نواب محمد فضل الدین خان سکندر جنگ اقبال الدولہ اقتدار الملک وقار الامرا بہادر تک پہنچ کر جو سلطنت آصفی کے وزیر مال ہیں آپ کے دونوں صاحبزادوں تک اس خاندان کی ہسٹری اور ہر ایک ممبر کی لائف کو تمام کیا ہے۔ پہلے اقبال مجسم صاحبزادے ہز اکسلنسی نواب محمد مختار الدین خان سلطان الملک بہادر ہیں۔ اور دوسرے ہز اکسلنسی نواب محمد ولی الدین خان بہادر ہیں۔ اس رائل فیملی کی ہسٹری اور اس کے ہر ایک ممبر کی زندگی فی نفسہ ایک کتاب ہے۔ پہلے خاندان کی خاندانی تاریخ اور اس کے رکن رکینوں کی سوانح عمریوں سے فراغت حاصل کر کے اور یہہ کہ شجرہ خاندان بھی پیش کر کے۔

دوسرے خاندان یعنی فردوس آرامگاہ ہز اکسلنسی نواب میر تراب علی خان سالار جنگ مختار الملک بہادر جی۔ سی۔ ایس۔ آئی

بہ القابہ ومدارجہ کی خاندانی ہسٹری اور اُن کے خاندان کے ہر ایک ممبر کی سوانح عمری کی طرف توجہ کی گئی ہے ۔ علمِ تاریخ کے اُصول کے مُطابق اور بیوگرفی پرنسپلز کے موافق سنہ وار اُن کے مُورثِ اعلیٰ اور اُن کے خاندان کے اُور ممبروں کا تذکرہ بھی شرح اور بسط کے ساتھ کر کے اُن کے لائق فائق مرحوم مغفور جواں مرگ دونوں صاحبزادوں کا حال بھی خاص طور پر لکھا ہے پہلے ہز اکسلنسی نوّاب سر میر لائق علی خاں سالارجنگ مُنیرالدّولہ مختارُالمُلک عمادُالسّلطنتہ بہادر ۔ کے سی ایس ۔ آئی کا ۔ اور دُوسرے ہز اکسلینسی نوّاب میر سعادت علی خاں غیور جنگ شجاعُ الدّولہ مُنیرُالمُلک بہادر کا ۔ اِس دوسرے خاندان کی ہسٹری اور اُس کے ممبروں کی حیات کا خاتمہ نوّاب مختارالمُلک سر سالارجنگ میر تُراب علی خاں کے اقبال آثار پوتے اور سر میر لائق علی خاں کے صاحب نصیب صاحبزادے ہز اکسلنسی نوّاب میر ابوالقاسم یُوسف علی خاں بہادر طال اللہ عمرہٗ کے تذکرہ خیر پر کیا گیا ہے ۔ غرض کہ اِس مُمتاز دُودمان کا تذکرہ بھی اسقدر مبسُوط کیا گیا ہے ۔ کہ فی نفسہ ایک کتاب ہے ۔ اِس کتاب یعنی مہاراجہ نرانند بہادر کی سوانح عمری کے مُطالعہ کرنے والوں کو یہہ بات

تو بخوبی معلوم ہی ہے۔ کہ یہہ کتاب
تیسرے خاندان کی مفصل اور مشرح مورخانہ خاندانی ہسٹری اور
اُس کے ہر ایک نامور ممبر کی مبسوط لائف کے بیان میں خاص کر
ہے۔ یا اسی زبان کے اور الفاظ میں اس مطلب کو یوں بھی بیان کیا جا سکتا
ہے۔ کہ اس سوانح عمری کا موضوع لہٗ ہی یہی ہے۔ کہ تیسرے
خاندان کی ہسٹری اور اُس کے نامدار ممبروں کی زندگی شایع کرے
پس یہاں خاتمہ میں کمال درجہ کے اختصار کی پابندی سے بھی جس کو قل
و دل کہا جاتا ہے اور سچ کہا جاتا ہے اُس کے اعادہ کی ضرورت نہیں
چوتھے خاندان یعنی راجہ شیوراج دھرم ونت اور راجہ
مرلی منوہر کی خاندانی تاریخ اور اُس کے نامدار ممبروں کی زندگی
کے بیان میں بھی وہی مورخانہ شیوہ اختیار کیا گیا ہے۔ کہ سنہ وار
آپ کے مورث اعلی سے لیکر مسلسل ہر ایک نامور ممبر کا تذکرہ کرتے
ہوے راجہ صاحبان ممدوح تک پہنچے ہیں۔ اور پھر اس سلسلہ کو راجہ
مرلی منوہر بہادر کے مجسم اقبال صاحبزادے راجہ اندر کرن بہادر
کے تذکرہ پر تمام کیا ہے۔ یہہ تذکرہ نیز فی نفسہ ایک کتاب کی سی وقعت
رکھتا ہے۔ جس شجرہ کی بنیاد پر ہم نے اس چوتھے خاندان کے حالات
لکھے ہیں وہ سرکار نظام کے ایک اعلی اہلکار کے دفتر سے ہم کو ملا ہے

اگر کچھ غلطی ہے تو اُس دفتر کی سمجھنی چاہیئے - تاریخ سلطنت آصفی حیدر آباد دکن میں جو اِس دُودمان کا حال لکھا گیا ہے وہ ہمارے اپنے طور کی تحقیقات ہے -

ہیچمدان ہیچ مدان مُصنّف اِس امر کا اظہار بھی اِس موقع پر من وجہٖ ضروری سمجھتا ہے - کہ اِس کتاب سوانح عمری سے اُس سلطنت خداداد کے آفتاب کی شعاعیں بھی نور افشانی کر رہی ہیں - کہ جس کے ہم ہوں یا **وہ** خانہ زاد متوسّل اور دست گرفتہ ہونے کے علاوہ جس سے ہر مُلک کے خُدا کے بندے اور ہر مذہب اور ملّت کے پیر و منوّر ہیں - اور یہہ کہ جس کے فیض سے مُحیر ہونے کی وجہ سے بلا امتیاز مذہب ملّت لاکھوں انسان عام اِس سے کہ سفید پوش اور خاندانی ہی ہوں یا واجب الرّحم اور بے خانماں مُستفیض اور مُستفید ہوتے ہیں - اگر اُسکی نسبت ذرا اَور بھی فاش کہیں تو یہہ بھی کہہ سکتے ہیں - کہ وہ سلطنت نہ صرف دیسیوں کے حق میں ہی مُفلسی کی آفتوں سے محفوظ رہنے کا ملجا اور ماوا ہے - بل کہ یوروپین لوگوں کے لیئے بھی پناہ گاہ ہے - اور یہہ کہ جس کی ڈکشنری میں تعصّب کا لفظ موجود نہیں ہے اِن شعاعوں کا اصلی چشمہ کتاب مندرجہ حاشیہ صفحہ آیندہ ہے جو ضخیم اور مبسُوط ہے - جس کے مجمل مضامین بھی حاشیہ میں درج ہیں - ہیچ میرز مُصنّف اِس

اس کتاب کی نسبت یاں کچھ عرض معروض نہیں کیا چاہتا کہ یہہ ایسی ہے یا ویسی ہے۔ اس سوانح عمری کے مطالعہ کرنے والوں کو البتہ چاہیے۔ کہ اس کتاب کو بھی ملاحظہ فرمائیں۔ جو زمانہ حال کی روشنی میں تصنیف ہوئی ہے جس میں برقی روشنی ہے۔ اب دیسی تیل کی روشنی کا عہد ہٹتا جاتا ہے۔ بل کہ کروسین اور گیس کی روشنی بھی ماند ہوتی جا رہی ہے۔ لاریب یورپ میں برقی روشنی

تاریخ سلطنت آصفی

حیدر آباد دکن

(۱) **مقدمہ** کتاب

(۲) **مقالہ** حیدر آباد دکن کی سلطنت کا **جغرافیہ** اور اس کے متعلق امور کے بیان میں

(۳) **ایضاً** آصفی سلطنت سے پیشتر کے حکمرانوں کے تذکرہ میں۔

(۴) " سلطنت آصفی کے **فونڈر** اور آپ کے **تاجدار** جانشینوں کے حالات۔

(۵) " پادشاہ حال حیدر آباد دکن یعنی **آصف جاہ سادس** کے حالات خصوصاً آپ کے مزاج اقدس علی الخصوص آپ کی کارروائیوں کا ماجرا۔